

اُردو

# دیوان غالب

مؤشر نظامی

مطبعہ نظامی پریس بدایوں



پوچھتے ہیں کہ غالب کون ہے؟ + کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلا دیں کیا؟



نجم الدولہ و سیر الملک مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی



## خط مرزا غالب

جناب صاحب کو میری زندگی بہتر کر دے گا مگر وہ غلام غوث کا بھلاؤ نہ  
 کا قول سچ ہے اب میں تندرست نہیں ہو جاؤں اچھی دھم چلا  
 کہیں نہیں مگر صنف کے وہ رشتہ ہیں جو خدا کے پناہ یافتہ کو  
 نہو برس دن صاحب فراموشی راہوں سے تشریف لے کر جاتا ہے  
 تہا بے مبالغہ آواز اوسیلی سے پیچھے ہو کر نکل گیا سنو  
 کہتا جواب پہر تولید دم صالح ہو پیر حاکم زندہ ہوں  
 اور نا تو ان اور آج کے ہر شہر و ستانہ کا عین حال  
 و السلام مع الذکر ام نجابت کا طالع غالب  
 ۱۵ شنبہ ۱۵ جمادی الثانی ۱۲۸۷ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۸۷۰ء



# ۱ ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴾ دیباچہ طبع ثالث

تفاسی پر پس دایوں نے سید اس محمود صاحب بی اے آکس کی تحریک سے شائع میں اردو دیوان غالب کو سب سے پہلی مرتبہ تعلیم یافتہ طبقہ کی تفاسی طبع اور ساتھ ہی ان کے عالمانہ ذائقہ کو ملحوظ رکھ کر شائع کیا تھا خدا کا شکر ہے کہ اسی طبع سے وہ دیوان تیسری دفعہ چوتھی طبع پر مزید اہتمام سے آراستہ چھپا ہے۔ یہ کلام کی خوشنما جلد سے فریفتہ طاقتیں بہت "بکر خطا" پر پہلا نسخہ تو سرا تھا لیکن جلد سوم اپنے پیش رو کی طرح عالیشان ہے۔ اس مرتبہ شرح پر نظر ثانی کی گئی جو اور مرزا کے خطوط سے دو تکریریں مکتبہ الآثار اشعار کی شرح خود مرزا زبان سے لکھی گئی جو جس کی وجہ سے اس شرح کی ایک خاص امتیازی صورت پیدا

۱۔ مرزا کے خطوط کے ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں کتابوں کی اشاعت میں شہنائی اور دلربائی کا خیال موجود نہ مانے کے نفاسات پسند اگرچہ تعلیم یافتہ نوجوانوں سے کم نہ تھا۔ ایک خط میں اسے لکھا ہے کہ "معدبہ طبع خوشی مشیر زارین کو ایک مطبعہ و کتاب کی دوسیدہ دیتے چہئے لکھے ہیں۔"

۲۔ بھائی صاحب! یہ کتابیں بھی پہلی بار خود مرزا کی شرح مشیر زارین کی کل جس کی ۱۲ نومبر کو انھیں روانہ کر دیا ہے اور خط لکھیں کہ "میں نے انھیں یقین جانا کہ خطی کام پر یہ کتابیں طبع اس سبب سے لکھی جو میں ان کو دیکھ کر خوشامیسی لگی" (اردو نسخہ) ۳



ہو گئی ہو۔ اس جہدِ نفسی کو ریاستِ رام پور کے سرکاری کتب خانہ کے  
 قلمی دیوان سے چھٹے سال ۱۲۸۵ھ کا کھنسا ہوا ہو مقابلے کی سخت میل  
 ہوئی ہو۔ آخری صفحات میں مرزا کے وہ قطعات اور اشعار جو اہل دیوان کے  
 علاوہ ہیں اور جو اس سے پہلے کسی نسخے میں نہیں چھپے ہیں شامل کر دیے گئے  
 ہیں جن کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ اس جہدِ الطبع نسخہ میں ایک بار  
 اسٹافڈاکٹر سید محمود صاحب خان سپردی پنی ایچ ڈی بیئر سٹراٹ لاسا و ہالٹا  
 مقدمہ جس کو انھوں نے اس خاکسار کی درخواست پر لکھنے کی تحلیف گوارا فرمائی  
 یہ مقدمہ اسی سرزمین پر پیش کر لیا گیا ہے جہاں مرزا نے اپنی عسکرِ بڑا حقہ اگلا تھا۔  
 جس خاک پاک میں آج بھی وہ آسودہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مقدمہ کے  
 مرتب کرنے کے دوران میں مرزا غالب کی زیارت کی غرض سے سلطان آباد میں  
 جا کر عالم خوشاں کی بھی سیر کی اور کیا جب ہو کر وہاں مرزا غالب کے روحانی فرزند

لے۔ وہی قلمی دیوان جس کو مرزا نے قبل ہنگامہ ۱۲۵۵ھ نو اب محمد دست علی خاں ہمدانی  
 قلمی رام پور کے نگارنا تھا۔ اس کے آخر میں نو اب ضیا اللہ بن خاں میر کی ایک دلچسپ تقریر  
 بھی شامل ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اس دیوان میں کل ۱۶۹۰ اشعار ہیں۔ مرزا کے ایک خط  
 مؤرخہ ہر سنی ۱۲۵۵ھ سے جو مشنی شیخو نامی صاحب کے نام لکھا گیا اور جو اردو سے عربی  
 مسجد جو ظاہر ہے کہ مرزا کے قلم سے مل چکا ہے مرزا کے دیوان کا مطلع چھٹا و قاف چھٹا  
 چپ ہونے کے دو سترے ہیں دیوان کو شائع کرنا چاہتا ہوں خود موجودہ کتب خانہ رام پور کی قلمی  
 کو کہ اس کو طبع میں بھیجا گیا تھا۔ گویا آج تک مرزا کے کلام کو زندہ رکھنے کا سبب یہی قلمی  
 ہے۔ (دلتی)

۱۲۵۵ھ دیوان میں اس مقام کو جہاں سلطان الشاہ حضرت نظام الدین اویا کا مزار ہے ملاحظہ فرمائیے  
 کہتے ہیں۔ ۱۲



۴۵ بار لائے میری بالیں پائے کرتی

۴۶ آؤ خطے ہا ہو سرو جو بازید دست

۴۷ عشق میں پیدا اور شکب غیر نے لالچے

کشتہ دشمن ہوں خرگرم تھا بیا ریت

### (رولیف ج)

۴۸ گلشن میں بندوبست ہ رنگا ہو کج

۴۹ موسم مرہیں عشق کے بیلا روار ہیں

اچھا اگر نہ ہو تو سبھا کا کیا علاج

### (رولیف بچ)

۵۰ نفس انجمن آرزو سے باہر کھینچ

### (رولیف د)

۵۱ عین غزے کی کاشکشے چھتا سیر پہ

### (رولیف ر)

۵۱ بلا سے میں جھیش نظر و رو دیوار

۵۲ گھر جب بنایا تو ہے ہر چہ کے بغیر

۵۳ کرنا ہو میرا دل رحمت مہر رخسار

۵۴ ہو بس کہ ہر گاہ کے افشائیں لالچ

۵۵ مختلف حیرت آئینہ جو سامان گنگ آنچ

جنوں کی بہت گیری کس ہو کہ ہونوا

گریباں پاک کھات ہو گیا ہو چرنا

۵۶ شرم کس صحت ہوں خواب چھوٹیں ہیں

تخلف بر لول مل جائے گا تھو سا ایل بند

۵۷ لازم تھا کہ دیکھو میرا تھاکئی نا ضر

### رولیف ز

۵۸ غوغا بکھ نہ جان کو نازد صبح دہر

ہو دواغ عشق زینت جیہ کفن ہنوز

۵۹ عریف مطلب شکل نہیں فسوں نیاز

۶۰ ہمت سہی کرم دیکھ کہ ستر اسراک

گڑے ہیں کہ لہا ابرو گہرا رہ ہنوز

۶۱ کیونکہ اس بات سے لکھو گان عزیز

۶۲ نہ گل تھو جن نہ پردہ ساز

### (رولیف س)



۶۳ شرفِ خدو حق میری کو نظر آتا ہو  
مقام خالی نفسِ چراغِ گشتِ کار کے پاس

## (رویف نش)

۶۴ نہ لیے گریں جو مہلاوتِ سبزِ خضارے  
لگا دے خانہ کیسے میں دے لگا کر نش

## (رویف ع)

۶۵ جاوہرِ غور کو وقتِ شام پر ناخبر  
لے لگا دے ہو سوزِ جاوہرِ دانیِ مشعل

## (رویف ف)

۶۶ بہیم قیاس سے نہیں کہتے دوایہ پوش  
بھجور ہیں تلکِ ہوسا ہوا اختیارِ حیف

## (رویف ک)

۶۷ زخمِ پتھر گھر میں ہاں غلامی بے ہوا ملک  
۶۸ آہ کو چارہ میساکِ عمر اثر ہونے تک  
کون جینا ہو ترے زلفِ سر ہونے تک

## (رویف گ)

۶۹ گر کچھ کو پوچھیں اجابت دہانہ گ

## (رویف ل)

۷۰ ہو کس قدر ہلک فربہ فرائے گل

## (رویف م)

۷۱ غم نہیں ہوتا ہوا سداویں کو شرفِ انیس  
ہرق سے کرتے ہیں روشن شمعِ تمنا ہم  
۷۲ ہونا جاہل و سببِ تنگیِ فدا ہم کر  
متلغِ خانہ تجسیدِ مجز صدامم  
۷۳ کچھ کو دیا یہ نہیں مارا دل سے دور

۷۴ رکھ لی میرے خدائے میری کی شرم

## (رویف ن)

۷۵ کون امِ محبتِ غنت سے یہاں خاں شرف  
۷۶ خاکِ یہ خوت ہو کہ کہاں سدا و اکون  
۷۷ وہ فراق اور وہ وصال کہاں  
۷۸ کی وفا ہم سے تو فرس کو ہوا کتہ میں



- ۶۳۔ ہر دیکھناکس گل کی گھونچ میں نہیں ۸۸۔ تیرے جس طلب کو ستم پہنچا نہیں
- ۶۴۔ عجب سے حد نہانے کے باہر نہ اسکا ۸۹۔ وہ نوں جہان سے کہہ گئے بغرض ہا
- ۶۵۔ گل اک ادا ہو تو اسے اپنی ٹھنا کہوں ۹۰۔ یاک پڑی یہ شرم کہ نکو کر کیا رس
- ۶۶۔ ہر ماں جو کئے بنا لہجہ چاہوں وقت ۹۱۔ ہر گئی جو غم کی شہر میں بیانی کارگر
- ۶۷۔ میں گیا وقت نہیں ہو کہ پھر آنجی کو ۹۲۔ عشق کا اُس کو گراں پہنچے بالائے نہیں
- ۶۸۔ ہم کئے نکل جاؤ بخت میری پرستی کی ۹۳۔ قیامت ہو کہ میں اپنی کا دشت قیس میں
- ۶۹۔ ہر چہ جفا سے ترک و نا کا گمان نہیں ۹۴۔ عجب وہ بولایوں بھی ہوتا ہوا نہیں
- ۷۰۔ مانع دشت نور دی کوئی نہ میر نہیں ۹۵۔ دل لگا لگا گمراہ ان کو بھی تنہا نہیں
- ۷۱۔ ست سوکھت یہ وہ میں سمجھوے نکلیں ۹۶۔ بارے اپنی بکھی کی مہم نے پانی لعلیاں
- ۷۲۔ ہر نکال دیو عاشق ہو دیکھا جا ہے ۹۷۔ یہ ہم جہم جہمیں دیوار و در کو دیکھتے ہیں
- ۷۳۔ کس لکئی مانند گل جہا سے دیوار میں ۹۸۔ نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
- ۷۴۔ عشق تاثیر سے نوید نہیں ۹۹۔ تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں
- ۷۵۔ جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں ۱۰۰۔ زمانہ سنت کم آثار ہر جہان اسد
- ۷۶۔ ملتی ہو خوشی یا رے نارال شہاب میں ۱۰۱۔ دگر ہم تو زیادہ توقع رکھتے ہیں
- ۷۷۔ کل کے لیے کہ آج نہ وقت شرب میں ۱۰۲۔ ہر اکھڑا ہوا تیرے در پر نہیں ہوں میں
- ۷۸۔ حیراں ہوں لی کو رو کی چٹین چٹوں ۱۰۳۔ سب کہاں کچھ لالہ گل میں لایا نہیں
- ۷۹۔ ہر میرا ہر دی بھی اسے غم نہیں ۱۰۴۔ دیوانگی سے دوش پہ نہا بھی نہیں
- ۸۰۔ غم وہ اپنا بھی حقیقت میں ہو دیا لیکن ۱۰۵۔ نہیں ہر غم کوئی جیسے کہ دگر سخن میں
- ۸۱۔ ہم کو تعلیم تک ظرفی منور نہیں ۱۰۶۔ ہوا ہر نارال شک پر غم نہیں ہوں میں



- ۹۸ ہوئے جس کے جلوہ نیشال کے آگے  
۱۱۰ گئی وہ بات کہ ہو گفتگو نوگوں کر ہو  
۹۹ پرانشاچی ہرگز نہ میں شال تہہ رو دن میں  
۱۱۱ کسی کو دے سکے گی کی ناسخ خاکیں جو  
۱۰۰ مرنے جہاں کے اپنی نظر میں خاک نہیں  
۱۱۲ نتیجہ اب ایسی جگہ مل کر جہاں کوئی نہ ہو  
۹۹ دل ہی تو ہونے لگتے شیش دے بھرتا گیا  
۱۱۳ آرمہ ترا بہ زورہ دل و دل ہی آئندہ  
۱۰۰ خیر نہ گفتگو درست دکھا کر یوں

## رویف ہ

- ۱۰۲ مدد سے دل گرا منسوہ ہو کر تمنا شاہو  
۱۱۰ ہی سہرہ نادر ہر رو و دیو ابر غم گدہ  
۱۰۳ کچھ میں چار آتو نہ وطنہ کیا کہیں  
۱۱۱ جس کی بہار ہو جو اس کی شال پھر

## رویفی

- ۱۰۴ دوا نہ اس سے میں کہ محبت ہی کہیں ہو  
۱۱۰ مدد جلوہ رو ہو ہو پھر چیز گان شلایے  
۱۰۵ غصہ میں ہوں گرا چھین جانیں پھر شلایے  
۱۱۱ سجدے زیر سایہ خرا اات چلے ہے  
۱۰۶ دھوتا ہوں جب میں پیچے کو اس تم نکچا پاؤ  
۱۱۲ سرطے خم چاہیے ہنگام بخودی  
۱۰۷ جان اس کو چوں دل چڑھان مچ کر  
۱۱۳ روستے قبلہ وقت مناجات چاہیے  
۱۰۸ یعنی تیسری آہ کی تاثیر سے نہ ہو  
۱۱۵ بساؤ پھر میں خاک لیک لیکتے طرقتی بھی  
۱۰۹ دواں پہنچ کر چرخ آتا ہی ہم ہو ہم کو  
۱۱۴ ہو نیم جہاں میں سخن آئندہ برس سے  
۱۰۹ گھنٹوں کے کا باعث نہیں گھنٹا یعنی  
۱۱۶ تاہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا  
۱۰۸ ہوں میرنا شام سوہ کم ہر ہم کو  
۱۱۴ شمن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کہتے  
۱۰۸ تم جاؤ تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو  
۱۱۶ گھر میں نہا کیا کہ تراظم اسے غارت کرتا



۱۶۸	نہ پہنچو تو مہر جو ہے بانہہ ہر	۱۸۲	شیشہ کی سرور مہر جو ہے بانہہ ہر
۱۶۹	کہ اس میں زندہ لاس خبر عالم ہو	۱۸۳	موضع از شہر جو نہاں بلے غنہ ہو
۱۷۰	ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے	۱۸۴	جب تک ابنِ رخم نہ پیدا کر سکائی
۱۷۱	کوتے پر بارہ تے بے کسب باغِ مرغ	۱۸۵	ابنِ مریم ہوا کسے کوئی
۱۷۲	خلیا چالہ سلسلہ سرنگا و گلچین ہو	۱۸۶	بہت ہی غم گیتی شراب کم کیا ہو
۱۷۳	کیوں نہ خوشیم تباں تو تامل کوین ہو	۱۸۷	باغِ پاکِ خشتانی - یہ ڈرانا ہو مجھے
۱۷۴	یعنی مٹس ہمارے کو نطاسے سے پر ہیز ہو	۱۸۸	روندی ہوئی ہو کو کبرہ شہر پار کی
۱۷۵	حاجا ہر دل لاس کو بشر ہو کیا کیجے	۱۸۹	نہلوں نہ نہیں ہیں سکہ خروا ہنسی غم
۱۷۶	دیکھ کر پردہ گرم دامنِ فتانی مجھے	۱۹۰	کہہ کے ہیں بارِ خاطر گرما ہو جائے
۱۷۷	یادِ خوشادی میں بھی ہنگامہ یاد بکھے	۱۹۱	مستیِ جذوبِ غفلتِ ساقی - ہاک ہو
۱۷۸	خضر شاہ میں الیٰ سخن کی آزمائش ہو	۱۹۲	مبِ مٹی کی جنبش کہتی ہو گلوں جنابانی
۱۷۹	کبھی کبھی بھی اس کا بھی کیں آباے ہو ہم سے	۱۹۳	قیامت کہتے لعلِ تباں کا خواب بگیں ہو
۱۸۰	زبس کہ مشن تماشا جوں طاقت ہو	۱۹۴	آکر سیلابِ طوفانِ منہ آب ہو
۱۸۱	لاغر تباہ ہو کر تو نیم میں جاوے مجھے	۱۹۵	خفتش پا جو کان میں کھتا ہو لگی جاوے
۱۸۲	کھوں جھماں تو کہتے ہو مدعا کیجے	۱۹۶	ہلہ میں بھی تاشانی نیز گب تما
۱۸۳	رہے نہ جان تو تامل کو خوں بہا دیکھے	۱۹۷	مطلب نہیں کچھ اس سے - بک مطلب ہو گد
۱۸۴	کئے زبان تو غنجر کو مرچا کیجے	۱۹۸	سیا ہی جیسے گر طے دمِ تحریر کاغذ ہو
۱۸۵	روئے سے اہدِ عشق میں بے باک ہو گئے	۱۹۹	مستی میں ہوں تیرے ہر خصلتوں کی
۱۸۶	نشد ہا شاہِ بگٹ سازِ باستِ طرح	۲۰۰	ہجرمِ بالہ حیرت عاجزِ مرضِ کینٹاں ہو



خداں سے وہ غیرتِ مصر کھلا

۲۱۹ کینچ میں بیٹھا ہوں یوں پرکھلا

۲۲۱ ہاں دلِ درویشِ زمزمہ ساز

## قطعات

۲۲۳ ہوشہنشاہِ فلکِ منظرِ پُش و نصیر

۲۲۵ اے جانِ ابرو کم شہرہ خضر و عدیل

۲۲۶ گئے وہ دن کما دلتِ غریب کی تلوار

کیا کرتے تھے تم نذرِ ہم خاموش تھے

۲۲۷ نکلے تاجِ زر گیا۔ تو نے ہم نہیں

اک تیرے سینے میں مارا کہ آئے

۲۲۸ اے جو سامب کے کوفہ دھکے چکنی ملی

زیب دیتا جو اسے جس قدر اچھا کچھ

۲۲۹ نہ پوچھ اس کی حقیقت حضورِ اکا نے

بکھے جیسی ہی ہر مین کی غنی روٹی

## سرا

۲۳۰ خوش ہوا ہی کنت اگر کج ترے سحرِ جا

باندہ شہزادے جو اہلِ بخت کے سرِ دہل

۱۹۶ خوشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہو

۱۹۷ میں ہنسیم شائد کش زلفِ بار ہو

۱۹۸ آئینہ کیوں نہ دوائی کرتا شاکیں جسے

۱۹۹ خبشتم پگلی لالہ نہ خالی زرا دوا ہو

۱۹۹ منظرِ حقِ پیکل۔ تجلی کو نور کی

۲۰۰ غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت کم

۲۰۱ دت ہوئی ہو بار کو سماں کیجے ہرے

۲۰۲ تو یہاں من ہو۔ بے دوا و دستِ جاں کیجے

## قصائد

۲۰۳ سائیک ذہنِ فیضِ مہن سے بیکار

۲۰۴ فیض سے تیرے ہوا خوش شہستان بہار

۲۰۵ دہرِ حیلوہ کینا ئی مشوق نہیں

۲۱۲ ہاں نہ تو نہیں ہم اُس کا نام

۲۱۳ آجہ کو کیا پاپہ روشتا سی کا

۲۱۴ جڑ نہ تیرے عیدِ ماہِ میام

۲۱۵ زرخیم کر چکا تھا میرا کام

۲۱۶ صبح دم دروازہ خادِ رکھلا

۲۱۸ توسی نہیں ہو وہ خونی کر جب



۲۳۰ شکر پر گزشتہ احوال ماضی ۲۳۰ ہوتی جب میرزا جعفر کی شادی

اپنا بیان حسن طبیعت نہیں لکھے

مدح

۲۳۱ نصرت الملک بہادر! مجھے بتلا کر مجھے  
تجربہ جانتی ملاوت ہو تو کس کی ہے

۲۳۲ ہر چار خندہ آفریاد و صفر حلیہ

لکھ دیں عمر میں کے خوشک ہو کی نہ

۲۳۳ اوشاہ جاگیر جہاں بخش جانا دارا  
ہر غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشار

۲۳۴ انظار بزم کی کچھ گروست کاہ ہو  
اُس شخص کو نور ہو روزہ مکا کی

۲۳۵ آتش نیشہ آسان اور گناہ  
ہو جہاں دار آفتاب آثار

۲۳۶ سیکھیم ہوں لازم ہو میرا نام ملے  
ہماں میں جو کوئی نفع خلیفہ کا طالب ہو

۲۳۷ سسل ہنر مسہل ہے چنگل تپری  
مجھ پر کیا گزے گی اتھروں حاضرین پر

۲۳۸ تجستہ سخن ملوے میرزا جعفر  
کہ جس کے دیکھے سے بگاڑ ہو جی مخلوق

۲۳۹ ہوتی جب میرزا جعفر کی شادی

ہوا بزم طرب میں ترصن ناہید

۲۴۰ گرا ایک بادشاہ کے سب خانہ زادوں

دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں

## رباعیات

۲۴۱ بعد ازاں تمام بزم عیب بالخطا

شب زلف و رخ و عرق فشان کاغذ تھا

۲۴۲ آنحضرت بازی ہر چہ شغل الخطا

دل تھا کہ جو جان در تہید سہی

۲۴۳ ہر سخن جس کا فاش کرنے کے لیے

دل سخت نشہ ہو گیا ہو گویا

۲۴۴ گو کہ جی کے پسند ہو گیا ہو تاک

۲۴۵ شکل ہو نہیں کلام میرا سی دل

۲۴۶ ابھی ہی جو مجھ کو شاہ مجاہد نے ڈال

۲۴۷ میں خد میں صفات ذوالجلالی باہم

۲۴۸ حق شکی بغلے غفلت کو شاہ کیے

۲۴۹ اس شہتے میں اک تار ہوں بلکہ سوا

۲۵۰ کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزاد نہیں



۲۲۳	ہم گئے جسے سلام کرنے والے	۲۲۹	پھوہ سوئے محبت آنا ہر خاصا خیر کرے
"	سامان خور و خواب کہاں سے لائے	"	رنگ لڑتا ہو گھوستان کے ہوا دامن کا
"	ان خیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے	"	معرفی پیش ہوئی افلاطون شفا ر
"	یہ قدر کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے	"	چشم کشودہ حلقہ بیچنے پر ہو کج
۲۲۴	ہو روشنی دیدہ شباب البین غلام	"	ہر کے شہر کا احاطہ لوں کیا غائب
"	ایک اہل درویش سنان چمکیا فتن	"	موتی کو نہ سمجھ بے حاصل
"	یوں کہا آتی نہیں اب کیوں ملے عریب	"	ہو تراکت بس کہ فصل گل میں سحرین
"	گھٹا لک دن بولہ سا کہیو تہی خشت میں	"	خا ہر ہے میری شکل سے افسوس کج
"	چھوڑا سہر گریہ گیا تاجی بیا باں سے	"	ابر روتا ہو کہ بزم طرب آنا نہ کر
۲۲۵	شب سال میں بونہس گیا ہر بن کبیر	"	ہندوستان سایہ گل پانچت تھا
۲۲۶	جس دن سے کہ ہم خبر لگے فار بلا میں	"	باہ و جلال عبد وصال تابش پوچھ
"	ہیں ہوں شتاق جفا مجھ چھا اور ہی	"	اجوہم بزم غزل کے سبب لگن نہ نہیں
۲۲۷	بہت چہ غم گیتی شرب کم کیا ہو	۲۵۰	غائب بس کہ سو کہ گئے چشم میں سرخا
"	بس کہ فعال مایہ جو آج	"	بہا ہواں رنگ گلوں غلیہ جنتِ عالم
"	ہر کشور انگلستان کا	"	کمالی شمس گرو توفی انعام تفضل ہو
۲۲۸	ہر بن شرم ہر با وصف غنی - اہتمام ہر	"	جیراں ہوں شوقی رنگ باقوت دیکر
"	شب کہ زوہر انگلو سے تیرے دل بیا بیا	"	چند تصویر بیتاں چند عین کی خطوط
"	وہ کو آج اس کے اتم میں سپہ پشی ہوئی	۲۵۱	ایک اہل پیش نہیں صیقل - سیدہ ہنوز
"	وہ دل ہنواں کہ کل تک شمع اتم ہنوز تھا		



مستفید ہونے ہوں۔ جیسا کہ اس قصہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی میں نے  
 انہوں نے وہ نکات پیدا کیے ہیں جو اب تک مرزا غالب کے سوانح نگاروں نے ان کے  
 کلمہ پر تنقید کرنے والوں کو نہ سوجھتے تھے۔ اس طبع میں مرزا کی تصویر کے علاوہ ان کے  
 ایک غیر مطبوعہ خط کا نوٹ بھی دیا گیا ہے جس سے مصنف کی شان خط کی زیارت ہو جاتی  
 ہے۔ یہ خط قاضی عبدالغیل صاحب ریویس کے ذخیرہ سے نکال کر ان کے خلیفہ الصفا  
 قاضی عبدالغیل صاحب ریویس نے ہمیں عنایت کیا ہے جس کے لیے ہم ان کے  
 شکریہ ادا کریں یہ خط پہلی مرتبہ شائع ہوتا ہے جس سے قبل اس سے متعلقہ ذخیرہ کے لغوی  
 کی اس خط تک دسترس نہیں ہوتی تھی۔ شروع میں ناظرین کی آسانی کے لیے غزلوں  
 کی ایک نمبرست بقید منہ بطور رقم کی گئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس جہیز کی قطع کے جدید  
 نسخے کو دل آویز اور نظر فریب بنانے میں حتی المقدور کوئی دقیقہ اٹھا نہیں لکھا گیا ہے  
 خدا کے کہ وہ موجود زمانہ کی نفاست پسند جدید تعلیم یافتہ جماعت میں مقبول ہوا  
 اس کی اشاعت سے مصنف کی روح مطمئن ہو۔

نکسار نظامی دہلوی

۱۰ دسمبر ۱۹۱۱ء



## مقدمہ

(از جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب بی ایچ ڈی بیرسٹریٹ لا پٹنہ)

تمہید

دیوان غالب کو آب و تاب کے ساتھ شائع کرنے کا خیال میرے پہلے میرے معزز دوست سید اس محمود صاحب بی۔ اے

(اکس) کو ہوا۔ اور بات سے جو شوق ان کو ہو غالباً وہی اس بات کا محرک ہو گا کہ وہ عظیم ادب کے خزانے سخن کو ایسی کس پر سی کی حالت میں نذر ہونا چاہتے ہیں کہ وہ انکے ہمارے غفلتوں اور لاپرواہیوں سے بچا ہوا ہو۔ غیر لکھوں کے طریقہ کے مطالعہ سے ان پر ثابت کیا ہو گا کہ قومی یا ملکی ترقی کے لیے اعلیٰ علم ادب کس درجہ ضروری اور فوری ہو اور غیر اس کے کوئی قوم مارت ترقی کے پہلے زمین پر کبھی قدم رکھنے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ ان کی تحریک پر مولانا نظامی بدایونی نے دیوان کا پہلا ایڈیشن فنس کاغذ اور سات سہری چپائی کے ساتھ ملک میں پہلی مرتبہ شائع کیا۔ دوسرا ایڈیشن اور زیادہ عمدگی اور صحت کے ساتھ خطاطی کاغذ پر دہنے اس کی قدر کی جس سے پتا چلا کہ اہل ملک غالب کی عظمت کو پہچاننے اور اس ترجمان حقیقت کے فلسفیانہ خیالات کو سمجھنے لگے ہیں۔ ان دونوں اشاعتوں کے بعد اس مجموعہ کے نئے نظامی صاحب کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے تحریک کی کرا ب ٹیبلٹین پکٹ ایڈیشن کی صورت میں شائع ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ ہی چند اور تجاویز بھی پیش کیں۔ مولانا نظامی نے میری تجاویز کو تو منظور کر لیا لیکن اس



قصود کہ بے ساختہ ہی میری سزا بھی تم پر کر دی اور مجھ سے پورا لشکر کی کڑمیسری  
 اڈیشن کے لیے مقدمہ تم لکھ دو اور اس پر صراحتاً دہشت اصرار ہوا میں نے اپنی  
 حمایت سے کچھ تو ان سرفروں الادب کا لحاظ کر کے وہ کچھ سزا کی اہمیت کو نہ سمجھ کر  
 وعدہ کر لیا۔ آج چھ ماہ کے بعد تقاضوں سے تنگ اگر ایثار وعدہ کی کوشش  
 کہ اہوں اور اب مجھے تاویل رہا جو کہ جس چیز میں نے جلا سمجھے ہو مجھے وعدہ کر لیا  
 تھا وہ میرے بس کا کام نہیں تھا۔ حسن اتفاق سے آج کل دکن آیا ہوا ہوں اور  
 یہ چند اوراق پریشان اسی پاک سرزمین پر رکھے گئے ہیں جہاں وہ کشف باز  
 نظرت مرزا اسد اللہ خاں غالب بقائے دوام کا جام نوش کر کے ٹہرا ہوا ہے۔

”میری تصانیف میں لوگوں کو تیری ہی تصویریں نظر آتی ہیں۔ وہ تیری  
 اور مجھ سے چمکتی ہیں وہ کہیں ہے“ مجھے نہیں معلوم انہیں کیا جواب دے  
 میں تیرے فلسفے اپنی غیر فانی فنون میں سننا کرتا ہوں۔ ساڈل ٹکٹ  
 عیاں ہو رہا ہے۔ وہ آتے ہیں اور مجھ سے پوچھتے ہیں بتان سے تیرا  
 کیا مطلب ہے؟ میں نہیں جانتا انہیں کیا جواب دوں۔

میں کہتا ہوں آہ اکون جانتا ہے ان کا کیا مطلب ہے؟ وہ ڈگیا  
 شاعری کیا ہے؟ اس کا جواب کچھ آسان نہیں سینٹ گسٹن نے اس کا جواب  
 ایک دلفریب پیرا یہ ہیں دیا ہے وہ کہتا ہے کہ اگر مجھ سے نہ پوچھو تو مجھے معلوم ہے  
 اور اگر پوچھو تو میں جانتا نہیں، گو ہم میں سے ہر ایک شخص کو اس امر کا جلیب سامان ہے

لے مستادی مولوی رشید احمد صاحب انصاری پروفیسر مدرسہ العلوم علی گڑھ سے چند مفید خیالات



کہ شاعری کسے کہتے لیکن اس احساس کا صحیح الفاظ میں اظہار اگر غیر ممکن نہیں  
تو وقت طلب ضرور ہو جائیگا۔ انسان کی دلکے میں شاعری اُس فن کا نام ہے جو  
توت تخلیق کے قوسل سے انبساط اور حقیقت کو ملا دیتا ہے اور اُس کا نتیجہ  
ایجاد ہوتا ہے۔ کار لائل کہتا ہے کہ شاعری ایک سوچنا ہے خیال ہے۔

شیلے اس کی تعریف یوں کرتا ہے کہ شاعری توت تخلیق کا انکشاف ہے۔  
در اصل یہ وہ فن ہے جس کے ذریعہ سے لفظوں کا استعمال کر کے پر وہ تصور پر  
نئی انی نقش و نگار شہت کیے جاتے ہیں۔ جو کام تصور رنگوں کے استعمال سے  
لیتا ہے وہی کام شاعر الفاظ کے ذریعہ سے نکالتا ہے۔ شاعری جذبات  
اور خیالات کی بولتی ہوئی تصویر اور حسن و حقیقت کی تشریح ہے۔ یہ انسانی  
قلب کے کیفیات کو سرملی زبان کے ذریعہ سے مرض بیان میں لاتی ہے  
ڈیچر انسانی زندگی کی ایک تفسیر ہے اور قبول سکین شاعری انسانی قلب کے  
بچے اُن امور میں سکین وہ ثابت ہوتی ہیں جن کا فطرت نے کوئی انسداد نہیں  
کیا۔ شاعری کے اعلیٰ مفہوم کے لیے ضروری ہے کہ خواہ شاعر فلسفی ہو یا نہ ہو  
لیکن اُس کی صناعت کی عتدائی کی حکم بنیاد پتایم ہو جس میں تزلزل نہ سکے۔

ہر ایک شاعر کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ جب تک اُس کی غرض عالم افسانہ  
محض ذوق و سرور حاصل کرنا ہے اُس کی قوت تخلیق کے پرواز کے لیے کافی  
وسعت ملنی چاہیے لیکن جب وہ مصلح بننا ہے تو ہم اہل محکمہ ملنگار ہوتے ہیں

اُن کا دل سے مژدن ہوں۔ مژد متا رہیں و مژد رؤف علی کا بھی مشکر ہوا  
کرتا ہوں۔ ۱۰



اُس کی تعلیم یقیناً وہم وادراک کے واسطے طبعاً بخش ثابت ہوا و نیز تخیل کے لیے دلکش اور قلب کے لیے موثر ہو حقیقی شاعری ہماری نگاہوں میں نہ تھلی پیدا کرتی ہے جس سے ہم من کی جلوہ افروزیوں سے لذت اندوز ہوتے ہیں نیز روحانی مسکن کے دروازے ہماری آنکھوں کے سامنے کھل جاتے ہیں۔ غالباً ہم میں ایسے اشخاص کم ہیں گے جو شاعرانہ بصیرت و ادراک سے محروم ہوں اور جن کے حقد میں یہ لطیف تخیل اور خدا داد جو ہر نہ آیا ہو لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ تحریری بہت شاعرانہ استعداد جو خداوند عالم نے ہم میں ودیعت کی ہو مادی تاثرات کے عمل سے ایک عرصہ کے بعد بالکل مفقود اور کالعدم ہو جاتی ہے۔

فطری مشاعرہ جو میں میں مجازی من کے مشاہدے اور حقیقی معنی کے ادراک کی قوت ہو۔ صرف یہی نہیں بلکہ اُس میں فطرت کی طرف سے ایسی قوت ودیعت کی گئی ہو جس سے وہ اپنے مشاہدات اور محسوسات کو ایسے رنگ میں بیان کرے کہ ہماری آنکھوں میں اُس کا سماں بند جائے اور ہمارے جذبات مشتعل ہو جائیں۔ وہ ہمارے قلوب کو اپنی طرف کھینچ لے اور اپنے الفاظ کی بندش اور بیان کی رنگینی سے ہمارے سامنے وہی تصویر کھینچ دے جس پر وہ خود کھینچتا اور خود محسوس کرتا ہو۔

شاعری ہمارے تخیل کو استوار اور ہماری محدودی کو شکستہ کرتی اور ہماری شاعرانہ ترجمانی کی قوت کو رفتہ رفتہ بڑھاتی ہے۔ لیکن اگر تخیل اگر ہمارے ان کے ذہن سے اسرار حیات کی ترجمانی کا نام شاعری ہو تو اُس کو سب سے



بڑی اہمیت اُس قوت سے حاصل ہوتی ہے جس کی مدد سے وہ زندگی کے اہم ترین معاملات ہماری نظر کے سامنے پیش کرتی ہے دنیا کے بڑے اور نامور شاعر ہمیشہ مانتے آئے ہیں کہ زندگی ہی شاعری کی بنیاد ہے زندگی ہی سے اس کا تعلق ہے اور زندگی ہی سے اس کا وجود ہے۔

اس بنیادی اصول کو مد نظر رکھ کر شعرائے کار نمایاں کیے ہیں اور زندگی کو بکھری سمجھنے اور اس کی صحیح ترجمانی کرنے کی کوشش کی ہے اور دراصل یہی اُن کی عظمت کا ثبوت ہے۔ کلام میں خاص خاص خیالات کی محض موجودگی یا غیر موجودگی سے کچھ زیادہ فرق نہیں پیدا ہوتا بلکہ جو چیز کسی شاعر کے کلام کو زیادہ موثر بناتی ہے وہ وہ اصل اُس کا وہ پہلا یہ بیان ہے جس میں خیالات کا اظہار کیا گیا ہو کسی نظم کے معاملہ کے وقت شاعر کی محنت نظر اور اُس کی شخصیت کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیے اور پھر اس پہلو پر بھی غور کرنی چاہیے جو شاعر کو انفرادی حیثیت سے متین کرتا ہے۔

غالب کی شاعری پر تنقیدی نظر ڈالنا حققتاً کچھ آسان کام نہیں ہے۔ اس کی بلند پروازی اور شوکت خیالات، اُس کا تعین، اس کی فہم رسا اور طبع تخیل، اُس کا عجیب اور اُلوکھا طریقہ بیان اور اُس کی صنایع وہ چیزیں ہیں جن کو بخوبی سمجھنا اور الفاظ کے ذریعہ سے بیان کرنا میری استعداد سے بالاتر ہے۔

مولانا حالی جیسا کہ مراد صاحب ذوق سلیم ہی اس کام کو سر انجام دینے کی اہمیت رکھتا تھا مولانا حالی کی کتاب یا بکارِ نواب بشک ایک قابلانہ تصنیف ہے لیکن یہ محققانہ و عالمانہ تصنیف بھی مشیایانِ غالب کی پیاس



نہیں بھجاتی۔ وہ غالب کی حقیقی عظمت کا بہت تھوڑا حصہ ظاہر کرتی ہو مگر ہر  
 کہ نہ لانا ممدوح نے زمانہ کی قدر و شناسی اور باہمیہ زمانہ کی فتنہ و ہستندہ  
 و قابلیت کا خیال رکھے کہ کلموں و الفاظ کی قدر و حقیقی قیمت کے دشمنانہ منقولہ  
 پر عمل فرمایا ہو اور ان فنان کا انکار مناسب نہ سمجھا ہو جن کو صرف انھیں کی  
 چشم بصیرت کلام غالب میں دیکھ سکتی تھی لیکن اس لئے: اور میں مغربی تعلیم  
 نے ہندوستان میں ایک ایسا نوجوان پیدا کیا تھا جس نے مرزا غالب کی  
 عظمت حقیقی معنوں میں پہچان لی تھی اور جو غالب کے کلام کو ایسے سننے  
 کے ساتھ ملک کے سامنے پیش کرنے والا تھا جس فلسفی اور صوفی شاعر  
 اور سائنس دان سب ہی متحیر و حیرتے۔ آء! عبدالرحمن! عمر نے تیرے ساتھ  
 وفاداری اور تو ملک اور قوم کی عظیم الشان خدمت انجام نہ دے سکا۔ غالب نے  
 ایسے ہی موقع کے لیے اور شاید تیرے ہی واسطے یہ کہا ہو

ہاں اے فلک پر چراں تھا بھی روشن

کیا تیرا گزرتا جو نہ مرے کوئی دن اور

یہ نوجوان فلسفی جو شاعر و فاضل سے بھی بہرہ ور تھا ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ ہندوستان  
 کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ مقدس وید اور دیوان غالب  
 کون شخص ہے جو دیوان غالب کے مطالعہ کے وقت یہ نہیں محسوس کرتا کہ  
 اس کا کھنڈہ لافیتی ماہر فن ہے اور شاعری خدا کی طرف سے اُس کو ودیعت  
 کی گئی ہے۔ اور اُس کی شاعری کسی نہیں ہے۔

عطا کر عبدالرحمن بخوری بی۔ لے۔ ایل۔ بی۔ بی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی امل خرمی عارف ہے



اس کی شیریں بیانی اور مذاق سلیم اس کی بلاغت و فصاحت - اس کی عظمت اور بلند خیالی - اس کی رنج و خوشی اس قدر دقیق - اس قدر لطیف اور مستور نازک ہیں کہ ضبط تحریر میں نہیں لائی جا سکتیں۔

غالب کی بستی ان چہیہ اور بزرگ تر خاصانِ خدا کے گروہ سے جو حجِ جہود ایسی ہیں۔

غالب کی دکاوت و بزرگی اس کی مستحقِ تخی کڑ اس کی شہرت چار و انگِ عالم میں ہوتی۔ وہ ایک خیر معمولی طور پر نہ کی پیشین گوئی فلسفی اور ایک بلند پایہ شاعر جو میں کے قصائد انوری و خاقانی کے قصائد سے قریب میں کم نہیں ہیں کی غزلیات عرفی و طالب کی غزلیات پر فوقیت رکھتی ہیں جس کی رباعیات فارسی علمِ خیام کی رباعیات سے کم و قبیح نہیں ہیں کی شراپہ فضل اور ظہوری کی شریے کہیں زیادہ مشاعرہ ہیں۔

وہ من و حقیقت کا پرستار ہیں اور زندگی کے مختلف تانوں کا منشی۔ اگر وہ ایک طرف آتشِ سیل اور شریبِ گلاب کی تعریف میں نغمہ سما ہوتا ہو تو دوسری طرف فلسفہ کے دقیق اور اہم ترین مسائل کا انکشاف کرتا ہے۔ اس کی غامبی و اُردو دونوں دیوان علمِ ادب کے عجیب بہا جو ہیں۔ ان میں لعل و باقوت گوہر و مرصع ایکجا جمع ہیں۔

غالب ایسے وقت بزمِ شعرا میں رونق افروز ہوا جبکہ اسلامی عروج کا آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ ملک میں ہر طرف ایک عالم پریشانی طاری تھا اور مشرقی اور مغربی تہذیب کا تصادم دورِ اُمتی پرانی وضع و پُرانا تمدن رفتہ رفتہ



نہیں ونا بود ہوتا جانا تھا۔ اس وقت ہر سبب نظر سان العظمیٰ اکبر  
 الکابوسی کی زبان سے یہ ضرور کہہ سکا ہوگا۔ مصنف  
 ”کئے انداز کی خوشیاں نئے اسباب غم ہوں“

اور شاید یہی وجہ ہو کہ ہم غالب کے کلام میں فسطحی اور تسلیم و رضا  
 کی نمایاں علامات پاتے ہیں۔ انسانی رنج و خوشی کا احساس اور اس  
 سے ہمدردی اور اس احساس و ہمدردی کا عجیب پر معنی پیرایہ اور  
 دلکش الفاظ میں اظہار کچھ غالب ہی کا حصہ تھا۔ وہ دوسرے شعرا کی  
 طرح انسانی کمزوریوں پر قہقہہ نہیں لگاتا بلکہ وہ خود ان کمزوریوں  
 سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ روتا ہو۔ گناہ کار کا وہ سچا ہمدر و ہمدرد  
 اس ناپسندیدہ چیز کی رائے میں سچے مصروف طبع کا پیر و پلین ہو۔

حضرت غالب کی دقیقہ بینی ان کے ہر شعر و شخص کی سمجھ سے بالاتر تھی۔  
 اس لیے غالب کے کلام کی قدر و قیمت ان کے زمانہ میں نہیں کی گئی لیکن  
 ہر ملک میں تقریباً تمام صاحبانِ فن و کمال کے ساتھ ایسا ہی ہوتا آیا  
 ہو۔ غالب کی ذات اس سے کیونکر مشتعل ہو سکتی تھی۔ یہ بالذات میر و غلامانی  
 نہ تھی بلکہ اپنی خدا داد عبارت اور بے نظیر کمال کا پورا یقین تھا جس نے اس  
 خالص سخن سے ہر شمار کہلوایے۔

تاز دیوانم کہ سرست سخن خجابت کن + ایں نواز قلم خدیارے کہنشی اپدشن  
 کہ کچھ و عدم اوچے قبیلہ بودہ است + شہرتِ شعر مگیتی بہر رخ اپدشن  
 ابھی پورے پچاس برس نہیں ہوئے کہ وہ کثافتِ حقیقت اپنے کلام جاودانی



کی نغمہ سرائی چھوڑ کر عالم بقا کو سدھارا اور عاشق صادق اپنے معشوق حقیقی سے جا کر مل گیا اور اُس کے لیے پُھر من و تو کو کا اختیار باقی نہ رہا جیسا کہ اُس نے خود کہا ہے :

قطرہ دریا میں جوں جوں جاسے تو دیا ہو جا

کام اچھا ہی وہی جس کا آل اچھا ہی :

اتنے ہی تقویٰ سے عرصہ میں اُس کی ہر ذلغہ نیزی کا یہ عالم ہو کہ اس کے دیوان کے متعدد ادلیشن متواتر نخل چکے ہیں اور پھر ہر طرف سے مانگ ہو۔ بہت سے نئی تہذیب کے دلدادہ جو مغربی مابین سے جنگِ حقیقی خوشی کی تلاش میں سرگرداں ہیں اُن کو غالب کے کلام میں اُس کیفیت و حیاتی و سرور روحانی کا حظ ملتا ہے جس سے اُن کی طبع طول کو یک گونہ تشغی و تسکین ہوتی ہو۔ شعرا کا کام نغمہ سرائی کر کے صرف بچھین دلوں کو سرت بخشنا ہی نہیں ہے بلکہ ملکی و قومی ترقی میں نمایاں حصہ لینا بھی اُن کا فرض ہے۔ شیکسپیر کا کلام انگلستان میں اور گوٹے کا کلام جرمنی میں بہت کچھ ملکی و قومی ترقی کا باعث ہوا۔ اب آئندہ غالب کا کلام کہانیاں اور کس حد تک اس پرنصیب ملک ہندوستان کی ترقی میں مدد و معاون ہو گا اس کا جواب صرف آنے والی نسلیں دے سکتی ہیں۔

تمنِ خیالِ خوب و برت اور قرینِ باجے عیب طرزا فادہ صفت نظر عالمگیر  
ہمدردی و نغمہ سرائی۔ انسان اور اس کے خصال سے گہری تہنیت اور چہرہ تا شیر



یہ تمام خبریاں غالب کی نظم و شرد و نوب میں کوٹ کوٹ کر بچھری ہوئی  
 ہیں۔ غالب کے کلام میں شاعرانہ تخیل کی عظیم الشان بلندیاں سکون  
 فلسفہ زندگی، انسانی ہستی کی رنج اور خوشیاں، زندگی کے کمزوریات  
 سے صاحبانِ دل کی کشش اور بچیدہ دلوں کو تسکین و راحت دینے کی  
 قوت سب کچھ موجود ہے۔ صرف حلالہ کہنے والے کو اہل دل و صاحبِ فہم  
 ہونا چاہیے وہ ہم کو زندگی کی حقیقت اُس کی اہمیت اور اُس کا راز بتانا  
 ہو اور ہم کو خودی کے تاریک غار سے نکال کر ایک غیر فنا ہی بلندی پر  
 لیجاتا ہے جہاں سے ہم وہ چیزیں دیکھنے لگتے ہیں جن کے بیان سے ہماری  
 زبان قاصر ہے۔

غالب کا مطالعہ کرتے وقت ہر ایک کو یہ احساس ہوتا ہے کہ گو یا شاعر اُسی کے  
 جذبات دلی کی ترجمانی کر رہا ہے اور یہی کمالِ شاعری ہے۔

شکر کا قول ہے کہ تمام صنعتوں کا مقصد انسان کے لیے خوشی بہم پہنچانا

ہے۔ انسان کو کس طریقہ سے خوش کیا جائے اس سے زیادہ اہم سوال نیا

میں نہیں ہے۔ سچی صنعت صرف وہی ہو سکتی ہے جو انتہاءِ ہجہ کی خوشی و

لذت بخشنے، نظم و ضبط کے کتنی ہی دور و آگیزہ کیوں نہ ہو پھٹنے والے کو اُس سے

بھی لطف و خوشی حاصل ہو سکتی ہے غالب کی شاعری میں یہ خاص

بات ہے کہ جتنا زیادہ دلسوز مضمون ہوگا، تناہی زیادہ پھٹنے والے کو

لطف حاصل ہوگا۔ بہر حال اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مرزا غالب کا

کلام توحید، تصوف، حکمت، فلسفہ، عبرت، بے خدائی و دنیا خوداری



جذبات حب الوطنی، ارتقا، تناسخ، وحدت الوجود وغیرہ وغیرہ ماضی اور دوسرے رازِ قطرات کے بہت سے انکشافات سے بڑھ کر تقریباً تمام اردو شعرا کی غزل گوئی یہ ہو کہ پرانے یا نال مضاہین حمدت العمری اول عربی پھر فارسی اور اس کے بعد اردو غزلوں میں بندھتے چلے آتے ہیں وہی مضامین تبدیل الفاظ معمولی بول چال اور روزمرہ میں ادا کیے جاتے ہیں قبول مولانا حالی میر سے ذوق تک جتنے مشہور غزل گو اہل زبان میں گزرے ہیں ان کی غزلوں میں ایسے مضامین بہت کم نکلیں گے جن سے وہ دامن سے خارج ہوں۔

ان کے فن کا کمال یہ ہی سمجھا جاتا تھا کہ جو مضامین پہلے بندہ چکے ہیں نہیں لینے اسلوب میں اس طرح ادا کیا جائے کہ نیا بندش پہلی بندشوں سے بڑھ جائے برخلاف اس کے مرزا کی غزل میں ایسی نازک خیالی اور ایسے اچھوتے مضامین پائے جاتے ہیں کہ جن کو اکثر شعرا کی فکر نے بالکل چھوڑ دیا تھا۔

مرزا غالب شاہی عام پرچلنا نہیں جانتے تھے اور عامیانه خیالات اور محاورات سے حتی المقدور اجتناب کیا کرتے تھے بلکہ عام محاورات کا استعمال وہ اپنے لیے مایوس جانتے تھے۔ عام فہم اشعار کہنے سے اسے کہیں زیادہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے کہ ان کے طرز خیال اور طرز بیان میں ایکسا بہت اور نرالا پن پایا جائے اور یہ کہنا کسی طرح غلط نہیں ہو کہ مرزا اردو شاعری میں اپنے طرز کے موجد تھے۔ احوال میں وہ تبدیل کے



کلام سے بہت کچھ متاثر ہوئے تھے۔ موجودہ دیوان کی اکثر غزلوں میں بھی  
جایجا اس کی شہادت ملتی ہے۔ اس دیوان میں اول سے آخر تک بے شمار  
ترکیبیں ایسی ملتی ہیں جو ادو شعرا کی عام شاہراہ سے بالکل الگ ہیں اور  
جن میں بیدل کا رنگ صاف طور پر نمایاں ہو مثلاً۔ دامن شنیدن ،  
کیک بیا بان ماندگی ، ماتم یک شہر آندو ، رستخیز اعجازہ ، بخن غلیظہ  
صدنگ ، نشہ اشاد ب رنگ ، طرض ناثر ، شوخی و غل ، یک جہاں  
نماز نامل ، رنگ تماشا با خن ۔ اس قسم کی بندشوں کے علاوہ جو کثرت  
سے ملتی ہیں بعض پوری غزلیں ایسی ہیں جن کو پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے  
کہ وہ تصنیفاً بیدل کے رنگ میں لکھی گئی ہیں مثلاً۔

پھر ہر اوت کہ ہر بال کشا می شراب + دے بیکو کو دل بہت شناسی شراب  
پوچھ مت ۔ وجہ سیدستی یاد بابین + سایہ یک میں چنی ہو جو اسے شراب  
جس قصوے بباتی ہر جگر نشہ ناز + دے کو سن ہم کیب بظہر و نشہ  
یا مثلاً یہ غزل

عرض ناثر شوخی و غماں بڑا خندہ ہو + دھول میری ب۔ باب ہا کے خندہ ہو  
ہر دم میں غنچہ بو بہت انجام گل + کیسے سن زانو تال تو نہ لہو ہو  
تھاں میں بھی تیرا + ہی حال میری چاہیے کیسے سن لہو و دم ، صند  
ان کی تشبیب پر ایک سرسری نظر ڈالتے تھے کہ صفت معلوم ہوتا ہے  
وہ بیدل کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ وہ صفت طبیعت کی  
خلاف کچھ تو اس راہ کی دشوار گزار ہونے کی وجہ سے اور کچھ معتد فراموشی



کھتہ چینیوں سے تنگ آکر رفتہ رفتہ اس روش کو چھوڑتے گئے اور اس کشش میں ایک ایسی معتدل روش کی بنیاد ڈیگئی جس کو خاص مرزا کی روش کہنا چاہیے۔

ان کے زمانہ میں ایک بڑا گروہ ان کی شکل پسندی کے باعث ان کی شلوی کا قائل نہ تھا چنانچہ لوگوں کی مخالفت اور قد نہ شناسی سے تنگ آکر مرزا نے بار بار مختلف پیراؤں میں اس کا اظہار کیا ہو۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ۷

یار ببادہ نہ سگھے ہیں نہ کھینکے مری بات

مے اور دل ان کو جو ذرے بھجکونیاں اور

ان میں اپنے مخالفین کی طرف بھی اشارہ ہوا اور ایک نہایت عمدہ پیرو میں ان کی ناہمی پر چوٹ کی جو مندرجہ ذیل راہی سے بھی اسی قسم کا مضمون مفہوم ہوتا ہے۔

### سرباہی

مشکل ہو رہی بس کلام میرا و دل + شش شش کے اسکے خنڈ کا دل  
اساں کہنے کی کہتے ہیں زماش + گویم شکل و گرنہ گویم مشکل

اب ملک میں زبان فارسی کا رواج اس قدر کم ہوتا جاتا ہے کہ باوجود اس درجہ مقبولیت کے بھی غالب کے فارسی کلام سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔

ان کی فارسی دیوان میں بھی وہ نایاب چراہرے شہید ہیں جن کو بازا عالم میں لایا جائے تو انمول ثابت ہوں گے۔ مرزا کو اپنے فارسی کلام پر فخر تھا اور اس کا ذکر انہوں نے متعدد مقامات پر کیا ہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں ۸



شہسوار کے ہنگامے نے دلی کے سرمایہ نازکار نامے اور اس کے رہے  
سے فن و کمال یہاں تک اُڑا اس کی تہذیب کو مٹانے اور برباد کرنے میں  
کافی کسر نہ اٹھا رکھی۔ یہ ممکن نہ تھا کہ مرزا بیسے با کمال شاعر اور صاحبِ دل  
پر اس کا اثر نہ ہوتا۔ چنانچہ جس پوشیدہ مگر دھوناک پیرایہ میں انھوں نے  
اس کا اثر لکھا وہ حقیقتاً دل ہلا دینے والا ہے اور ہندوستان کی ٹٹی  
ہوئی عظمت کو یاد دلا کر خون کے آنسو روٹا تا ہے۔ اس کے چند اشعار نقل  
کیے بغیر دل نہیں آتا ہے۔

ظلمت کہ ہے میں میرے شبِ غم کا خوش چہ نک شمع ہی دلیلِ محسوسِ خوش ہے  
ایوانہ وار دان بساطِ ہوائے دل بہ ہزار اگر تھیں ہوسِ نائے خوش ہے  
دیکھو مجھے جو دیدہ عبرتِ نگاہ ہو + میری سنو جو گوشِ نصیحتِ خوش ہے  
یاشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط + دامانِ باغمان و کتبِ گلِ خوش ہے  
یا صبح دم جو کچھ اگر تو بزم میں + تو وہ سرور و شور و جوش و خروش ہے  
راغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی + ایک شمع نہ گئی ہے سو و بھی خوش ہے

گلشن میں بندوبست بہ رنگ و گر جو کج قمری کا طوق - حلقہ ہیر و لہو و ہونہ  
آتا ہو ایک پارہ دل - ہر خفا کے ساتھ تلو نقش - کندہ چکار اثر - ہو آج  
ای مافیت کنارہ کردہ ای انتظامِ حل سیلابِ گریہ - در پود ہمارو و آج  
قالب کے دیوان میں جگہ جگہ ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے ان کی شبِ ظن  
کا اظہار ہوتا ہے اور وہ بار بار اپنے ملک کی بدحالی پر روتے ہیں۔ انکا  
اور جگہ فراتے ہیں۔



ہندوستان سائیکل پائے تخت تھا جاہ و جلال عہد وصال بتاں نہ پہنچے  
ہرواخ تانہ یک دل آغ اختیار ہو عرضِ فتنائے سینہ در پوختاں پہنچے  
لیک اور جگہ فراتے ہیں ۵

یوں ہی گروتار اقبال تو اسی اہل جہاں  
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ دیراں گزشتیں  
کس قدر معنی پیر مسعود و ناک شعر ہے اگر مرزا غالب کے دیوان کو  
بنور پڑھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کو اپنے ملک سے کس درجہ محبت ہو  
اپنے ضائع شدہ قومی وقار کا کس درجہ رنج ہو اور اپنی کھوئی ہوئی مملکت  
آزادی پر ان کے آفسر کبھی نہیں تھکتے۔ فراتے ہیں ۵  
یا تمہیں ہم کو بھی رگازنگ بزم آریا لیکن انقباض و انقباض نسباں گئیں  
جسے غمخیز آنکھوں سے بنے دو کھڑاں میں یہ سمجھو غمخیز گم و فروزاں گئیں  
اُس وقت ملک کی جو حالت تھی اسے یاد کر کے کہتے ہیں ۵

کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہاں ہو  
جس میں کہ ایک بیضہ مور آسان ہو  
اور پھر اپنی نا چاری و مجبوری دیکھ کر صبر و شکر کی ہدایت کرتے ہیں ۵  
تاب لاتے ہی بنے گی غالب واقعہ سخت ہو اور جان عزیز  
اپنی مملکت آزادی کے جانے پر ہر چند صبر کرنا چاہتے ہیں لیکن ضبط نہیں ہوتا  
اور بے اختیار چھٹ اٹھتے ہیں ۵

بسکہ روکا میں نے اور سینہ میں نہیں پہنچے میری آہیں بخیہ پاک گریاں ہو گئیں



اسی غزل میں ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ حکومت ہی اہل میں تو مول کی  
زندگی کا باعث ہوتی ہو۔ اور جب کسی قوم کو حکومت حاصل ہوگی تو  
گویا سب کچھ مل گیا اور اُس قوم میں زندگی آگئی ہے  
جاں فزا ہو باد جس کے ہاتھ میں چل گیا  
سب کھیریں ہاتھ کی گویا رگ جاں ہو گئیں

جہلم کا اشارہ صاف سلطنت کی طرف ہو۔ ایک موقع پر اپنے آبائے ملک  
کو مخاطب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تم میں حب وطن کا سچا جوش ہو  
اور نادہی کی خواہش حقیقی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنا اثر نہ کرے حکومت  
و سلطنت کسی خاص شخص یا قوم کی ملکیت نہیں ہو اگر قیاساً کہ ہمیشہ کی  
خاتم اس کی خاص ملکیت تھی ہے

عشق تاثیر سے نومید نہیں جاں سپاری شجر سید نہیں  
سلطنت دست بستہ آئی ہو جام مو خاتم ہمیشہ نہیں  
خارج حب الوطنی آسانی سے نہیں اترتا اور جب کسی قوم میں اس کا جوش  
ہو گیا تو اس جنون کو دور کرنا کچھ آسان کام نہیں ہو۔ اس مضمون کو مزید غالب  
نے کس خوبی سے ادا کیا ہے

گر کیا نام صبح نے ہم کو قیدیاں بچھا دیں سی یہ جنون عشق کے انداز مچھٹ جائے گیا  
خانہ داؤ زلف میں بچیرے بھاگتے گریں اس گرفتار و فغان زندان گھیر گئے گیا  
ہنگامے کے بعد جو اعلان ہوا اُس میں کہا گیا کہ ہندوستان کی حکومت  
ہندوستان میں کو رفتہ رفتہ دیکھ گئی یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آگیا



جب حکومت کی ساری ذمہ داری اہل ہند کے سپرد کر دی جائے گی۔ مرزا غالب کہتے ہیں اور حسرت و مایوسی کے ساتھ کہتے ہیں ۔

اے کو چاہیے اک عمر آخر ہونے تک کون جیتا ہو تری زلف کے سر پہ  
دام ہر موج میں ہو حلقہ صد کا خنک دیکھیں کیا گزرتے ہو طرے پر گہ ہونے تک  
ماشتی صبر طلب اور تمنا بیاب دل کا کیا رنگ کروں خون بگر چنگ

اپنے دلوں کا اظہار نہ کرنا اور اپنے مصائب پر خاموش رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ قوم میں زندگی باقی نہیں ہے اور قوم مودہ ہو چکی ہو بلکہ ایسی خاموشی قوم کے مرگ کا باعث ہوتی ہے۔ اس خیال کو کس عملی سے اندکتنی اچھی اور خوبصورت تشبیہ کے ساتھ مرزا نے ادا کیا ہے ۔

زبانِ اہلِ زباں میں ہو مرگ خاموشی

یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع

اس زمانہ میں جو حالات تھے اس کے اعتبار سے صاف صاف الفاظ میں ان خیالات کا اظہار کرنے سے وہ معذور تھے اور مجبوراً ایسے خیالات کا اظہار نہایت گہرے اور پوشیدہ معنوں ہی میں کر سکتے تھے ۔

آتشکدہ ہو سینہ مرا رازِ نہاں سے احوالے اگر معرضِ اظہار میں آئے  
ایک اور جگہ بتایا ہے ۔

مرزا خاموشی میں فائدہ اٹھاتے حال ہے خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے  
مرزا غالب کے اشعار میں عمر ٹاکنی کئی معنی نکالے جا سکتے ہیں جیسا کہ وہ خود

فرماتے ہیں ۔



کنجینہ معنی کا طلسم اس کو سمجھے جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں ہے  
 علاوہ جس معنی کے ان کے اشعار ایک اور کافی کیفیت پیدا کرتے ہیں جس کا لطف کچھ  
 وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو اہل دل اور صاحب ذوق ہیں۔

خاصہ کے لیے کچھ یہ ضروری نہیں ہو کہ شعر کہنے وقت اس کے ذہن میں وہ عام معنی ہوں  
 موجود ہوں جو اس کے خیال کی پرور افلاک کی بندش وغیرہ کے باعث تاخیر پیدا کر سکیں  
 غالب دیوان کو اٹھا لو اور دیکھو کہ اس اشعار ہر زمانہ ہر لفظ ہر لفظ طبیعت کی ملاحظہ کرتے  
 ہیں یا نہیں۔

شعر کے ہنگامہ کے ختم ہونے پر جب عام معانی کا اعلان ہو گیا تو ہر غالب ایک  
 زبردست ندرسی تفسیر کے ساتھ فرخ شامی اور علامہ اعلیٰ کا ایک گراں بہا اناوارہ الوجود  
 نمونہ ہو جس کے اجتناب سے مرادنا مالی نے بھی یاد کیا غالب میں نقل کیے ہیں۔ اس قصیدہ  
 کو اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس سے ہماری گزشتہ بیان کی پوری طرح تائید ہوتی ہے  
 ناظرین کی صرف ادبی دلچسپی کی غرض سے چند شعر اس عجیب غریب قصیدہ کے نقل  
 کرتا ہوں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قریباً ہر شعر میں سیاسی پہلو نمایاں ہے۔

خود و زکار نامہ درین درگاہ یافت	در روزگار ہا تو اند شمار یافت
حق داد و ادھن کہ بر سر قریافت	پر کار تیر گرو فلک در میان میں
پر رو سے خاک بیچ و خیمہ لغت یافت	آمد اگر بفرض ز بالا بلا فرو
ایں پرورش کہ خلق ز پرور گار یافت	در خاک دبا و دناش آب آشتی فرو
در ہر برج صدت ازین چہ یافت	تا چار جز بد او گرایش نہی کند
ہم پرور سر لے خود بندہ یافت	گر خواجه بندہ را خط آزاد کی داشت
تو کچھ خوشدلی نغداوند گار یافت	در بندہ خود ز غشم خط بندگی در یافت



رہن متاع خویش برائے سبیلِ نیت کو دکھ رضاے لہو زاموزگار یافت  
ہندو مسلمانوں کے اتفاق کا جو غلط فہمی کل مچا ہوا ہوا اور ایک دوسرے کو پناہ  
بھائی بنانے پر تلا ہوا اور سارے اختلافات مٹانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں  
یہاں تک کہ مسلمانوں کے خاص مذہبی معاملات میں بھی ہندوؤں نے عملی  
ہمدردی کا اظہار شروع کر دیا جو مرزا غالب نے اس ضرورت کو سمجھتے ہوئے  
کیا تھا اور مسلمانوں سے گویا وہ یہ کہتے ہیں ۵  
غالب بیشک انسانی ہستی کا اعلیٰ مفسر ہو اور اس کا کلام ہر زمانہ انسان  
کے دلی جذبات و خیالات کی تفسیر کر کے لوگوں کو خوش کرنا رہے گا۔ اس  
یا پھمیر نے کی رائے میں غالب شیلی کی پورا کشتی کی فصاحت گوشتے کی  
عین النظری مشعل کی بلند خیالی۔ فرانس ٹامسن کے تخیل۔ مونس کے درد  
سودا کی غرافت اور تیس کی سادگی کا مجموعہ ہو۔

میرا قلب آرزو مند ہو کہ تیرے نعروں کا ہم نوا ہو جائے لیکن ایک آواز کے  
لیے بیکار ٹرپ رہا ہو۔ میں بولتا ہوں لیکن ہلکے نغمہ نہیں بھٹتے۔ لاچار عاجز ہو  
جیت اٹھتا ہوں ٹوٹتا ہوں

خلاصہ یہ کہ مرزا کی شاعری میں ہزار بات کہتے ایسے پائے جاتے ہیں جو قابلِ بیان  
ہیں ان کے اشعار کو پڑھ کر جو حالتیں یا کیفیتیں ظاہری ہوتی ہیں ان کو الفاظ کے  
ذریعہ سے ظاہر کرنا ناممکن ہے قبولِ خاتمہ حافظ شیرازی ۵

لطیف بہت سنائی کہ عشق آرزو خیزو کہ نام آں زب لعلِ خطارِ نگارِ بیت  
خاک کا مجموعہ آرزو دہلی۔ مار اکتوبر ۱۹۱۵ء



ہوالمستعان

## دیباچہ طبع ثانی

سید راس مسود صاحب کی تحریک ہمدردان غالب کا خاص ایشین نظامی پریس سے شائع نہیں نکلا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سوچ اتفاق سے یہ خاکہ لکھی، تاکہ بستر عیالت پر پڑا اور اس وجہ سے اس کی کاپیوں کی صحت کا کچھ دوسروں کے ہاتھ میں رہا اور یہ ادعا کہ وہ غلطیوں سے پاک ہو غلط ہو گیا جیسا کہ اس معذرت نامے سے جو اس ایشین کے آخر میں لکھا پڑا ظاہر ہو۔ لیکن پھر بھی وہ ایشین بازار میں دستیاب ہونے والے نسخوں سے کچھ لحاظ اپنی دلفریبیوں اور کیا بر لحاظ صحت بساغیت تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ شایعین کا ام غالب نے میری توقع سے زیادہ اس کی قدر فرمائی۔ اس ایشین کے خریداروں میں فی صدی ۹۰۔ انگریزی والے اصحاب شامل ہیں جن میں زیادہ تعداد گرجوٹھ کوکلا اور میرٹر صاحبان کی ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نئے تعلیم یافتہ اصحاب کے حلقے میں دیوان غالب کے پہلے ایشین کو ہر دلفریز جلتے میں محض اس کی خاموشی غرض قناتی بھی محرم نہیں ہوئی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ صرف غالب کا کلام ہی وہ کلام ہے جو متصوفیانہ مذاق کے ساتھ فلسفی مسائل سے بھی بالا مال ہے۔ غالب کا تخیل وہ چیز ہے جو کبھی پُرانا نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نوجوان تعلیم یافتہ اشخاص کی طبیعتوں کا رجحان غالب کی طرف بڑھا ہوا ہے۔ غالب کو اپنی زندگی میں جب



کلاس کے معاصرین اس کے طرزِ کلام پر صرف اس وجہ سے متحکم اُڑاتے تھے کہ اُس نے شاعری کی ایک جدید شاہِ راہ قائم کی تھی اور جشنِ دہائی اور گلِ ولبل کے پارینہ مضامین سے اس کا مطلع نظر کہیں بلند تھا۔ کیا غیر تھی کہ اس کے مرنے سے تقریباً نصف صدی بعد وہ خوبیاں جو اس نے اپنی شاعری میں سب سے علیحدہ ہو کر پیدا کی تھیں عام طور پر تقدس کی نگاہ سے لکھی جائیں گی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ سب سے پہلے غالب نے یہ ثابت کر دیا کہ اردو نظم میں ہر طرح کی فصاحت و بلاغت فلسفہ و حکمت اور نچرل جذبات کے ادا کرنے کی قابلیت موجود ہے۔ غالب نے شاعری کے مقصد کو خوب پہچانا ہے وہ صرف غزلِ سرائی سے غیر مہذب جذبات کو اُبھارنا پسند نہیں کرتا تھا بلکہ اُس نے وہ روش اور اسلوب بیان اختیار کیا تھا جس سے وہ ایسے حکیمانہ خیالات و نیا کے سامنے پیش کر سکے جو دوسروں کی اصلاح کا باعث ہوں اور انسانی اخلاق کا پایا بلند ہو یہی وجہ ہے کہ بعض انگریزی تذکرہ نویس اُس کو پُرہیزِ نفسین کا پتہ نہ لگتے ہیں۔ غالباً یہاں پر یہ اعتراض کیسا بایں گا کہ ایک شخص جو زندہ مشرب ہو وہ دوسروں کی اصلاح کیا کر سکتا ہے۔

بیشک غالب ایک قابلِ ترکِ عادت میں مبتلا ہو گیا تھا لیکن یہ نہایت صداقت شعار اور راست گو تھا اُس نے اپنے کلام میں اپنی اس مذہم عادت پر جان بوجھ کر ملامت کی ہے اور اس لیے اُس کا کیرکٹر یا کارنامہ ہوں اور نمایاں رہے ہرگز گاروں سے بدرجہا قابلِ تعریف تھا۔ بہر حال اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس کے کلام میں توحیدِ تصور و حکمت، فلسفہ، عبرت بے ثباتی و دنیا



میرے فارسی کے وہ قصیدے جن پر بھکوناز ہو کوئی اُن کا لطف نہیں اٹھاتا۔  
 اُس زمانے کے خیال کے مطابق مرزا غالب اُردو شاعری کو درجہ اول کا نہیں  
 سمجھتے تھے۔ لہذا اُس میں اپنی کسرِ شان جانتے تھے چنانچہ ایک فارسی قلم میں  
 جس کی نسبت مشہور ہو کہ اس میں ذوق کی طرف خطاب ہو کہتے ہیں ۵  
 فارسی ہیں تاہم اپنی نقشبۂ رنگِ ننگ ۶ بگناز محبوبہ اُردو کے شے ننگ میں بہت  
 راست بیگویم مٹی از دستِ خستہ کاشید ۷ ہرچہ در گفتارِ فخرِ ست اُن ننگ میں ہے  
 اُن اشعار میں اپنے فارسی گوئی کے جوشِ کمال میں محبوبہ اُردو کو اپنے لیے  
 موجبِ ننگ بتایا ہو در حقیقت ہیں اُن کا دیوانِ ریختہ کم از گلشنِ شیریں نہیں  
 کی نفیس اور پاکیزہ تشبیہ سے کہیں بُرعا ہوا ہو۔

مرزا کے اچھوتے خیال۔ ان کی بلند پروازی اور یمنِ مضامین کی مثال میں  
 یہاں ہم چند اشعار نقل کرتے ہیں ۵

ہوس کو ہوشِ ناپ کا رکب کیا

نہ ہو مرنا تو جینے کا نہ کیا

کیا نفیس اور نرالا خیال ہو زندگی کا لطف اسی لیے ہو کہ لوگوں کو مرنے کا  
 یقین ہو ورنہ دنیا کا کوئی کام بھی انسان کی محسوس اور کاہلی کے باعث نہ ہوتا  
 نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ۵

ڈوبو یا بھگو ہوئے نے نہ ہوتا میں اُٹو یا ہوتا

اگر انسان کا وجود نہ ہوتا تو وہ خدا ہوتا پہلے سرِ عیسٰی کہہ چکے ہیں کچھ نہ ہوتا تو  
 خدا ہوتا ۵



آتا ہو داغ حسرت دل کا شمار یاد  
 مجھ سے مرے گنہ کا حساب اونہاں مانگ  
 کیا شوخی ہو۔ درپردہ خدا سے شکایت کرتا ہو گویا خبر و خواہش ہو کہ  
 میرے لئے شمار گناہوں کا حساب مجھ سے نہ طلب کرے  
 طاعت میں تار ہے زمی مانگ بیس کی لگ  
 دوزخ میں ڈال دو کوئی لیب کپشت کو  
 ملو خیال قابل ملاحظہ ہو۔ دوزخ و بہشت کا خیال عشق حقیقی میں حایہ ہوتا  
 ہو اور ایسی طاعت اور ایسا سجدہ نیاز لا حاصل ہو جس میں دوزخ کا  
 خوف اور بہشت کی حریم و ہوس ہو۔

۷  
 ہو غیب غیب میں کو سمجھتے ہیں ہم شہود  
 ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں  
 اسل شوہر و شاہد و مشہور و ایک ہو  
 حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہو کہ حساب میں  
 جو لوگ تصرف کا مذاق رکھتے ہیں اور مصطلحات تصوف سے بھی واقف  
 ہیں کچھ وہی لوگ اس شعر کا لطف اٹھا سکتے ہیں ۷  
 ہی پرے سرحد اور اک سے اپنا ہو قید کو اہل نظر قید نما کہتے ہیں

۸  
 ہے غرض اسی زمانہ میں جو کہ میں مجھ پر ہر قسم کی گنجائش ہے اسے میں وہاں لکھ گیا  
 ہے غرض اسی انداز میں ہی نے بھی اس مضمون کو نہایت عمدہ پہلو میں دوایا جو ۷  
 نظر و ملاحظہ منظر جب ایک ہونے + کیا غار و قیامت میں مدامت کے مسا



کیا بلند مرتبہ ہوا اور کتنی منزلیں طو کر چکے ہیں جس جگہ اوسل کا مذہب استہاک پر تھا  
 ہو وہاں سے حضرت غالب کا مذہب شروع ہوتا ہو  
 ہیں زوال آمارہ اجزا آفرینش کے تمام  
 مہر گردوں ہو چرخ رگزار بادیاں  
 نئی نئی اور عجیب و غریب شبیہیں اختراع کرنا کچھ انہیں کا کام تھا  
 دام ہر موج میں ہو حلقہ صد کام ہنسنگ  
 دیکھیں کیا گزے ہو قطرے پگھر چوٹے سنگ  
 امتعارات و کنایات میں بھی جو شاعری کے لطف کو دریا لاکر دیتے ہیں  
 حضرت کو بدلتی حاصل تھا طرہ اپنی اصل یعنی بھر سے جدا ہوا ہو اور قبل  
 اس کے کہ وہ پھر بھر میں مل جائے معلوم نہیں کیا کیا منازل اس کو طو کرنے ہیں  
 اسے مسئلہ تنازع سمجھو یا مشرب صوفیہ۔

راز معشوق نہ رسوا ہو جاے

ور نہ مرجانے میں کچھ حبیب نہیں

کیا سادگی ہو اور راز حقیقت کا کیا ہی انوکھا انکشاف ہو

روشن بستی ہو عشق خانہ ویراں ساز سے

انجمن بے شمع جو گر برق خرمن میں نہیں

انسانی بستی کا جزو اعظم محبت و عشق ہو اور انسان کے لیے محبت کا ہونا

لازمی بتاتے ہیں خواہ وہ محبت مکی ہو یا قوی حقیقی ہو یا مجازی اس مطلب کو  
 کس خوبی سے ادا کیا گیا ہو۔



۵ دریا سے مٹا دیا تنگ آبی سے ہوا خشک

میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

وقت کو یہ شعر نہایت پسند تھا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ مرزا کو اپنے اچھے افسار  
کی خود خبر نہیں ہوتی۔

بڑے بڑے فلسفی اپنے وقتیں مسائل کا جواب اس الہامی کتاب

دیوان غالب سے تلاش کر سکتے ہیں۔ فلسفہ کا غالباً سب سے اہم ترین مسئلہ

یہ ہے کہ وجہ آفرینش دنیا کیا ہے۔ فلسفی نے اس کا جواب اپنی بنیاد کے

موافق دیا ہے مرزا غالب اس کا جواب یوں دیتے ہیں ۵

و ہر جز جلد یکتائی معشوق ہستیں

ہم کہا ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود میں

کس خوبی کے ساتھ ان دو مصرعوں میں مرزا نے اس مسئلہ کا حل کیا ہے

مبداء عالم حسن ہے اور حسن اظہار کا متقاضی ہے اس لیے دنیا عدم سے وجود

میں آئی۔

خضر شراب خواری میں حضرت کا ایک شعر حقیقت میں ایک فقر معنی ہے اور

جنتا سے پڑھیے لطف اتنا ہی دو بالا ہوتا ہے پورپ کے نامور شعرا کے کلام

۵ لے اسی مضمون کو حضرت آسن غازی پوری نے بھی نہایت خوبی سے لکھا ہے ۵

حسن کچھ کس کام کا جب چاہئے والا نہ ہوا کچھ کچھ ہے دریا کو لطف تنہائی نہ تھا

۵ غالب کے کچھ میں کچھ جو مد ایک حور سے اچھوڑ دیتا ہے مشرق الہیہ خواجہ میر  
(مکتب) بریٹش ۵ سے جو خود بھی شاعریں اعلیٰ ہی ہیں اس کا اظہار اس جگہ شاید



راقم الحروف کی نظر سے گزرے ہیں لیکن اس موضوع پر اس پایہ کا ایک شعری نہیں ملتا۔ اسے صوفیائے کرام کے مسلک کی تشریح کیجئے یا جو چاہئے سمجھ لیجئے کیونکہ اس کی کیفیت الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتی ہے

موسے عرض نشاط ہو کس روسیاء کو

ایک گونہ سے خودی مجھے دن رات چاہیے

اہل تصوف اگر اس جام جہاں نمانینی دیوان غالب میں اپنا عکس دیکھنا

چاہیں تو ان کو معلوم ہوگا کہ ان کے تمام دقیق مسائل کا کس خوبی کے ساتھ

اس شیخ نے حل کیا ہے کیا شعر ہیں اور کن رموزِ فطرت کا اظہار ہو ہے

اک ذرہ زمین نہیں بیکار باغ کا یاں جاوہ بھی فتیلہ ہو لالہ کے دماغ کا

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز پیش نظر جو آئندہ ایم نقاب میں

غالب کا مذہب قیود و پابندیوں سے پاک ہو وہ اس مثل پر ہیں کہ جہاں

ہندو مسلمان کی تیز رازی نہیں رہتی ہے

وفا و ارمی بشرط استواری اہل اہل ہیں

مرے جھانسنے میں تو کہہ میں ڈاڑھ پر ہمن کو

مغربی تہذیب کے والد و مشید اکثر فرماتے ہیں کہ غالب میں سوار گل و بلبل

کے افسانوں کے اور کیا رکھا ہے۔

پرسقہ نہ ہو اگر غالب کی عظمت کو ایک نہ ہو بلکہ صحیح طور پر اس حقیر نے سمجھا ہے تو یہ نہیں ہے

فیضِ محبت کا اثر ہے۔ میں اپنے دوست کا مثل سے منون ہوں کہ ان کی بدولت میں جینے

کی شہم کو دے رہی شہنشاہ کی شاہیں رکھیں ۱۱ محمد



ان کے دل حسن و حقیقت سے نا آشنا۔ ان کے دماغ خدائی کیفیات سے  
نئے ہوں۔ بھلا وہ ان رمز کو کیا سمجھیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے مرزا غالب  
نے لکھا ہے۔

۵ مطلب ہونا زود غمزہ و گنگلو میں کام

چلتا نہیں ہو دشمنہ و خنجر کہے بغیر

۵ ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو

بستی نہیں ہے باوہ و سانگر کہے بغیر

کاش غالب کو بھی کوئی فطرتی لہجہ مل جاتا جو اُس کے کلام کے رمز و نکات کو  
کسی مغربی زبان میں اہل مغرب کے سامنے پیش کرتا۔

اس بار عظیم کا شیر اگر سر سوجنی ناپڈ و جو خود بھی معرفت الہی کی مطر و نغمہ  
ہو اُٹھائے تو کیا عجب کہ اُسے کچھ کامیابی ہو جائے۔

غالب کے کلام کی عظمت اُس کے تخیل و ادراک کا وہ عالم۔ مگر افسوس

غالب کا مزار دلی میں جس حالت میں پڑا ہوا اُسے دیکھ کر ایک فلسفی کا

قول یاد آتا ہے جس نے کہا تھا کہ اگر تم کو کسی قوم کی حالت کا اندازہ کرنا ہو

تو تم اُس کے مزارات پر چلے جاؤ۔ غالب کے مزار پر جا کر جو کیفیت مجھ پر

ظاہری ہوئی وہ احاطہ تحریر سے باہر ہے مجھے دیکھنے میں اُس کے مزار کے

لے یہ وہ جگہ ہیں جنہوں نے عرفیہ کا تجربہ انگریزی میں کیا اور غنی ترجمہ کے باعث عرفیہ  
کا نام کچھ یورپ میں پہنچا جو لگے برسوں کا سب سے زیادہ شہرہ خواہگر ناہجوس کا نام  
ہو گیا ہے۔ یہ لکھنا کہ مسرت آباد مانا نہایت ہو و شہرہ دیکھنے میں ہوتا تھا اور وہ یہ تھا



دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا ہے ایک وہاں کی قدردانی ہو اور ایک یہاں کی مٹتی  
دونوں کا فرق دیکھ کر اقبال کا مشہور شعر جو اُس نے غائباً ایسی ہی کیفیت  
سے متاثر ہو کر لکھا ہو گا بے اختیار میری زبان پر جاری ہو گیا ہے۔

آہ تو آخری ہوتی دلی میں آرا میدہ ہو

گلشن دیر میں تیرا ہم تو اخوا بیدہ ہو

ہندوستانیوں کی زندگی کا تقیضیت ایک قوم کے لئے ایک مشہور ہنگامے  
سے پہلے ہو چکا تھا۔ اور اس وقت کے شعراء اور صاحبان سیاست  
دونوں نے اسے محسوس کیا۔ اہل سیاست کے احساس کا نتیجہ ہنگامہ  
ہوا اور شعراء نے مختلف طریقوں سے اس پر زور کیا۔ مرزا غالب کا احساس

گہرا تھا اور انھوں نے نہایت پروردہ پیرایہ میں اس کا اظہار کیا ہے۔  
کیوں گردشِ دام کے بھلائے جا دل انسان ہوں پیالہ وسا خورشید  
یارب زمانہ بھگو مٹانا ہو کس لیے کوہِ جہاں پر حرفِ مکہ نہیں ہیں  
پھر کہتے ہیں:۔

استی ہاری اپنی فنا پر دلیل ہو

یاں تک مٹے کہ آپ ہی اپنی قسم ہوئے

ہنگامہ مشاعرے کے بعد دلی اور نواحِ دلی پر جو آفتیں ٹوٹیں انھوں نے  
ہزار ہا ہنگامانِ خدا کو بے خانان کر دیا۔ شہزادے اور شہزادیاں بٹلوں میں  
مارے پھرتے تھے۔ دلی آج گہنی اور شہرِ خاک کے مکان ویران و برباد کر دئے  
گئے۔ ان واقعات کو مرزا نے بحیثیتِ خود دیکھا تھا۔ غائباً اسی کے متعلق فرماتے



ہیں ۷ کم نہیں وہ بھی اپنی پس پڑھت معلوم  
 دشت میں ہر جگہ وہ پیش کر گھراؤ نہیں  
 جو مصائب اہل ہند پر مشاعرہ کے کچھ پہلے اور پھر اس کے بعد نازل ہوئے  
 وہ بجائے خود آئندہ کے لیے ایک سبق تھے جس کو مرزا نے کس خوبی سے  
 ادا کیا ہو اور ان کی خواہش ہو کہ ان کے ہم وطن اس سے سبق حاصل  
 کریں اور آئندہ کے لیے متنبہ ہوں ۷

اہل پیش کو ہو طوفانِ حوادث مکتب  
 لعلِ موج۔ کم از سیلی استاد نہیں  
 دلی فتح ہونے کے بعد نہ صرف اہل دلی نے بلکہ تقریباً تمام ملک انگریزی  
 سرکار کی اطاعت قبول کر لی اور طرح طرح سے اپنی وفاداری کا اظہار  
 کرنے لگے۔ لیکن حکام انگریزی کا جوش انتقام کم نہ ہوا ہنگامے کے حالات  
 ان کو فراموش نہ ہوئے۔ لوگوں کو سزائیں دی گئیں۔ امر کی جاگیریں ضبط  
 ہوئیں۔ غریب کے مکانات سہا کر دیے گئے۔ مرزا اس کا ذکر شکایت کے  
 بیابان میں یوں کرتے ہیں ۷

دائے محمدی تسلیم۔ و بذا حال و قاف  
 جانتا ہو کہ ہمیں طاقت نہ رہا و نہیں  
 اور سزا کی سختی کی یوں شکایت کرتے ہیں ۷  
 حد چاہیے سزا میں عتوبت کے واسطے  
 آخر گناہگار ہوں۔ کافر نہیں میں



خود دہری۔ استغنا۔ اور اس قسم کے اخلاقی مضامین بکثرت پائے جاتے ہیں۔ غالب نے ان مضامین پر کبھی فخر نہیں کیا بلکہ اپنے رہنما مشرب کی وجہ سے جہاں کہیں اس قسم کے مضامین پر قلم اٹھانے کا ذکر کیا ہے وہ انسا کے ساتھ کہتا ہے۔

پرساں تصوف یہ ترا بیان غالب + تجھے ہم ولی سمجھتے جو زیادہ خواہ ہوتا اُردو شاعری میں تو غالب کا خاص مرتبہ تھا ہی، فارسی میں بھی اس کا پاپیسی ان زبان شاعر کے کم نہیں ہے۔ اس اُردو دیوان کے دیباچہ میں ہیں کی فارسی شاعری سے بحث کرنا ہمارے منصب سے باہر ہے۔ اس موقع پر ہمیں صرف یہ کہنا ہے کہ اپنے اُردو کلام میں جو مضامین غالب نے ادا کیے ہیں وہ معنی خیزی کے لحاظ سے فارسی اشعار سے کسی طور پر کم نہیں ہیں بلکہ بعض حالتوں میں وہ فارسی سے بھی زیادہ ممتاز ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ غالب کے اُردو کلام میں جابجا فارسی کے ہیوز لگائے گئے ہیں جس کی وجہ سے وہ مشکل اور دقیق سمجھا جاتا ہے لیکن جب وہ اس روش کو چھوڑ کر صافی اور سادگی کی طرف جاتا ہے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سادگی بیان پر قدرت رکھتا ہے وہ دوسرے شاعر کو بہت کم حاصل ہے اس کے دقیق اشعار اور فارسیت کے رنگ نے یہ ضرورت پیدا کر دی ہے کہ کثر سے مطالب کو عام فہم اور آسان بنانے کے لیے دیوان کی شرح لکھی جائے۔ چنانچہ اس وقت تک کسی شرح میں شائع ہو چکی ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ موجودہ شرح میں دلدار کا ان کلام غالب کی ضرورت کو پورا کرتی ہیں اور اس وجہ سے ہم نے اپنے پہلے ایڈیشن کو سراسر خالی کرنا کافی سمجھا تھا۔ اس ایڈیشن میں صرف اشارات



الفاظی کے استعمال سے مشکل اشار کو اس قابل بنا دیا گیا کہ وہ پڑھنے کے ساتھ ہی ناظرین کے ذہن میں اتر جائیں لیکن اکثر احباب نے میں مجبور کیا اور یہ مشورہ دیا کہ دوسرے ایڈیشن میں مشکل الفاظ کے معنی عام فہم اور وہیں اور قیمت مضامین کی شرح مختصر طریقے سے بطور حاشیہ ہر صفحہ پر متن کے تحت میں لکھ دی جائے تاکہ ناظرین کو کسی دوسری شرح کے سامنے رکھنے کی ضرورت باقی نہ رہے حاشیے کے لکھنے میں ہم نے شرح لطبا لطبائی، شرح مرقا، مسرت اور درقات غالب کو جو دہندی میں موجود ہیں پیش نظر رکھا جو حضرت شوکت میثی کی شرح دیکھنے کا بھی اس اثنا میں موقوفہ۔ اس شرح میں اگر کچھ لغویان نقل نہیں کیا گیا ہو لیکن جن اشار کی شرح دی گئی جو ان میں سے اکثر بی کام دیوانوں کے خلاف تعریف کر کے کلام غالب کی وہ گت بنائی ہو کہ جس سے گوشت قبر میں غالب کی روح کو حضور کو فت ہوئی ہوگی مثلاً تانم خوں میں یہ لکھا ہو ہے نہ اسے تانے کو اتنا طول غالب نے لکھا ہے کہ مسرت سچ ہوں عرض تم ہائے مجذباتی کا شوکت صاحب اصلاح فرماتے ہیں ۔

نہ اسے نالہ کو اتنا طول غالب نے لکھا ہے کہ حیرت سبج ہوں عرض تم ہائے مجذباتی کا اس طرح کے تحریف اشار شوکت صاحب کی شرح میں اکثر ملتے ہیں، اگر حضرت شوکت کسی قدیم نسخہ دیوان کا حوالہ دیتے اور اس کی بنا پر اشعار کی تصحیح کرتے تو حق بجانب تھا۔ عام مطبوعہ دیوانوں میں بھی بعض بعض اشعار میں اختلاف پایا جاتا ہے اور دوسری وجہ سے ہیں چند ایڈیشن مختلف ملاح کے چھپے ہوئے تصحیح کی غرض سے جمع کرنا پڑے۔ پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے وقت سب سے زیادہ قدیم صحیفہ ہوا



و نسخہ دستیاب ہوا تھا جو مطبع احمدی دہلی سے مشتمل میں شامل ہوا تھا  
 اور جس کی کاپیوں کی صحت خود مرزا نے کی تھی۔ اس مرتبہ اس سے زیادہ  
 پرانا ایک قلمی نسخہ ہاتھ آیا جو اس اہل دیوان سے نقل کیا گیا ہے جس کو پہلی  
 مرتبہ غالب نے مشتمل میں مرتب کیا تھا یہ نقل بھی جو ہمیں دستیاب ہوئی  
 ہو اسی زمانہ کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ایک دیباچہ بزبان فارسی مصنف  
 نے لکھا ہے جس کو ناظرین کے مطالعہ کے لیے اس دیوان کے شروع میں مختصہ وچ  
 کیا گیا ہے اس دیباچہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان ارد و دکن رسی  
 دیوان سے پہلے مصنف نے مشتمل میں ترتیب دیا لیکن اس میں مصنف  
 کی بعض مشہور غزلیں نہیں ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشتمل کے بعد دوسرے  
 نسخہ مرزا نے ان غزلیات کو شامل کر کے جو سال مذکور کے بعد تصنیف  
 ہوئیں ترتیب دیا ہے اور وہی اب تک رائج ہے اگر اس قلمی نسخے کی جو  
 مشتمل کا لکھا ہوا ہے اس کا یہ متابعیت کی جائے تو بعض مشہور غزلیں  
 نکل رہا پڑے گی۔ مثلاً یہ قول "لازم تھا کہ بکھیرا رستہ کوئی دن اور پچیس مضمون  
 نامہ نئی واقعہ پر مشتمل ہے اور جو یقیناً غالب کی مصنفہ ہے، اس لیے اس قلمی دیوان سے  
 صرف یہ مدد لی گئی ہے کہ بعض خفیف غلطیاں جو مطبوعہ دیوانوں میں پائی  
 گئیں درست کر لی گئی ہیں، موجودہ ایڈیشن میں حتی الامکان کتابت کی غلطیوں  
 کی صحت کی گئی ہے۔ لیکن پھر بھی ممکن ہے کہ بعض خوبس اور نکتہ چیں ہنگام  
 کتاب کے کسی نہ کسی سو کوڈ حوالہ نہ نکالیں۔ نہایت سختی کے ساتھ کتابت  
 میں اگلا کا خیال رکھا گیا ہے جو زمانہ حال میں سرشتہ تسلیم کی



کتابوں میں مروج ہو اور جس سے اردو کتابت کا نقص دور ہو جاتا ہو کہ اس میں مختلف آوازوں کو ایک ہی صورت میں لکھا جاتا ہو مثلاً گھر گھرے۔ فی۔ اور فو وغیرہ جہاں تک سنی نے اجازت دی ہو مرکب لفظوں کو علیحدہ کر کے لکھا گیا ہو کسی ایسے لفظ کو جو دو لفظوں سے مل کر بنا ہو مگر لکھنے سے احتراز کیا گیا ہو اور دو لفظوں کو جو جدا جدا حیثیت رکھتے ہیں قطعی طور پر ملا جلا نہیں رکھا ہو مثلاً شکر کش کو بصورت شکر کش نہیں لکھا ہو۔

اس طرز تحریر کے اختیار کرنے سے صرف یہ قصد ہو کہ اردو رسم الخط سریع الفہم صورت اختیار کرنے اور یہ بھی خیال رکھا ہو کہ لفظ کی صورت آواز سے مطابقت کرے مثلاً نہ دے نامے کو اتنا طول رخ اس طریقے سے نہیں لکھا نہ دے نامہ کو اتنا طول رخ۔ اشارات الہانی میں بھی اس مرتبہ زیادہ محنت خیال لکھا گیا ہو چونکہ اردو میں اس وقت تک اشارات الہانی کی سورتیں مخصوص تھیں اس لیے ہم نے انگریزی اشارات کا اتباع کیا ہو۔ البتہ اس قصہ صرف کیا ہو کہ کائنات کی بجاہ ضعیف پوش سے کام لیا ہو پہلے ایڈیشن میں مرزا کا صرف نوٹو دیا گیا تھا اس مرتبہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط حاصل کر کے اس کا طس بھی چھاپا گیا چونکہ بے ہم قاضی عظیمیل صاحب دہلی کے شکر گزار ہیں۔ یہ خط قاضی صاحب مونیوت کے پاس محفوظ تھا۔ مولوی دہلی الدین صاحب طالب فرشتوری

لحق قاضی صاحب قاضی عظیمیل صاحب دہلی کے جو مرزا صاحب کے رشدا کا مذہب میں تھے جن کے نام غالب کے مطبوعہ خطوط و ہندی میں موجود ہیں خلف الصدق ہیں۔  
مولوی صاحب مولوی عزیز الدین صاحب دہلی کے جو غالب کے شاگرد و رشید تھے خلف الرشید ہیں۔



بدایونی کے ذریعہ ہم تک پہنچا جس کے لیے مولوی صاحب موصوف بھی مستحق شکر

ہیں۔ امید ہے کہ اردو ادب کی یہ خدمت پسندی کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔  
 اردو دیوان غالب کا یہ دوسرا ایڈیشن فی الواقع ترقی ادب اردو کی اس اسکیم  
 کی جو مالی جناب سید اس سعید صاحب بی لے آکسن ناظم تعلیمات سرکار  
 نظام خلد اللہ ملکہ کے عرصے تک زیر غور رہی ہے پہلی قسط کے خدا سے دعا ہے  
 کہ ہماری یہ کوشش مقبول نام ہو تاکہ آئندہ ہمیں محنت ہو کہ اس سلسلے میں اردو  
 کے دوسرے قدیم اساتذہ کا کام اسی طریقے سے خالص کر سکیں۔ اور ہمارے  
 میطبعات نفاست پسند علم و دست تعلیم یافتہ اصحاب کے کتب خانوں کی خدمت  
 ہو کہ عتیقین کے نام کو جنہوں نے اردو کی خدمت میں اپنی عمر صرف کیا  
 زندہ اور قائم رکھ سکیں

خاکسار

نظامی عثمانی

بدایوں - ۲۰ ارجن سن ۱۹۱۶ء

(اس دیوان کے جملہ حقوق محفوظ ہیں)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# دیباچہ طبع اول

ننانہ دگر گو نہ آئیں نہ باد  
شد آں مرغ، کو بیض زین باد

یادش بخیر! وہ زمانہ بھی کیا زمانہ ہو گا جب کہ ایشیائی علوم و فنون کے چشمے جزیرہ نمائے ہند کے گھر گھر میں ابل رہے ہوں گے۔ "قیور سے پہلے اور اس کے بعد جب مسلمان فاتحین نے ہندوستان پر فتاحانہ سلا کیے ہیں۔ اس وقت کس کو یقین ہو گا، کہ یہ آریہ ورت کا دیس ان بلیسیوں کی بدولت اپنی عالی شان و شوکت اپنی کامل عظمت و جلالت، اپنی اتم لیاقت و عظمت کے لحاظ سے حد و مطلقاے عباسیہ کا ہم مد ہو گا۔ یہی وہ مبارک زمانہ تھا جب کہ فاتح قوم کے ساتھ تمام مفتوح اقوام بھی قدم بہ قدم ترقی کے میدانوں کو طوق کرتی



نظر آتی تھیں جس حکمران کو جن علوم و فنون کے کسلا و ماہرین کی تلاش ہوتی تھی نگاہ التفات کے ایک معمولی سے اشلہ سے ہر ایک وہ نہیں بلکہ سیکڑوں در دولت پر حاضر ہو جاتے تھے۔ قطب الدین ایبک مرحوم بہادر شاہ ظفر تک کے درباروں پر نظر ڈالی جائے، کوئی دربار ایسا نظر آئے گا جس کے میز فروشوں میں منتخبین روزگار کے محبتے لازمہ زینت و زیبائش نہ ہوں۔

جس زمانہ کی یہ حالت ہو اُس زمانے کی لچسپیوں اور مشاغل کا کیا پوچھنا۔ بس ستاساں اُسے فکری کا زمانہ، سلطنت و درواں، خود قابل، ان صورتوں میں مشغلے ہوں گے غالباً مفید اور علمی ہی ہوں گے یہ مسلم ہے کہ کوئی مشغلہ غیر تحریریں و تقابل ترقی پذیر نہیں ہوتا۔ اور تحریریں و تقابل کے لیے سوسائٹی کا ہم خیال و ہم لیاقت ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ اُس زمانے میں ہم لیاقتی و ہم خیالی کی کمی نہ تھی۔ جہاں کسی نے ایک خیال کو عملی جامہ پہنا یا چراغ سے چراغ جلنے لگا۔

دیگر علوم و فنون کی طرح شاعری کا ستارہ بھی کچھ کم عروج پر نہ تھا شاعروں کے منہ موتیوں سے بھرے جاتے تھے سخن سنجوں کا کام نہ دنیا میں تو لاجا تا تھا۔ فرد و پادشاهی میں ملتی تھی۔ اور پھر جاگلیات و مناصب مستراؤ۔ ان ترقیوں اور قدردانیوں کے نظارے ایک دو سال نہیں بلکہ چند دہائیوں تک دیکھنے والوں کی آنکھوں میں چکا چند پیدا کرتے رہے۔ مگر تیرہویں صدی ہجری کے آخر تک اُس عروج کے سارے علاج



لو کہ ترقی محکوس کی گردان شروع کر دی اور گویا چرخ لے کر ڈھونڈنے سے بھی  
 اُن ہنگاموں کی مجلسوں اور محبوں کا تہذیبیلا جو تیسری وکاوش ہر وقت اور جگہ  
 پیش نظر تھے۔ البتہ مجلسوں اور محبوں کی جگہ خال خال کوئی صاحب کمال نظر آ جاتا تھا  
 گمراہ اور صدآہ کہ کج و جہتی قطع الرجال ہو کہ بجز نام یاد رہ جائے کے لائق کمال ہیں  
 میں سے کسی ایک فرد کا نشان نہیں۔ فاعتبرا دایا اولی الا بصار۔

پیش آریں برزخگاہ افسوس می خور وند حسیلق

می خورند افسوس در ایام ما بر ماندگان

تیسری صدی کی آخری منو اس با کمال شاعر ختم ہو گئی جس کو کھلی کُل  
 حالیب کہنا ذرا بھی مبالغہ نہیں یعنی نجم الدولہ میرزا اسد اللہ خاں غالب  
 (جن کا پورا نام دیوان سے سامان کے ساتھ چند سطروں کے بعد پیش نظر ہوگا)  
 اُن با کمال اور فطرت شناس شرا میں تھے جن کی سچی تعریف کے لیے فی زمانہ  
 ہم جیسے نااہلوں کو اس مشہور شعر کے پڑھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

معدای شنائے تو نہ تواند بشرح گفت

خاموشی از شنائے توحید شنائے گشت

مرزا غالب کی شاعری کے مانع کو پہونچنا اور اُن کے پہلی مہم کو سمجھنا  
 کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اُردو شعرا میں وہی ایک اور صرف وہی ایک  
 ایسے مختص النوع اور مختص الطبیعہ فرد فرید گزشتہ ہیں جن کی ہر بات میں  
 جدت ہونگ میں ندرت۔ تجزیل میں قیت نظر آتی ہے اگرچہ اُن کی شاعری بھی لمبا  
 اصول قواعد کوئی نئی شاعری نہیں ہے۔ ہنات سخن کی بدلتی ہیں اور اُن میں ہی بنیاں



نظرات میں جن کی ابتدا وکی نے اور ترسیم واصل تیرنے کی ہو۔ بلا میں جہاں کا کوئی  
 قصیدہ کوئی مثنوی کوئی غزل کوئی رباعی حتیٰ کہ ایک فردوسی ایسی نہ ملے گی جو  
 اپنے بحرِ خیال، رفعتِ مضمون، موزوں، اسالیب، تخصیص، ترکیب اور دل آویز اداس  
 تمام ساتھ صاف غلطی کے کلام سے جدا گانہ خزانہ رکھتی ہو ان کے ممتاز کلام  
 کی ایک اور جی سی شناخت یہ ہو کہ جب کوئی شعر ان کا پڑھا جاتا ہو تو بغیر اس کے  
 کلامِ مخلص معلوم ہونے والا اس کا مذاق سخن صحیح ہونے تکلف سمجھ جاتا ہو کہ یہ  
 مرزا غالب کا شعر ہے۔ یہی حیثیت تیسرہ بتاتی ہو کہ ان کے زمانے میں بعض اہل  
 سخن وجہِ اہمیتِ روشِ معاصرانہ لگ سے ان کے کلام کو ناپسند کرتے تھے  
 حتیٰ کہ اس معاندانہ خیال کا اثر اب تک یہ باقی ہو کہ جہاں ایسے لوگوں میں کوئی  
 شعر قاری اور اجنبی ترکیب و اضافت کا پڑھا یا سُنا جاتا ہو تو بے تحاشان کہہ دیا  
 جاتا ہو کہ یہ مرزا غالب کا رنگ ہو۔ حالانکہ یہ خیال واقعیت سے کیسوں دور ہے۔

لاکھ مضمون اور اس کا ایک ٹھٹھول

سو تکلف اور اس کی سیدھی بات

انہیں خیالات سے مجبور ہو کر جا بجا مرزا مرحوم نے کہا ہے  
 مشکل ہو زبیں کلام میرا اے دل + سن سن کے اسے سخنبران کا دل  
 آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمایش + گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل  
 ظاہر ہو کہ آج نہ مرزا غالب زندہ ہیں نہ ان کے معاصرین اور قلمدان  
 موجود ہیں نہ وہ قابلیت و فن دانی باقی ہو مگر اس نئی اور مغربی دنیا کی روشنی  
 میں ایک پُرانے اور ایشیائی شاعر کے موتیوں کی چمک غالب



نظراتی ہو

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

نمائے بخششِ خداے بخشند

اگر مرزا غالب شہر کی طرح حلقہ متصوفین میں بھی شامل ہوتے  
تو آج اُن کے قلم کو ملفوظاتِ کرامت میں شامل کیا جاتا جو اپنے مرتے  
سے پیشتر فرما گئے ہیں

تازہ دیوانم کہ مستِ سخن خواہد شدن

ایں محاذِ قحطِ خریداری بہن خواہد شدن

کو کہم را در عدم اوجِ قیوے بود و است

شہرتِ شہرم بہ گیتی بسد من خواہد شدن

یہی مقبولیت عام جو مرزائے مرحوم کے انتقال سے چالیس

پینتالیس سال بند چہا ہوئی ہے موجودہ اشاعت کی اصلی محرک ہے

اور اسی تحریک نے نہ صرف ہستم مطبع نظامی کو بلکہ اکثر احباب کو آمادہ کر دیا

ہے کہ مرزا کے کلام کا صحیح اور دلکش ایڈیشن شائع کیا جائے۔

اب سے پہلے چند در چند ایڈیشن دیوان غالب کے چھپ چکے ہیں

جن میں تین نسخے ایسے ہیں جو مرزائے مرحوم کی زندگی میں شائع

ہوئے اور ایک آدھ کی تصحیح بھی مرزا سے منسوب کی گئی ہے ان کے سوا

چار پانچ نسخے متفرق طبعوں سے نکلے ہیں۔ نیز وہ تین شراح نے بذیل

شرح دیوان کا بڑا حصہ چھاپ دیا ہے۔ مگر ان سب مطبوعہ نسخوں میں



کوئی نسخہ ایسا نہیں دیکھا گیا جو کم از کم دس پانچ فاضل غلطیوں کا حامل نہ ہو۔ ایسی صورت میں کہ خود مرزا کی زندگی میں دیوان مشائخ ہوا اور دانشمن فن شمع کے ساتھ ان کا کلام چھاپیں پھر بھی ایک نہیں بیسیوں غلطیوں کا رہ جانا تعجب کی بات ہے۔

ہم نے اس دیوان میں جن باتوں کا التزام کیا ہو ان کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلے عمدہ کاغذ۔ ولفریب خط۔ موزوں تفلج صاف ستھری چھپائی کا خوبصورت سے انتظام کیا ہو۔ اور پھر آج کل کی سلاکت سے تمام ان نشانوں کو یا احتیاطاً تمام جا بجا منظم کیا ہو۔ جن کی بدولت معمولی اردو دواں بھی باسانی شعر کو پڑھ سکیں۔ پھر حتی الوسع صحت اشعار کا بھی خیال رکھا ہو اور مختلف دواؤں اور شرحوں اور کلام مرزا کے حافظوں سے تصحیح و تصدیق و مقابلہ کیا ہو۔ ان اہتماموں کے بعد بھی اگر کوئی فروگزاشت رہ گئی ہو تو اس کو بجز اقتضا سے بشریت اور کیا کیا جاسکتا ہے کہ یہ سچ کھنس بشر خالی از خطا نہ ہو۔

اس دیوان کی تحریر اشاعت اور ترتیب و تدوین کے متعلق خصوصیت کے ساتھ ہیں و معزز مہربانوں کا شکریہ گزار رہنا ہے۔ نیرب اول مخروم سید راس مسعود صاحب بی اے بیٹریشا (زمیرہ سرسید مرحوم) جن کی متواتر تحریک اور اصرار خاص نے ہمیں آمادہ کیا کہ دیوان غالب جو وہ حیثیت سے ملک میں شائع کریں اس کے بعد اپنے مکرم دوست سید مسین الدین صاحب شاہجہانپوری مترجم اور نگار و زیب و زینتین غلام



کے دل سے ممنون ہیں کہ انھوں نے اشارات اعلیٰ اور صحیح و تدوین کے ہم  
 ہم کو نفاہی پر پس کی خاطر انعام دیا پہلے انھوں نے مختلف چھاپے کے  
 دیوانوں کو پیش نظر رکھ کر نمونے کا ایک نسخہ اپنے قلم سے لکھا پھر اس کو  
 کلام، ڈوش، علامت، استفہام اور دیگر علامات سے مرتب و مزین کیا یہی  
 قلمی نسخے کی نقل ہو جو آج آپ کے مبارک ہاتھوں تک پہنچنے کا فخر  
 حاصل کر رہی ہے۔

برحمت قرین بادا میں دست و خجہ

کہ از بہر ما کردا میں دست و خجہ

اس دیوان میں ناظرین کرام کو کچھ کلام ایسا بھی ملے گا جو اب تک  
 کے مطبعہ دوا دین میں نہیں ہو۔ اگرچہ اس کلام کے سوا ہم کو اور کلام بھی  
 مرزا سے منسوب ملا مگر بعد تنقید و تحقیق جو کلام اُن کا متحقق ہوا وہی اس میں  
 شامل کیا گیا۔ کہنہ کہ ہم پہلے کہ چکے ہیں کہ مرزا غالب ہی کا لکھرا کلام ہے  
 امتیازی فوقیت رکھتا ہے جو دوسروں کے کلام سے تمیز ہو سکتا ہے اور  
 اسی معیار نے ہم کو کھوئی محسوس سال سے کھرے سکوں کے الگ کرنے کا  
 موقع دیا ورنہ نہ

نہ از نکتہ باریک تر ز مواہب نجات

نہ ہر کہ سب تبر اشد ثلثندی دانند

کسی شاعر کے کلام کے مطالعے سے قبل اس کے مختصر حالات سے  
 واقف ہونا نہایت ضروری ہے اس لیے چند احباب کا اصرار



تھا کہ مرزا کی سوانح عمری بھی دہلی ان سے قبل دی جائے لیکن چونکہ اس  
مضمین پر مولانا حالی مرحوم کی ایک مبسوط تصنیف یا دیگر غالب  
شائع ہو کر ملک کے تمام علم دوست احباب کے ہاتھوں تک پہنچ سکی ہو لہذا  
اسی کتاب سے مرزا کی لائف کے صرف مندرجہ ذیل اہلہ و عول پر قناعت  
کی جاتی ہے۔

تمام مرزا اسد اللہ خاں المعروف بہ مرزا نوشہ  
خطاب نجم الدولہ و پیر الملک نظام جنگ  
تحفہ خائب رنجیتہ میں ابتداء نسبت لکھتے تھے  
خاندان ایک ترک سلسلہ نسب تور ابن فریدوں سے ملتا ہے۔  
ولادت ۱۲۱۵ھ بمقام آگرہ۔

تعلیم اقل اقل شیخ عظیم ہندی سے تعلیم پائی اُس کے بعد عبد الصمد  
نوسلم ایرانی سے جن کا آتش پستی کے زمانے میں ہر مرزا نام  
تھا فارسی زبان حاصل کی۔

تہاں مرزا کی شادی شمس اللہ میں نواب فخر اللہ کے چھوٹے بھائی  
مرزا الہی بخش خاں کے یہاں ہوئی تھی۔

مسکن زائد ملوکیت آگرہ میں گزرا ۵ برس کے قریب دہلی میں رہے  
لیکن کبھی کوئی ذاتی مکان نہیں خریدا کیا۔ ہمیشہ کرایہ کے مکان  
میں رہتے تھے۔

اولاد کوئی اولاد صلیبی نہیں چھڑی امتداد میں سات بچے ہوئے



مگر کوئی زندہ نہیں رہا۔

شاعری مرزا کو فن سخن میں اپنے کمال پر بہت کچھ ناز تھا جو بالکل بکا تھا  
سلامتی طبع تھا۔ نظر ان کا حصہ تھا اور باایں ہمدردی پسند  
بھی تھے۔ شاعری میں ان کو باقاعدہ کسی سے ملد حاصل  
نہ تھا لیکن وقت پسندی کو چھوڑ کر جب سے وہ سلامت  
کی طرف متوجہ ہوئے تو کہنا پڑتا ہے کہ صفائی زبان  
میں انھوں نے میر تقی مرحوم کی تقلید کی جن کے وہ  
بڑے معتقد تھے چنانچہ فرماتے ہیں سہ

غالب اپنا عقیدہ ہی قبول ناسخ

خود وہ بے بہرہ ہی جو معتقد میر نہیں

رہنمائی کے بغیر استاد نہیں ہر غالب

کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

تصانیف دیوان اردو کہ جاتا ہے کہ اُس کو مولانا فضل علی صاحب خیر آبادی  
کی رائے سے مرزا نے اپنے بڑے دیوان سے منتخب کیا  
تھا اس زمانے میں اکثر غزلیں جو اس دیوان میں نہیں  
پائی جاتی غالب کے غیبی مطبوعہ کلام کے نام سے شائع  
ہو رہی ہیں ہمارا۔ جہاں تک خیال ہے یہ وہی  
کلام ہے جس کو مرزا نے انتخاب میں نہیں کیا تھا  
عود ہند می۔ اردو کے معنی۔ کلیات نشر و نظم نامی



قاطع بران پہنچ آہنگ۔ مہر نیم روز (خاندان تیموریہ کی بھگلی  
تاریخ ہمایوں کے حالات تک) دستبرد سے (حالات ختم)  
گل رعنا (انتخاب دیوان اُردو و فارسی) لطائف نصیبی و  
مسکین وغیرہ متفرق رسالے۔

شعر فہمی و علمی مسائل کیسا ہی کل مضمون ہو وہ ایک سرسری نظر میں نہ کو پہنچ جاتے  
تھے حقائق اور معارف کی کتابیں اکثر مطالعہ میں  
رہتی تھیں۔

بدیہ گوئی مرزا کی تقریر میں اُن کی تحریر اور اُن کی نظم و شعر سے کچھ کم  
اور لطف نہ تھا بقول مولانا حالی مزاج میں اس قدر ظرافت  
ظرافت تھی کہ اگر اُن کو بجائے حیوان ناطق کے حیوان نظریت کہا  
جائے تو بجائے جس بیان حاضر جوابی۔ بات میں بات  
پیدا کرنا اُن کی خصوصیات میں سے تھا۔

احسان نہایت وسیع الاخلاق کثیر الاحباب تھے جو شخص اُن سے ملنے  
فرمان خوشگئی جاتا کیسا ہی منہموم ہوتا خوش چہرہ کرتا۔ فرخ حوصلہ ایسے  
اور کہ کوئی سائل اُن کے در سے خالی نہ پھرتا، غریبوں پر ہاتھیں  
موت کی حتی الامکان دھرتے۔

خود داری بنیر ہالگی یا ہوا دار کے کبھی باہر نکلے عوامہ شہر میں سے جو لوگ  
اُن کی ملاقات کو نہ آتے وہ بھی اُن کے مکان پر نہ جلتے  
مرزا کی خود داری کی ایک مشہور مثال ہو کہ جب دہلی کا راج



بردفیسری کے لیے بلائے گئے تو صرف اس بات پر بغیر ملے واپس چلے آئے کہ مشرک اس جنموں نے بلا یا تھا اُن کے اقبال کو نہیں ملے گا۔  
 مرزا کو سات سو روپے سالانہ کی نشین ملتی تھی قدر کے بعد تین سال تک نشین عارضی طور پر بند رہی تھی۔ اس زمانے میں مرزا کی نایت حسرت سے مہر ہوئی۔ قدر کے دو سال بعد دوبارام پور سے سو روپے ماہوار ملنے لگے تھے جو وقت فاقہ جاری رہے لیکن یہ تنخواہ بھی اُن کے خرچ کو کافی نہ ہوتی تھی کبھی فراغت نصیب نہ ہوتی ایک موقع پر فرمایا اپنی میں کٹر سے کھاتا ہوں۔

سماش

مرزا اسلام کی حقیقت پر نہایت پختہ یقین رکھتے تھے توحید جوئی کے قائل تھے جس کا پتا اُن کی شاعری سے ملتا ہے اُن کو اہل بیت سے نہایت محبت تھی اور غالباً وہ فضیلی تھے مولانا فتح محمد صاحب الغزنی کے خاندان میں مرید بھی تھے اسی وجہ سے اُن کی تجنیز و تکفین اہل سنت کے طریقہ پر عمل میں آئی۔

مذہب

وفات اور دفن مرزا نے ۳۰ برس پار میٹھے کی عمر میں ۵ فروری ۱۸۷۱ء کو دلی میں انتقال کیا اور وہاں حضرت نظام الدین ولیا محبوب الہی میں دفن ہوئے۔

خاکسار

نظامی دہلی

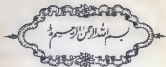
بایں (موسل کھنڈ)

۱۹۱۵ء









کافذی ہی پیرمن۔ ہر یک تصویر کا !  
صبح کا شام کا۔ لانا ہو بے مشیر کا  
سینہ شمشیرے۔ باہر ہو دم شمشیر کا

نقش فریادی ہو کس کی شوخی تحریر کا  
اک دکا و سنت جانی ہائے تنہائی۔ نہ پوچھ  
جذبہ بے اختیار و شوق دیکھا چاہیے

۱۔ نقش و تصویر کثر کا قدر ہو کرتی ہو اور ولایت و ایمان میں اہل فریاد کا فذی لباس ہیں کہ وہ خواہ  
ہوئے تھے مطلب یہ کہ اگرچہ ستور جیتی نے تصویر اپنے ذہن میں شوق تحریر کا کمال دکھا یا اگر انہوں نے اپنے دستیں  
و ہمتا پاداری صورت حال کے فرق پاؤں۔ اور یہ بول اٹھناں جنا کے کہیں میری طلی خوب کئی۔ جس کا رونا  
و گدگدائیت لہا ہوا جو اس سچے میکا کی کا نہت نکا ہو۔ خود مرزا نے خود جندی میں جو مطلب لکھا جو اس کا خلاصہ  
یہ کہ بے حق مال و کار کا سبب ہو اس کے تصویر میں زبان حال فریاد کرتی ہو کہ کچھ کو سہت کر کے کہیں نیا کسی میں شکایت  
تہ کا و کا و۔ اس پہنی کاوش و تلاش و شام کا مطلب یہ کہ عاشق کے بے جگر قانون گوارا۔ اس کا ہی خواہم  
ہیں اگر فریاد کے لیے جوے شیر کا لانا۔ الفاظ کا بکا و سے کوہ گنی کو اور مچ کے پھیدہ کو جوے شیر سے و شامت ہو  
وہ ظاہر ہو۔

۲۔ جذبہ و کشش۔ دم شمشیر و تلوار کی باڑھ مطلب یہ کہ میرے شوق شادمانی میں ہر کشش ہو کہ اس کی ہو  
سے سینہ شمشیر سے دم شمشیر باہر نکلا ہو۔ گریا گئے کے لیے تیار ہو۔ عروا دم چھو میں رہتا ہو۔ مگر جذبہ  
بے اختیار سے تلوار کا دم لہریں نہ نکلا ہو۔ اور ظاہر ہو کہ تلوار سے تلوار کی باڑھ باہر کی طرف ہوتی ہو ۱۲ - ۱۱



آگئی۔ دام شنیدن جن پہ چاہے بچاے

دعا غنقاہی۔ اپنے عالم تہمت دے کا

بیک کہ ہوں۔ غالب۔ اسیری میں بیکش زبیر  
موسے آتش دیدہ ہی۔ حلقہ مری زخمیہ کا

چتر تیس۔ اور کوئی نہ آیا بروئے کار۔  
آتش فشاں نے نقش سودا کیا درست  
تھا خواب میں۔ خیال کو تجھ سے معاملہ  
لیتا ہوں کتب غم دل میں سبق ہنوز  
دھنا نیا کفن نے۔ داغ عیوب پریشانی

صحرا۔ گر۔ تہنگی چشم مسود تھا  
ظاہر ہوا۔ کہ داغ کا سرمایہ دور۔ تھا  
جب تک کھل گئی۔ نازیباں تھا زبیر تھا  
لیکن ہی کہ رفت گیا۔ اور۔ بود تھا  
میں۔ ورنہ ہر لباس میں نیک وجود تھا

ملے یعنی سادہ کا شوق تھی کہ شوش کوست ز میری تقریر کے مطلب سے آگاہ نہیں ہو سکتا ۱۱  
عہ آتش زبیر پارے قرار۔ موسے آتش دیدہ اسے بال ۱۲ بدہ گرمی آتش حلقہ دار اور کہ زور ہو گیا ہو۔  
اس کی تشبیہ حلقہ زنجیر سے ظاہر ہے۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ زبیر میری بے قراری کے جو عالم اسیری میں ہے  
حلقہ زنجیر مثل موسے آتش دیدہ کے کہ زور ہو گیا ہو ۱۳

سہ برہ نے کا نام: مردوسہ اہی تھا۔ گوشتا۔ تہنگی چشم مسود: دہل چشمہ حاسد کے ننگ ۱۴  
سود: دہل کبک سیاہ لفظ سودا کی تفسیر: داغ کی پوکی دھواں جو جہل طن دھواں سے داغ پیدا ہوتا ہے  
اسی طرح پریشانی خاطر سے نقش سودا درست ہوتا ہے یعنی دل پر کبک سیاہ لفظ پیدا ہوتا ہے شاعر نے سودا کو  
داغ سے اور آشکارا کہ وہ دوسے نسبت دی ہے ۱۵

۱۶ داغ عیوب پریشانی سے شاعر کا مطلب انسانی صفات سے سزا ہوتا ہے۔ ننگ: وجود۔ ننگ: برقی ۱۷



تیشہ بغیر منہ سکا۔ کوہ کن اسد  
سرگشتہ خواب و رسوم و ستیہ و تھا

دل کہاں کہ گم کیجے۔ ہم نے دعا پایا  
درو کی دوا پانی۔ درو بے دوا پایا  
آہ بے اثر دیکھی۔ نالہ نارسا پایا  
حسن کو تغافل میں۔ جزا آزما پایا  
خول کیا ہوا دیکھا۔ گم کیا ہوا پایا  
ہم نے بار بار ڈھونڈھا۔ تم نے بار بار پایا

کہتے ہو نہ دیں گے ہم۔ دل اگر پڑ پایا  
عشق سے طبیعت نے بیعت کا مذا پایا  
دوست دار و دشمن ہی اعتماد و دل معلوم  
سادگی و پرکاری ایسے خودی و ہشیاری  
عینچہ پھر لگا کھلنے۔ آج ہم نے اپنا دل  
حال دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی

شور و پندنا صحنے۔ زخم پر نمک چھڑکا  
آپ سے۔ کوئی پوچھے۔ تم نے کیا فرمایا

۱۔ کہہ چکا کہ گردل پڑا یا تو دس گئے ثابت کرا ہو کہ دل پایا ہو صرف پھڑکنے کے لئے ملایا جاتا ہو پس  
ہم نے دعا پایا۔ (یعنی سمجھ گئے) کہ دل آپ کے پاس ہو۔ ۱۱  
۲۔ عشق ایک ایسا درد ہو جس کی دوا نہیں۔ اور پھر وہی زندگی کا مزہ ہو۔ گویا بغیر عشق زندگی بے  
درد و ناک تھی۔ ۱۲

۳۔ سادگی و بھولہ پن۔ پرکاری۔ چالاکی۔ شاعر کہتا ہے کہ حسینوں کا تغافل بھی عشاق کی جزا و جزا ہے  
یعنی یعنی ان کا دل دیکھنے کے لیے ہوتا ہے۔ گویا ان کا ظاہر ہی بھولہ پن فی الواقع چالاکی ہے۔ اور  
ان کی بے خودی ایسے خیر و اعلیٰ ہو سبب شکاری ہو۔ ۱۳

۴۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا ہوش و حواس تازہ ہو گیا ہو۔ اور بھول چاہی ہو۔ ۱۴



دل مرا سو زہناں سے۔ بے محابا جل گیا  
دل میں ذوقِ دل دیا تکثرتی نہیں  
میں سے بھی ہے ہوں۔ ورنہ غافل ہوں  
عرض کیجئے۔ جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں  
دل نہیں۔ تجھ کو دکھاتا۔ دہتہ۔ دماغوں کی

آتش خاموش کے مانند گویا۔ جل گیا  
اگس گھر میں گلی ایسی۔ کیو تھا جل گیا  
سیری آقا نصیص سے بال عفتا جل گیا  
کچھ خیال آیا تھا۔ وحشت کا۔ کہ صحر اہل گیا  
آتش چراغاں کا۔ کروں کیا۔ کا ذوق اہل گیا

میں ہوں اور افسردگی کی۔ آرزو۔ غالب کہل  
دیکھ کر طرے تہاک اہل دنیسا جل گیا

شوق۔ ہرزنگ۔ قیب سر و سماں نکلا  
قیص تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

طرزِ تصنیف استعمال ہو ۱۱

ملہ بال عفتا۔ بازو نے عفتا۔ شاعر نے اپنی ذاکر بیان کے ساتھ بیان کیا ہو ۱۱ اپنی ہستی کو عدم سے بھی  
چے سے نکال کر نکالا ہو۔ بال عفتا جلنے کے یہ منی ہو سکتے ہیں کہ میں جگہ۔ وہ ہو وہاں عفتا کہ بال کشانی کا  
یاد نہیں ہو ۱۲۔

عفتا عرض کرنا۔ پیش کرنا۔ ۱۱۔ ہر اندیشہ۔ وسیع ہوا یا فکر کرنا۔ شاعریات کو کہ فکر کا ہو ہر وجہ میں ہو ۱۱۔ اسے  
کس کے ساتھ پیش کروں۔ اس میں اس قدر حرارت ہو کہ وحشت کا کچھ پل ہی سا خیال آنے سے صحر  
جل کر خاک ہو گیا۔ انظار وحشت کی صورت میں خدا معلوم کیا ہوتا عرض کو جو ہر کے تناسب الفاظ  
بال صورت ہو ۱۲

نکھ کا۔ فرما۔ کام کرنے والا یا لینے والا۔ ۱۲

نکھ طرے تہاک سے مراد ظاہری تہاک اور منافقانہ بڑاؤ ہو ۱۳۔

عفتا شوق و عشق۔ ہرزنگ۔ ہر طرح۔ ہر حال۔ قیب و دشمن۔ رنگ کا لفظ تصویر کی مناسبت سے



زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی سیلاب  
بہرے محل بالہ دل - دود چل غم محل  
دل حسرت زدہ تھا ماندہ لذت مرد  
تھی تو آموز فنا - ہمت و شوار پسند

تیر بھی سینہ بسیل سے پریشاں بکلا  
جو تری نرم سے نکلا - سو پریشاں بکلا  
کام یار دل کا - بقدر لب و دلاں بکلا  
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسان نکلا

دل میں پھر کیے نے اک شوارٹھا باغالب  
آدھو قطرہ نہ نکلا تھا - سوطو خاں نکلا -۱-

دھمکی میں مر گیا - جو نہ باب نہر و تھا  
تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا

عشق نہر و پیشہ طبع کا - مرد تھا  
اڑنے سے پیشتر بھی - مرانگ زرد تھا

استغاثہ برادر اس شکر کہ صلب صاف ہو صوفیہ وہ کہ لفظ غریب ہو -۱۰- اصل نفس سنی پر اس لفظ کا کوئی  
تشریح نہ ہوا تصور سے وہ تصویر جو اور اضافہ کیا ہی ہو بہاد کی رعایت عراقی کے ساتھ ظاہر ہو - شاعر کے ذہن  
تھیں کی تصویر خراں بھی کھینچ جاتی ہو -۱۱-

لہ داد نہ دی - تمہارے کی ہر افشاں رہ چکا تھا اپنی مسرت سمجھ رہا پریشاں -

تھا ماندہ کھانا دینے والا تھانا اپنی دسترخوان - شاہ کشادہ کی کمر سے ہم سوں میں سے بخشہ - قدر بہتداد خود  
کا سراپ ہو -۱۲-

تھا بعض شمع و دیوہوں میں سے تو آموز فنا - بعض میں تو آموز فنا - اگر اک بڑے نسخہ میں جو ہر ان کی زندگی میں  
شیع ہو اسی شمع و آموز فنا ہو - اسے اور کے مقابل میں قریب انصاف یعنی ہری ہمت لڑی - شوار پسند تھی کہ وہ فنا  
اُس کے لیے ایک مولیٰ تو آموزی کا سا کام تھا اس لیے سخت مشکل ہو کہ یہ شوار کام بھی آسان ہو -۱۳-

تھا اب نہر و طاقی نہر و بانگ کے کمال - عشق نہر و پیشہ طبع مرد تھا یعنی عشق جوں مرد جنگ جو کو تھا بلکہ کہ ہے  
چاہتا تھا -



تالیفِ نثر ہے وفا کر رہا تھا میں  
دلِ تاجگر کے ساحلِ دیکھاں پر اب  
جاتی ہو کوئی کشمکشِ لذوِ عشق کی  
احباب چارہ سازی و حشر نہ کر سکے

مجموع خیال ابھی فہم نہ دیتا تھا  
اس رہ گزیریں جلوہ گشائے گرد تھا  
دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا۔ وہ تھا  
نزدک میں بھی خیالِ بہایاں نہ دیتا تھا

یہ لاش بے کفنِ سداختہ جاں کی ہو  
حقِ مغفرت کرے عجب آوازِ مردِ تنہا

تیمارِ سحر - مرغوبِ بُتِ مشکلِ پند آیا  
فیضِ بے دلی - نویدِ سی جاویدِ آسمان  
ہولے سیرِ گل - آئینہ بے مہرِ قائل

مشائے بیک کفِ بدولِ پند آیا  
کشائش کو ہمارا عقدہ مشکل - پند آیا  
کہ اندازِ بھولِ غلیظِ بدینِ سبل - پند آیا

۱۲۔ میں اس وقت سے وفا کا ادبی تقابب کی میری فطرت اور نا تجربہ کاری کا حال تھا۔ ۱۲  
۱۳۔ شاعر ہمدردِ تنہا کے دلوں کا شمار کرنا مرغوبِ آید مرغوبِ ہوا۔ صد دل ہو کہ کفنِ بدینِ دیکھتے  
میں سو سو دل لے لینا۔ پسند آید پسند ہوا مطلب یہ ہو کہ مستحق کو تسبیح کا شمار کرنا جس میں مٹا سونے  
ہوتے ہیں اس وجہ سے پسند آیا ہو کہ اس میں اس کی خواہش کے مطابق ایک ہی دار میں سو سو  
دل ہتیا لینے کی مشابہت موجود ہو۔ ۱۳

۱۴۔ دنیا کی طرف سے بے دلی کے سبب ہمیشہ کی دلیوسی کا برداشت کرنا ہمارے لیے آسان ہو جو  
مصرعے میں شامل کرتا ہو کہ ہمارا عقدہ مشکل کشائش کو پسند آگیا ہو یعنی اب ہماری مشکل کہیں آسان  
نہو گی۔ کیونکہ مشکل کشائش کو جو عقدہ پسند آگیا ہو اس کا حل ہو معلوم ۱۴

۱۵۔ اسے سیرِ گل و سیرِ گل کی خواہش آئینہ بے مہرِ قائل کا قائل کی جگہ کی کثوت۔ پہلے مصرعے میں  
فصل "ہو" حذف کرنا اندازِ بھولِ غلیظِ بدینِ سبل کا خون میں لوشے کا اندازِ مطلب یہ ہو کہ قائل کا



جراحت تھخہ۔ الماس المٹاں۔ داغ جگر یہ  
مبارک بادا سدا غم خواجہ جان درد مند آیا

ہو یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا  
یہ زرد بھی۔ حریف دم فہمی نہ ہوا  
وہ ستر کرے مرنے پہ بھی رضی نہ ہوا  
کر نفس جاوہ سر سبز دل تقویٰ نہ ہوا  
کوش بہت کش گلہ بک تسلی نہ ہوا  
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو بھی نہ ہوا

دہر میں نقش وفا۔ وجہ تسلی نہ ہوا  
سبز خط سے لاکا کل کشش نہ ہوا  
میں نے چاہا تھا کہ نہ وہ جھاسی چھوٹیں  
دل گزرگا وہ خیال مود ساغر ہی ہے  
ہوں ترے دودھ نہ کرنے میں بھی خشکی کبھی  
کس سے محرومی قسمت کی شکایت کبھی

سیک رکھنے کے لئے جانا اس کی جہان کی دلیل ہو نہ کہ بیت ٹک کی۔ مٹا شے گل سے مرث اس  
وہ سے پسند ہو کر ٹک کو خون میں ڈھونڈنے والے سہل سے مشابہت ہو۔  
لہ جراحت۔ بالکسر زخم الماس بالفتح جیرہ و جہرہ و تلمہا کی ایک قسم غم خواہ جان درد مند عشق سے  
۱۱۲ کو ۱۲

عہ زرد۔ سبز رنگ کا ایک قسمی پتھر افسی ز سانپ۔ سبز خط کو زرد سے تشبیہ دی ہو و کا کل کو افسی سے  
اپنے عشق سے شاعر کہہ کر زرد کے ٹک سے سانپ تباہ ہوا ہوتا ہو۔ لیکن تیرا سبز خط کیسا نفوذ  
کہ زلف کے سانپ پر اس کو کچھ اثر نہیں ہو۔ سبز خط کا کل کہنے کے باوجود زلف کا نہ ہر گز اثر یعنی دل فوجی  
جستجو رہا تو ۱۱

۱۱۲ مصدقہ ثانی کے معنی کہنے سے شعر کا مطلب صاف ہو جاتا ہو۔ شاعر کہتا ہو کہ اگر سانس پر میری گاری کی نذر  
پہنچنے کی راہ نہیں ہے تو دل شراب اور جام کے خیال کی گزرگا وہن سکنا ہو یعنی اگر مستی جتنا ممکن ہو  
تو نہ ہی ہو ۱۲

تکہ گل بگ۔ آواز ۱۲



مرگیا صد نہ یک جنش لب سے غالب  
باتوانی سے حریص دم عیسیٰ نہ ہوا

تانش گہر زادہ اس قدر جس باغِ خوں کا  
پیاں کیا کھینچے بیدا کاوش ہے مرگاں کا  
تہائی سطوتِ قائل بھی مانع میرے غلوں کو  
دکھاؤں کا تاشہ دی اگر فرصت ثانی نے  
کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے  
سری تعمیر میں مضمحل صورتِ خرابی کی  
اگا جو کھر میں ہر سو ہنرہ ورائی تماشا کر

وہ گل گن ستہ ہی ہم خجروں کے طاقِ شاہ کا  
کہ ہلک قطرہ خوں دانہ کی تسبیحِ حجاب کا  
لیا دانستوں میں چہ نکا ہوا شیشہ نیستان کا  
مراہر داغِ دل لگ تخم ہو سر و چراغاں کا  
کرے جو پر تو خورشیدِ عالم شبِ نیستان کا  
ہیوئی برقِ خرمن کا تو بخونِ گرمش کا  
مرا داب کھو دے پکھاس کے ہی پیرِ دہاں کا

۱۔ عجب۔ ۲۔ مقابل۔ ۳۔ عجب۔ ۴۔ عجب۔ ۵۔ عجب۔ ۶۔ عجب۔ ۷۔ عجب۔ ۸۔ عجب۔ ۹۔ عجب۔ ۱۰۔ عجب۔ ۱۱۔ عجب۔ ۱۲۔ عجب۔

۱۳۔ عجب۔ ۱۴۔ عجب۔ ۱۵۔ عجب۔ ۱۶۔ عجب۔ ۱۷۔ عجب۔ ۱۸۔ عجب۔ ۱۹۔ عجب۔ ۲۰۔ عجب۔

۲۱۔ عجب۔ ۲۲۔ عجب۔ ۲۳۔ عجب۔ ۲۴۔ عجب۔ ۲۵۔ عجب۔ ۲۶۔ عجب۔ ۲۷۔ عجب۔ ۲۸۔ عجب۔ ۲۹۔ عجب۔ ۳۰۔ عجب۔

۳۱۔ عجب۔ ۳۲۔ عجب۔ ۳۳۔ عجب۔ ۳۴۔ عجب۔ ۳۵۔ عجب۔ ۳۶۔ عجب۔ ۳۷۔ عجب۔ ۳۸۔ عجب۔ ۳۹۔ عجب۔ ۴۰۔ عجب۔



خوشی میں سناخ گشتہ لاکھوں دین ہیں  
 ہنوز دک پر نقش خیال باز۔ باقی ہو  
 نفل میں غم کی آج کپ سوئیں کہیں۔ وہ  
 نہیں معلوم کس کس کا تلو پانی ہوا ہو گا

چرخ مرده ہوں۔ میں بچناں کو غریباں کا  
 دل افسردہ۔ گویا حجر ہو۔ پست کے نڈاں کا  
 سبب کیا؟ خواب میں اگر قسم لے نہاں کا  
 قیامت ہو۔ سرشک آلودہ ہوا لیر چلی گاں کا

نظر میں ہر داری۔ جادو راو فنا غالب  
 کہ یہ شیرازہ ہو۔ عالم کے اجڑے پریشاں کا

نہوگا یک بیاباں ماندگی سے۔ ذوق کمپیرا  
 جنت تھی چین سے۔ یک ایک بے دماغی کر

حبیب سوئے رقابہ۔ نقش قدم میرا  
 کسوج بچے گل سے ناک میں آہو دم میرا

ملہ اس شعر میں خیال مار کو پست اور دل افسردہ کو بھرہ نڈاں سے تشبیہ دی ہو ۱۰۔  
 ملہ دو پانی ہوتا۔ پرستی۔ دنا۔ مرگان سرشک آلودہ۔ آندہ دل میں ڈوبی ہوئی ہلکیں ۱۱۔  
 ملہ جادو راو فنا کو دنیا کے اجڑے پریشاں کا شیرازہ اس کے گزٹا گیا کہ تمام اوراقی عالم فنا کے ایک ہی  
 ہشت میں بچے ہوتے ہیں ۱۲۔

ملہ یک بیاباں ماندگی۔ کثرت ماندگی۔ فوق مرادوق۔ وہ نورہی۔ مطلب یہ کہ کہیں حق میں کا نقصان دہانی  
 کہیں کم نہیں ہوتا۔ اسی طرح مرادوق۔ وہ نورہی بھی کو شیرازہ کا۔ چاہے میں کشا ہی کیوں نہ تھک جاؤں ۱۳۔  
 ملہ فنا کو کتا جو کچلے چلے میں سے عشق تھا صاحب۔ حال یہ کہ وہ گل سے ناک میں دم آتا جو جتنی ہی بڑھتا ہے۔  
 اور سے مصرعے غفلت منہ میں کو بے گل دم کھینچنے کے ساتھ ناک میں آتی جس سے ش حوئے مطلب کہ  
 جو کہ بے گل سے ناک میں دم آتا جو ناک میں دم آتا کا وہ جو حوئے زار۔ ہونے کے نتیجے پر وہ آہو ۱۴۔



سرایا من عشق و ناگزیر مُغنی ہستی  
بقدرِ ظرفِ ہستی ساقیِ خمارِ تشنہ کا می بھی

عبادتِ برق کی کتابیں۔ انہوں میں جل کا  
ہو تو۔ دیکھا ہی تو میں غبارِ ہوں مل کا

محرم نہیں ہے تو ہی۔ فوہا ہے راز کا  
رنگِ شکستہ صبح بہا رنگِ سارہ جو  
تو۔ اور سوئے غیر۔ نظر باے تیز تیز  
صرف ہی ضبطِ آہ میں میرا۔ دگر نہ میں  
پیش بسکِ ہش باد سے شیشے اچھل رہے

یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہی۔ ساز کا  
یہ وقت ہے شکستہ گل باے ساز کا  
میں۔ اور دگر تری خرو باے ساز کا  
طعمہ ہوں۔ ایک ہی نفس جاں گدا ساز کا  
ہر گوشہ بساط ہے۔ سر شیشہ ساز کا

سرایا من عشق یعنی محبت جلائے عشق۔ ناگزیر مُغنی ہستی یعنی محبت حیات کے لیے مجبور ہوں۔  
عبادتِ برق یعنی صلیبی عشقِ افوسِ جلال کا یعنی زندگی کے ضائع ہونے کا بیخ۔ خلاصہ یہ کہ کہ میں محبت  
ہندو عشق ہوں اور محبتِ زندگی نے بھی مجبور کر رکھا ہے مگر جو یہ تکلیف عشقِ برق کو میں نے اپنا سمجھ د  
یا گیا ہے۔ چونکہ وہ جلاتی ہے اس لیے اپنی ہستی پر افوس ہے کہ گویا موت کا طالب ہوں ۱۰۔  
تو غبارِ آلودہ لڑائی کا راز ہے کام کا نتیجہ ۱۱۔

محرم۔ محرم یعنی پردہ نشینوں میں آیا جاتا ہے۔ محار۔ وہ شخص جو بھیدوں سے واقف ہو مثلاً محرمِ راز۔ مجاہد  
یعنی جو محرم کو پردہ سار کے ساتھ نقلی مناسبت حاصل ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ تو بھید کی باتوں سے خود  
واقف ہو یا یہ کہ تیرے پاس گوشِ مشنہ نہیں دے دینا میں جو بظاہر تجھے پردہ نظر آتا ہے وہ بھی پردہ ساز کی  
طرح ہے۔ اسی ظاہر کا ہی یعنی جو چیزیں بظاہر نکش ماز معلوم ہوتی ہیں وہ وہ حقیقت کا شرف لادیں  
تو اس شعر میں شاعر نے اپنے رنگِ شکستہ یعنی ناڈے ہوئے رنگ کو بظاہر کی صبح سے تشبیہ دی ہے اور  
چونکہ صبح کے وقت پھول کھلتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنے مشوق سے کہتا ہے کہ صبح کے وقت میرے منہ پر  
یوٹیاں مڑھنے ہوئے۔ لکھ کر تو بھی کہتے ناڈے کے پھول کو کھلنے دے یعنی سرگرم ناڈے ۱۲۔

عہ شربانے دما دمل میں مگر کرنے والی ترانہ ۱۳۔ عرقِ دلاؤ۔ عہدِ ربا الضم غرض و تقریباً گوشہ بشارتِ بزم



کاوش کا دل کہے ہو تھا صاف کہہ دو  
انہن پہ قرض اُس گرو نیم باز کا

تاراج کاوش غم بھراں ہوا۔ اس  
سینہ کہ تھا دھینہ گہرائے راز کا

رکھ یارب! یہ دہ گنجینہ گو ہر کھلا  
اس تکلف سے کہ گویا بت کہہ کا دکھلا  
آستیں میں شمشیر نہاں۔ ہاتھ میں نشتر کھلا  
پر یہ کیا کم دیہ کہ مجھ سے وہ ہری پکا کھلا  
خلد کا ایک دہری میری گور کے اندر کھلا  
زلف بڑھ کر نقاب۔ اُس شوخ کے منہ پر کھلا  
جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا  
شب ہوئی پھر۔ انجم خشنہ کا منظر کھلا  
کچھ چوں دیوانہ۔ پر کیوں دیکھ کھلاؤں تیر  
کو نہ سمجھوں اُس کی باتیں۔ گونپاؤں میں کا بھید  
ہو خیال حسن میں۔ حسنِ عمل کا سا خیال  
منہ نہ کھلنے پر ہو۔ وہ عالم کہ دکھا ہی نہیں  
وہ بچے رہنے کو کہا۔ اور کہہ کے کیسا پھر کیا

عیش کے دس کے کونوں پر شرب مہنی ہوئی ہوش کا گوشہ۔ شیشہ باز مٹائی گروں کا ایک فرقہ ہو  
جو سر پر شیشہ رکھ کر اچھے ہیں ۱۲

لے کر نیمہ از مراد دل سے جو مہنی جہل بہ وہ تھک کر ہو کے رہ گیا ہو ۱۳

تھوڑے اسد میرے بیٹھے کو جس میں بہت سے راز پوشیدہ تھے غم بھراں نے تاراج کر دیا یعنی غم مشرق کی  
جہاں کے غم نے مجھے دھوا کیا۔ ۱۴

تھوڑے مشنہ الفت چینی شہزاد کا شاج نے نہائے دشنہ کے دست لگا کر اس کی شج گھسی ہو لیکر ایک دہندہ ہو ۱۵  
تھوڑے ہری پکا کھلا دہمشوق سے تکلف ہو ۱۶

تھوڑے مشنہ پر کھلا ۱۷۔ نقاب مشنہ پر کھلا معلوم ہو ۱۸



آج اوجھری کو بچے کا دیدہ آخستہ گھلا  
نامہ لانا ہو وطن سے نامہ پرکشہ گھلا

کیل نادھیری ہو شبِ غم؟ ہوا دل کا نخل  
کیا ہر غم بیتِ غم؟ جب ہے حوادث کا خیال

اس کی محبت میں رہیں۔ جیسے یہ کعبہ کا مہندہ  
دستِ جوش کے غالب۔ گنبد بے درگھلا

ق

شب۔ کہ برقِ سوزِ دل سے۔ زہرہ ابر۔ آب تھا۔  
شعلہِ جوالہ۔ ہر اکب حلقہ گرواب تھا  
دائیں۔ کرم کو۔ عذریہ بارش۔ تھاغیاں گیر خدایم  
گریے سے۔ یاں پنبد بارش کفِ سیلاب تھا  
دائیں۔ خود آرائی کو۔ تھا موتی پرونے کا خیال  
یاں۔ ہجومِ اشک میں۔ تارِ نگہ تارِ آب تھا

۱۔ چلے مصرعہ کا جزو اول سوال اور اس شعر کے دوسرے مصرعے میں اس کا جواب دیا گیا ہو یعنی متعلق کا  
مخبر آسمان کی طرف پھرا ہے گا۔  
۲۔ غمِ غریبہ اور غمِ غریب۔ گھلا خط وہ داند ہوا جو مصرعہ میں خبر مرکب لکھی جاتی ہو۔  
۳۔ گنبد بے در آسمانی۔ گنبد بے در کے کھٹنے سے واقعہ جب معراج کی طرف اشارہ ہو۔  
۴۔ زہرہ یعنی آفتاب، چمکتی تھا۔ دلیری و شجاعت جوالہ کو دے دیا۔ گردش کرنے والا مطلب یہ ہو کہ بات کو دل کی خوش  
چوٹ برق قہر سے بھکا جاتا ہے اور گھلا خط اس کے اثر سے چھوڑ دیتی ہے۔  
۵۔ پنبد بارش۔ یعنی اس کا گرم بارش کی وجہ سے نہ چوسکا  
۶۔ تارِ نگہ تارِ آب تھا۔



جلوہ مگل نے کیا تھا۔ واں چراغاں۔ آب جو۔

یاں۔ رواں مرکان چشہ ترے۔ خونِ ناب تھا  
یاں۔ سر پر شور بے خوابی کے۔ تھا دیوار جو

واں۔ وہ فرقِ ناز۔ موحشِ کم خواب تھا  
یاں۔ نفسِ کزاتھا روشن۔ شمعِ بزم بے خودی

جلوہ مگل واں۔ بساطِ صحبتِ اجاب تھا  
فرشِ سے تاعرش۔ واں۔ طوقاں تھا۔ بیج رنگ کا

یاں۔ زمیں سے آسمان تک سوختن کا باب تھا  
ناگماں۔ اس رنگ سے غلِ نابہ ٹھکانے لگا

دل۔ کہ ادق کاوشِ ناخن سے لذتِ یاب تھا

اور یاں بوجہ گنجے کی روئی کہ سیلابِ تھرائی تھی ۱۴

۱۴۔ دیوار جو۔ دیوار کو کاش کرنے والا شاعر نے کہہ دیا کہ غزل کے ہر مصرعے میں ایک شعر ہے جو دیوار کو کاش کرنے کے لیے دیوار کا کشاں تھا۔ فرقِ ناز و عشق کا یہ وعدہ تھا۔

۱۵۔ بیج رنگ کا طوقاں تھا۔ فصلِ گل کا پوش تھا۔ سوختن کا باب تھا۔ سوختن کا مصدر گر دانا ہا ہا تھا  
یعنی جلتا ہی جلتا تھا۔ ۱۵

۱۶۔ اس رنگ سے غلِ نابہ ٹھکانے لگا۔ یہاں کہنے لگا کہ اہلِ سخن مستارہ ہو کاوشِ غم سے ۱۶

۱۷۔ جہڑا والا شاعر قطعہ نہیں۔ اس قطعہ میں شاعر نے اپنی ناگماں اور عشق کی لاپرواہی کا مقابلہ کیا جو اس بچے شرم سے وہ دوسری نزل کی طرف جو اسی قافیے پر لے گیا تھا ۱۷



لائے دل میں شب - انداز اثر نایاب تھا  
 تھا سینہ بزم وصل غیر گوشتاب تھا  
 مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہوا  
 خاٹہ عاشق - مگر - ساز صدا سے آب تھا  
 باز شش آیام خاکستر نشینی - کیا کہوں  
 پہلوئے اندیشہ - وقف بستر سنجاب تھا  
 کچھ نہ کی - اپنے جنوں نارسا نے - ورنہ - یاں  
 ذرہ ذرہ - روکش خورشید عالم تاب تھا  
 آج کیوں پر و امیں اپنے اسیروں کی تجھے ؟  
 کل تلک - تیرا بھی دل - مہر وفا کا باب تھا

لہ نایاب تھا نہ تھا - ہند کا لادانہم دفع تھوڑے کے لیے جلاتے ہیں - مطلب یہ ہو کہ مدت کو میرے دل  
 نے نہ مارا کیا وہ ہے اثر تھا - یعنی میرے لیے مفید نہ تھا - بلکہ جلاتے اس کے کہ اس سے مجھے لائے ہو بخیر وہ  
 لادانہم وہ بے باقی نقیب کی بزم وصل کے لیے ہند بن گیا - یعنی شش نے وجیب کی بزم وصل کو تھوڑے سے جلاتے  
 کی خدمت انجام دے گا -

مقدم سیلاب - سیلاب کا لادانہم دفع کسی جگہ سے واپس آئے کہ کہتے ہیں - نشاط آہنگ و مہر و  
 ساز و سولے آپ شاعر نے خاص ترکیب سے یہ جملہ ناکرمل رنگ کا مقدم لکھا ہے جو جملہ رنگ ایک ہندوستانی  
 لادانہم وہ جس میں سات چاروں کی طرح پیش پانی لکھا جاتا ہے - اسے ساز کی کہیں - دل سے لادانہم وہ رنگ  
 و ساز میں جو شاعریت کو دکھاتا ہے کہ

تھا پہلوئے اندیشہ و پہلوئے خیال - سنجاب باگسک کہ جادو کا ہے جس کے ہاتھ سے بدستیں بنتے ہیں لادانہم وہ رنگ  
 بھی سنجاب کہتے ہیں جس کا رنگ خاکل ہوتا ہے - اس کے خاکستر نشینی اور بستر سنجاب کا مقابلہ بعض شاعر نے اس شعر میں کیا  
 ہندو خور کا کہ کہ گجے خاک نشینی میں مجھ بستر سنجاب کے خورے تھے - " مجھ کو نہ کی - کہ گجے نہ سکا جنوبی ارسا - عشق - تمام -



یاد کروہ دن۔ کہ ہر اک حلقہ تیسرے دام کا  
استقرار حید میں۔ اک دیدہ بے خواب تھا

میں نے روکات غالب۔ کو۔ ورنہ دیکھتے  
اُس کے پہل گریہ میں۔ گردوں کٹ سیلاب تھا

خونِ جگر و دیمتِ شرکانِ یار تھا  
توڑا جو تو نے آئینہ تِشالِ دار تھا  
جاں دادہ ہوائے سرِ گزرا تھا  
ہرزہ مثلِ جوہرِ تیغ۔ آبِ دار تھا

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب  
اب میں ہوں۔ اور ماتمِ یک شہرِ آرزو  
تکلیفوں میں میری نفس کو کھینچے پھر دکر  
میجِ سرابِ دشتِ وفا کا۔ نہ پوچھ حال

روکش و مقابل ۱۲۔

۱۔ مجھے اُس کے سیلاب گریہ کی بلند ہی آسمان تک پہنچ جاتی ۱۱۔  
توہ ماتمِ یک شہرِ آرزو، غزلوں، نغموں کا خون کہ شہرِ آرزو میں وہی ترکیب ہی چاکِ بیاہاں لڑکی ہیں جو  
دراختہ جو صفحہ نوٹ نمبر ۱۱، تِشالِ بقصورِ مطلب یہ ہے کہ جب تو نے وہ آئینہ جس میں تیری تصویر  
تھی توڑا تو میری غزلوں، آرزوؤں کا خون ہو گیا یعنی مجھے استیلا و جہ کا بیخ ہوا۔

۲۔ ہوا، آرزو۔ وہ گزراؤں سے مراد وہ گزشتہ عشق ہی ۱۲۔

۳۔ سرابِ الفتح ۱۱۔ ریت جو دو دے چمکتی ہو وہ پیاسے کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسا جہرِ رمل ہو اسکی  
شاہدیت سے میجِ سراب کہا گیا ہے اور جس طرح سراب سے پیاسہ ہوکا کھانا ہی اسی طرح وفا محض کا  
ہو۔ نایاب اس کا وجود نہیں ہے شاعر کا مطلب یہ ہے دشتِ وفا کے سراب کا ہرزہ مثلِ جوہرِ تیغ کے  
عشاقِ اودھ کا قاتل ہے ۱۱۔



کم جانتے تھے۔ ہم بھی غم عشق کو۔ پو اب  
دیکھا تو۔ کم ہوئے پے غم روزگار تھا

آدمی کو بھی میسر نہیں۔ انسان ہونا  
درو دیوار سے ٹپکے ہی بیا باں ہونا  
آپ جانا اُدھر اور آپ ہی جہاں ہونا  
جو ہر آئینہ بھی۔ چاہے ہر مرگاں ہونا  
عقیدہ نظارہ ہی شمشیر کا عریاں ہونا  
تو جو۔ اور آپ ہر صد رنگ گلستاں ہونا  
لذت ریش چکر غرق نمک اں ہونا  
ٹٹے اُس زودیشیاں کا پیشیاں ہونا

بیش کہ دشوار ہی۔ ہر کام کا آسان ہونا  
گر یہ چاہے ہی۔ خرابی سے کاشانے کی  
دانے دیوانگی شوق۔ کہ ہر دم مجھ کو  
جلوہ از بس کہ تقاضاے نگہ کرتا ہی  
عشرتِ قل کہ اہل تنہا بہت پوچھ  
لے گئے خاک میں ہم فرغ تنہا نشاط  
عشرتِ پارہ دل۔ زخمِ تنہا کھانا  
کی مے قتل کے بعد اُس نے جھٹے تو بہ

۱۔ کم ہونے پر بھی زیادہ نکلا ۱۲

۲۔ انسان ہونا یعنی انسان کامل ہونا جو حقیقی صفات اور سیرت انسانی کا نمونہ ہو ۱۳

۳۔ آئینہ سے آئینہ ڈالا ہی مراد ہو گی کہ جو ہر شے میں جتا ہو۔ آئینہ کو آکے سے کشیدہ دی ہو۔ ۱۴

۴۔ شمشیر کو ہلال سے جو نسبت ہو وہ ظاہر ہو۔ شمشیر عریاں کو ہلال عید تک عشاق خوش ہوتے ہیں۔  
عید نظارہ سے مراد وہ عید ہی جس میں مشرق کی دیہ نصیب ہو۔ ۱۵

۵۔ ہر صد رنگ گلستاں ہونا درخششی سے بلیغ ہونا ۱۶

۶۔ زخمِ تنہا کھانا۔ آرزو پوری نہ ہونا ۱۷



حیف اُس چار گہ کپڑے کی قیمت خال  
جس کی قیمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

شب۔ غمار شوقِ سابق کی رستہ خیز اندازہ تھا  
- آمیچا بادہ۔ صورت خانہ نمیبازہ تھا  
یک قدم دشت سے۔ دس دقرا مکان کھلا  
جادو۔ اجڑائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا  
بارغ دشت خرامی بے یللی۔ کون ہو؟  
خانہ بھون صحر اگر۔ بے دروازہ تھا  
پوچھت۔ رسوائی انداز استغنائے حسن  
دست مہربانِ حنا۔ خسار رہنِ غارہ تھا  
نالہ دل نے دیے اوراقِ نعتِ دل۔ بہ باد  
یادگارِ نالہ۔ اک دیوانِ بے مشیرازہ تھا

۱۔ شوقِ سابقِ برصانی کی آمد کا شوق۔ مستیزندہ۔ قیامت کی ش۔ غیارازہ، ناگزیرانی، مہلادہ، نظر  
شراب کا وہ خط زمان تک شراب بھری ہو۔ مطلب۔ یہ کہ مدتِ سابق کی آمد آمد کے شوق نے قیامت  
پر باکرہ کئی تھی یہاں تک کہ خود شراب بھی غیارازہ کش تھی گویا سابق کے شوق میں تمام شراب خانے میں  
صورت خانہ نمیبازہ کی کیفیت نظر آ رہی تھی۔

۲۔ ایک قوم دشت۔ ۳۔ انگ و دشت جادو یعنی جادو دشت۔ دو عالم دشت، بگڑت و بولانی ۱۰۔  
۱۱۔ دیے اوراقِ نعتِ دل، یاد دہندہ، جملہ ناری جادو، ہو ۱۲۔ اوراقِ نعتِ دل، یاد دہندہ، جملہ ناری جادو، ہو ۱۳۔  
اس شعر میں دل کو دیوان سے ۱۴۔ دل کے گڑبگڑ کو دیوان سے نسبت دی گئی ہو۔ اس شعر کا



دوست - غم خواری میں میری - سنی فرمائیں گے کیا؟  
 زخم کے بھرنے تک - ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا؟  
 بے نیازی حد سے گزری - ہندہ پرور - کب تک  
 ہم کہیں گے حالِ دل - اور آپ فرمائیں گے کیا؟  
 حضرت ناصح - گرائیں - دیدادِ دل - فرکشیں راہ  
 کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ کھسائیں گے کیا؟  
 آج وال تیغ و کفن بازے ہوئے جاتا ہوں میں  
 غدر میرے قتل کرنے میں - وہ اب لائیں گے کیا؟  
 گر کیا ناصح نے ہم کو قید - "اچھا" یوں سہی  
 یہ جنوں عشق کے انداز - چھٹ جائیں گے کیا؟  
 خانہ زادِ زلف ہیں - زنجیر سے بھاگیں گے کیوں؟  
 ہیں گرفتارِ وفا - زنداں سے گھبرائیں گے کیا؟  
 تیرا اب اس معمورے میں قحطِ غم آگفت احس  
 ہم نے یہ نانا کہ - دہلی میں رہیں - کھائیں گے کیا؟

سطب یہ ہو نازِ دل نے اُن اور اُن کو پریشان کر دیا - ۱۰ - دل ایک دہان بے شیرازہ کی طبع  
 ہو گیا - ۱۱ -

لہ: پہلے اور دوسرے نسخہ میں کیا "مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہر دو حرکت ہو کہ دوستوں کو میرے ناخن  
 کاٹنے سے کیا ہارہ کیا پھر بڑھ دے سکے - ۱۲ - شاعر کا یہ کہ شہر دلی میں تھا کہ غمِ اعلیٰ دینی مشورتوں کی  
 کہی ہو - ۱۳ -



یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ صالِ طریقتا  
 ترے وعدے پر جیٹیم۔ تو بیجان۔ جھوٹ جانا  
 تیری ناز کی سے جانا کہ نید عاتقا عیو  
 کوئی میرے دل سے پچھے۔ ترے تیر تم کش کو  
 یہ کہماں کی دوستی ہی؟ کہنے ہیں سینگ  
 رگِ سنگ سے چمکنا وہ لو کہ پھر نہ تھمتا  
 غم اگرچہ جاں گسل ہو۔ پہ کہاں بکد؟ کہ دل ہو  
 کہوں کس سے میری کہ کیا ہو شبنم بری لہو  
 ہوئے مر کے ہم جو رہ سوا جئے کیوش غرقِ حلا  
 اُسے کون دیکھ سکتا؟ کہ گناہ ہی وہ دیکتا

اگر او جیتے رہتے ہی انتظار ہوتا  
 کہ خوشی سے مر نہ جاتے؟ اگر اعتبار ہوتا  
 کبھی تو نہ توڑ سکتا۔ اگر استوار ہوتا  
 یہ خلش کہاں سے ہوتی؟ جو جگر کے پار ہوتا  
 کوئی چارہ سا نہ ہوتا۔ کوئی غم گسار ہوتا  
 جسے غم سچ رہے ہو۔ یہ اگر شرار ہوتا  
 غم عشق طر نہ ہوتا۔ غم روزِ غما ہوتا  
 مجھے کیا بُرا تھا مزا؟ اگر ایک بار ہوتا  
 نہ کبھی جنازہ اٹھتا۔ نہ کہیں مزار ہوتا  
 جو دہائی کی بوجھی ہوتی۔ تو کہیں دھار ہوتا

پرساںِ تصوف! یہ ترا بیان غالب  
 تجھے ہم دلی سمجھتے۔ جو نہ بادہ خوار ہوتا

ہوس کو ہی۔ نشا طکار۔ کیا۔ کیا  
 تہاں پیشگی۔ سے۔ مُدعا کیا؟

نہ ہو مزا۔ تو جینے کا مزا کیا؟  
 کہاں تک۔ اسے سراپا ناز کیا کیا؟

۱۔ تیر تم کش۔ ۲۔ وہ تیر جسے پھڑکتے وقت کہاں۔ ۳۔ نے گمان کہو یا نہ گنہا ہو۔ ۴۔  
 ۵۔ نشا طکار۔ ۶۔ میں کام کرنے کی انگ۔ ۷۔



نوازش ہائے بے جا دیکھتا ہوں  
 بے محنتا با چاہتا ہوں  
 فروغِ شعلہٴ خس۔ یک نفس ہو  
 نفس۔ موجِ محیط بے خودی ہو  
 داغِ قطرہ پیراہن۔ نہیں ہو  
 دلِ قطرہ ہو۔ سازِ انا الجھر  
 تھا کیا ہو؟ میں ضامن۔ ادھر دیکھ  
 شبنم سے غارت گر جنسِ وفا سُن  
 کیا کشت نے جگر داری کا دعوے؟

شکایت ہائے زگیں کا۔ گلا۔ کیا؟  
 تفاعل ہائے تمکین آدما۔ کیا؟  
 بوس کو۔ پاشِ ناموس وفا۔ کیا؟  
 تفاعل ہائے سانی کا گلا۔ کیا؟  
 غمِ آوارگی ہائے صبا۔ کیا؟  
 ہم اس کے ہیں۔ ہمارا پوچھنا کیا؟  
 شہیدانِ نگہ کا۔ خوں ہسا۔ کیا؟  
 شکستِ قیمتِ دل کی صدا۔ کیا؟  
 شکبِ خاطر عاشق بھلا۔ کیا؟

لے نوازش ہائے بیجا غیروں پر صرانی شکایت ہائے زگیں۔ وہ شکایتیں جو بطریقِ محبت ادا کی جائیں۔ مطلع  
 حکمران ۱۳۔

تہ کاوے بے جا بھگاوے تحف و بے صواب۔ تفاعل زگیں آوارہ و چشم پوشی جو صبر کی آزمائش کے لیے کی جائے  
 تہ بوس۔ رقیب کی بھرتی محبت کی طعن اشارہ ہو کہ حبیب کی محبت شعلہٴ خس کی طرح دم بھرنے کی بوس کو ناموس  
 وفا پاس نہیں ہو ۱۴

تہ حشر۔ اہمن و طعنے پر اہمن یا اس شعریں شاعر نے دنیا سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کیا ہو۔ وہ کہتا ہو کہ جس  
 شخص کو ناک کی بوس نہ ہو اسے دنیا کی بے وفائی کا کوا غم ہو سکتا ہو ۱۵

تہ سازِ انا الجھر۔ وہ باجا جس سے یہ آواز نکلے کہیں دیا ہوں ۱۶۔

تہ تھا کیا ہو۔ مثال کیا ہو ۱۷

تہ شکستِ دل کو شاعر نے شکستِ قیسیٰ دل سے تعبیر کیا ہو مطلب یہ کہ شکستِ دل کی صدا اگر تجھے اچھی معلوم  
 ہوتی تو تو اننگنی کہنے جاو۔ رصدا سے جا۔ پھلا سر سے دل کی اور صدائے شکستِ دل کی تجھے کیا پروا  
 رہتا رہتا ۱۸۔ تہ جگر داری میں مرا استقلال ۱۹۔



یہ قاتل وعدہ صبر آزما کیوں؟  
 یہ کافر قتلہ طاقت رُبا۔ کیا؟

پلائے جان پر غالب۔ اُس کی ہر بات  
 عبارت کیا۔ اشارت کیا۔ ادا کیا

دُخ و غم و غضب۔ جب۔ کوئی ہم سا نہ ہوا  
 پھر غلط کیا ہی؟ کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا  
 ہنگامی میں بھی۔ وہ آزاد و خود ہیں۔ کہ ہم  
 اُلٹے پھر آئے۔ دیکھ۔ اگر۔ وا۔ نہ ہوا  
 سب کو مقبول ہی۔ دعویٰ تری یکسانی  
 روبرو۔ کوئی بے آسہ سیمہ نہ ہوا  
 کم نہیں۔ نازش ہم نامی چشمِ خوں  
 تیرا ہم سا۔ بڑا کیا ہی؟ اگر اچھا نہ ہوا  
 سینے کا داغ ہی وہ نالہ۔ کہ لب تک نہ گینا۔  
 خاک کا رزق ہی وہ قطرہ۔ جو۔ دریا نہ ہوا

یہ کافر قتلہ طاقت رُبا۔ وعدہ صبر آزما کی طعن جس کا ذکر مصرعہ اولیٰ میں ہے۔  
 ہم نامی چشمِ خوں۔ اس دہرے کہا ہو کہ سٹوٹ کی آنکھ کو بھرا کتے ہیں۔  
 سینے کا داغ ہی۔ قابلِ شرم ہی۔ خاک کا رزق ہی۔ دریاں گھاں ہو۔



نام کا میرے ہی وہ دکھ کہ کسی کو نہ ملا  
 کام میں میرے ہی وہ فتنہ کہ برپا نہ ہوا  
 ہر تپ مو سے - دم ذکر - نہ پٹھانے خوں ناب؟  
 حمزہ کا قصہ ہوا - عشق کا چہ چا نہ ہوا  
 قطرے میں - دجلہ دکھائی نہ دے؟ اور جزیر میں کل؟  
 کھیل لڑکوں کا ہوا - دیدہ سینا نہ ہوا  
 تھی خبر گرم کہ غالب کے اٹریں گے پڑے  
 دیکھتے ہم بھی گئے تھے - پہ تاشا نہ ہوا

اشد! ہم وہ جنوں جلاں گدے بے سرو پا ہیں  
 کہ ہو سرخسہ خرگان آہو - پشت خار - اپنا

ہے نذر کرم - تحفہ - جو شدم نارسانی کا  
 بھول غلیظہ صد رنگ - دعویٰ پارسانی کا

لے نہ چکے خوں ناب؟ د کیوں نہ چکے؟ یعنی ضرور چکے - استغنام اقراری ہو -  
 عہ اس شعر کے پہلے سفر میں بھی استغنام اقراری کی غولی سوچو دو - یعنی وہ نہ دیکھا کہ ضرور جزو میں لگ  
 کا تھا شاعر آج -  
 اتنے جنوں جلاں، جنوں رکھنے والا جو اس - لڑی بے سرو پا ہی اس سے ظاہر کی جو کوشش خاک تک نہ ادا ہو نہ ہو تگ  
 کہو کہ تاشا پشت خار قرار دیا ہو جس سے لڑی نہ تاشا دشت کا ظاہر نہ ہو - لے پڑے نذر کرم - لے دگما و







وہی ایک بات ہو۔ ج۔ یاں نفس۔ واں نکست گل ہو  
 چمن کا جلوہ باعث ہو۔ مری رئیس کوانی کا  
 دباں ہر بیت پیمازہ ہو۔ زنجیر رسوائی  
 غم تک۔ بے وفا۔ چرچا ہو۔ تیری بے وفائی کا  
 نہ دے نامے کو اتنا طول۔ غالب۔ محشر لکھتے  
 کہ حسرت سنج ہوں۔ عرض ستم ہائے جدائی کا

گر نہ اند و شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا آہرو۔ گویا ہی۔ شام بھر میں۔ ہوتا ہو جب نے تولوں سکتے میں اُس کے ہاں کا پوسر گز	بے تکلف فراغ سر۔ مخمرو باں ہو جائے گا پر تو مہتاب۔ سیل خانہ ناں ہو جائے گا ایسی باتوں سے وہ کافر کماں ہو جائے گا
---	--

اِس شعر میں جو کہ جس کو بے زبانی کی نصرت ملتا ہوئی ہو اس کی وجہ سے، بے دست و پاؤں کے شکوہ کا قصداً  
 اِس سے گویا رہتی ہے دست و پاؤں کے شکوہ کا قصداً یہ تھا کہ مجھے یاں کر گئے زبانی کے سبب وہ قصداً اس کا  
 مرت کیا گویا بے زبانی کا اس میں جو کہ مجھے شکوہ کے بجائے تسلیم کا وجہ ملے۔

لفظ "وہی ایک بات" اشارہ ہو جلوہ چمن کی طرف اور جلوہ چمن سے ضل بیاد مراد ہو ۱۲۔

کلمہ بنیازہ مطلب۔ یہ شعر نہایت عجیبہ ہو۔ خاص کر اخیر رسوائی کی ترکیب نہایت دقیق ہو۔ جداری دہنے میں  
 اس شعر کا مطلب یہ ہو کہ ہر قسم کی مشقوں کا نہ تیرے حق میں خیر رسوائی بن گیا۔ یعنی تیری بے وفائی کی شرمت  
 جو کہ تیرے سو کرنے والی تھی ایک مشق سے گزر کر دوسرے تک اور دوسرے سے تیسرے تک چوتھی تک اُس شرمت  
 کا سلسلہ یوں ہی دنگ چلا گیا اور اس طرح سے زنجیر رسوائی کی صورت پیدا ہو گئی۔ ادھب مشقوں کے گزرو  
 میں جو خود بے وفا ہوتے ہیں تیری بے وفائی کا پرچا اس حد تک پہنچ گیا کہ جو بے وفائی پہنچ گیا یعنی اُس کی کچھ حد  
 نہایت ہی نہیں۔ یہی کو کہ شاعر صمد و نہایت ہے اس لیے اس شعر میں قصداً کا قصداً خاص نہایت رکھتا ہو ۱۳  
 اس شعر میں یہ تو تھا اب رجائاتی اگر سب آج سے تشبیہ رہی ہو۔ مطلب یہ ہو کہ شب بھر کی چاندنی عاشق



دل کو ہم صرف وفا کئے تھے۔ کیا معلوم تھا  
سب کے دل میں ہر جگہ تیری بجز تو رخصتی ہوا  
گر نگاہ گرم فرماتی رہی۔ تسلیم ضبط  
بلاغ میں مجھ کو نہ لے جا۔ ورنہ میرے حال پر  
وہ۔ گرمیر اتر ا انصاف محشر میں نہ ہو

یعنی یہ پہلے ہی نذر استخاں ہو جائے گا  
مجھ کو گویا۔ ایک زمانہ مہرباں ہو جائے گا  
شعلہ نس میں جیسے خون گیسو میں شام چمکے گا  
ہرگز نہ ایک چشمِ غلِ فشاں ہو جائے گا  
اب تلک تو یہ توقع ہو کہ وہ دل پہ چلے گا

خامدہ کیا ہے سوچ۔ آخر تو بھی دانا ہوا  
دوستی ناداں کی ہو۔ جی کا زیاں ہو جائے گا۔

دردِ منت کش دوا نہ ہوا  
جہج کر تہہ ہو کیوں رقیبوں کو؟  
ہم کہاں قسمت آزانے جائیں  
کتے شیریں میں تیرے لب اکرتیں  
ہو خبر گرم آن کے آنے کی  
کیا وہ نرو و کی خدائی تھی؟

میں نہ اچھا ہوا۔ بُرا نہ ہوا  
اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا  
تو ہی جب غمِ آزانہ ہوا  
گالیاں کھا کے بے فزا نہ ہوا  
لج ہی گھر میں پوریا نہ ہوا  
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

کے لیے سوجب آزاد ہوتی ہو ۱۲

لے نکلا و گرم۔ نظم خطاب ۱۲

عہ یاد کا زخام میں سوزنا تھا۔ اس شعر کا یہ مطلب لکھا ہو کہ کیا میری بندگی نرو و کی خدائی تھی  
جس سے مجھے سوانہ نصیب کے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اگر تو کسا اٹھا بندگی کی طرف نہ کھنہ ہائے بکھر دے



حق تو ہے جو کہ حق اور - نہ ہوا  
کا مگر گریں گیا - نہ ہوا  
لے کئے دل - دل تان دلا ہوا

جان دی - دی ہوئی اُسی کی تھی  
زخم گردن گیا - سو نہ تھا  
بہتری ہو - کہ دل سستانی ہو!

کچھ تو پڑھے <sup>۱۱</sup> لوگ کہتے ہیں  
آج غالب غزل سرانہ ہوا

گھر میں محو ہوا اضطراب دریا کا  
مگر ستم زدہ ہوں - ذوقِ خامہ فرسا کا  
دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیش و نیا کا  
مجھے دماغ نہیں خندہ بستے - بجا کا

کچھ تو شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا  
یہ جانتا ہوں - کہ تو - اور پاسخی مکتوب  
خائے پائے خزاں ہو - بہار اگر جو یہی  
غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو

سے مشوق کاغذ دس سجھا جائے تو مطلب "سرا ہوا" ہو <sup>۱۲</sup>  
لہ مرزا غالب کے وقت میں تھینا لکھا جاتا تھا - چنانچہ اصل نسخہ منظر میں اس لفظ کا یہی اظہار ہے لیکن  
نہانہ موجودہ میں تھینا متروک ہو - تھینا لکھا جاتا ہو <sup>۱۳</sup>۔

۱۱ شوق کو اس اضطرابِ شوق کو، گھر میں محو ہوا اضطراب دیا کا " دریا گریں بہا گیا - گھر کو دل سے  
اور شوق کو اضطراب دیا سے مشابہت "دی ہو" <sup>۱۴</sup>۔  
۱۲ خائے پائے خزاں - خزاں کے پاؤں میں گئی ہوئی ہندی کی لالی - بہار کن اچا لاری کی طرف ہے

اشارہ "دی" <sup>۱۵</sup>

۱۳ خندہ بجا، خندہ بھل، محلوں کی ہنسی کسی سورتِ محل سے نہیں ہوتی اس لیے اسے خندہ بھلے محل سے  
تعبیر کیا <sup>۱۶</sup>۔



ہنوز محرمی سن کو ترستا - ہوں  
دل اس کو پہلے ہی ناز وادت - دے بیٹھے  
نہ کہتے کہ مگر یہ - ہر تقدیر حسرت دل پر

کرسے جو ہر سن موکا مچشمہ بنیا کا  
ہیں رابع کہاں سن کے تقاضا کا  
مری نگاہ میں جو جمع و خراج صیا کا

فلک کو دیکھ کے - کرتا ہوں اُس کو یاد  
جھٹائیں اُس کی جو انداز کارنسہ پاک۔

قطرہ غم - بس کہ حیرت سے نفس پر ہوا  
اعتبارِ عشق کی خانہ خسرو ابی دیکھنا

خطا جامِ نوحی سرا سرِ شیشہ گہر ہوا  
غیرنے کی آہ - لیکن وہ خطا مجھ پر ہوا

جب یہ تقریب سفر یار نے محلِ باز ہوا  
پیش شوق نے ہر ذرے پہ اکِ دل باجوا

ملہ محرمی سن کو ترستا ہوں، یعنی کنذت تک رسائی نہیں۔ دوسرے مصرعے کے شروع میں عطف  
اگرچہ "عذرت ہو۔"

عہ حسرت دل کو دیا کا فیج یعنی جی کہا گیا ہو۔ اور آئندہ اُس کو حسرت میں دل سے بچنے میں دیا  
کے چہرے نسبت دی ہو۔

عہ کا۔ فرما۔ مشوق کی طرف اشارہ ہو۔

یہ نفس پر دستا کش۔ اور منہج۔ خود مرزا نے اپنے ایک خط میں شکرِ شمع کہتے ہوئے لکھا جو کس  
مطلب میں خیال تو قویٰ نہ کیا گیا، جو لیکن عطف زیادہ نہیں وہ کہتے ہیں کہ قطارہ جو بچنے میں ہے اختیار ہو اور  
حیرت سے چپکنا جھل گیا۔ برا برو نہیں جو تھم کر وہ نہیں تو بیلے کا خط اس تاکے کی صورت میں گیا جس میں ہوتی



انہلِ بینش نے ہر حیرت کدہ شوخی ناز  
 جو ہر آئینہ کو طوطی بسمل باندا  
 یاس و امید نے۔ یک عہدہ میدانِ ہنگام  
 عجزِ ہمت نے طلسمِ دلِ سائل باندا  
 نہ بندے تشنگیِ ذوق کے مضمونِ غالب  
 گرچہ دلِ کھول کے دیا کو بھی ساحل باندا

میں۔ اور ہر دم سے۔ یوں تشنہ کام آؤں  
 گر میں نے کی تھی توبہ۔ ساتی کو کیسا ہوا تھا  
 ہو ایک تیر جس میں دونوں چھپے ٹپے ہیں  
 دو دن گئے۔ کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا  
 رہانہ گی میں غالب۔ پھر بن پڑے توجانوں  
 جب پرستہ بے گرہ تھا۔ ناخن گرہ کشا تھا

بھر۔ گر بھر نہ ہوتا۔ تو۔ سیاہاں ہوتا  
 کہ اگر رنگ نہ ہوتا۔ تو۔ پریشاں ہوتا

مگر ہمارا۔ جو نہ دتے بھی تو۔ دیراں ہوتا  
 تشنگیِ دل کا گلہ کیا۔ یہ دو کا فردِ دل ہو

پر دے گئے ہوں ۴

عہدِ حیرت کہ وہ سے مراد آئینہ ہو اور جب آئینہ میں عکس یا موجود ہو تو اس میں شوخی ناز کی موجودگی  
 شامل ہوئی اس شوخی ناز کی اثر سے جو ہر آئینہ اہلِ بینش کو طوطی بسمل پہنچانے لگا۔ عہدِ تشنگیِ ذوق کے مضمونِ غالب



کاش۔ جنواں ہی۔ میرا رکھ دیاں ہوتا

بعد یک عمر فرح۔ بار تو دیتا۔ بارے

نہ تھا کچھ تو خدا تھا۔ کچھ نہ ہوتا۔ تو خدا ہوتا

ڈبوا۔ بھکو۔ ہونے۔ نئے۔ نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

ہو جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا ہر کٹنے کا

نہ ہوتا اگر جدا تن سے۔ تو زانو پر دھرا ہوتا

ہوئی دست کر غالب مر گیا۔ پر یاد آتا ہے

وہ ہر اک بات پر گستا۔ کہ یوں ہوتا تو گیا ہوتا

یاں جگہ بھی۔ قیل و قال کے راجع کا  
کھینچا ہو۔ عجز و صلا نے۔ خط الیہ کا

یک ذوق نہیں۔ نہیں بے کار۔ راجع کا  
بے ی۔ کسے ہی۔ طاقت آشوب نگاہی

نہ ہوتے۔ ذوق سخن کی تشنگی برابر قائم رہی ۵

۵۔ ڈوبنا کچھ کو ہونے سے۔ دیر ہی جیتی تھی۔ بھکو کو یاد کروا ۱۰

۱۰۔ بار۔ دیشیا۔ یعنی دوش عقیدہ رہتی۔ پہلے معروضات کو۔ یعنی سو سب پارسی ہر جگہ بھول ہی گئے نظر  
آئے۔ ۱۵۔ چہ بھر زمین اس سے خالی نہیں۔ یہاں تک کہ وہ سبیں ہی گھٹائے لہ کی کثرت کی وجہ سے  
کو لانے کے ذوق کا عقیدہ بنی ہوئی ہیں۔

۱۵۔ آشوب۔ شور و غنا۔ چکا آگاہی میں یعنی ہوش کی حالت میں انسان کا جملے انکار دیتی ہے اللہ ہی پر  
اس لیے آشوب لگتی کہ گیا۔ شعور کتا ہو کر آشوب لگتی کا مقابلہ زمین انکار دیتی ہے کات حاصل کرنا  
غیر شراب کے انکس ہو لیکن یہاں ہماری ہمت و صلی نے بلخ و جام شراب پر غلط فہمی دیا ہو یعنی ایک  
سافر سے (اور سافر بھی وہ جو ایک مدت تک ہڑوا ہوا ہو) یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔



بلبل کے کار و بار نہیں۔ خندہ ٹٹے نکل  
تازہ نہیں ہو تشہ فکر سخن مجھے  
سوار بند عشق سے آزاد ہم ہوئے  
بے خون دل ہو چشم میں سوچ گئے غیا

کہتے ہیں جس کو عشق۔ خلل ہو دماغ کا  
تربا کیسے قایم ہوں۔ دھڑ دھڑ سرخ کا  
پر کیا کریں؟ کہ دل ہی عدو ہو فرغ کا  
یہ ٹوکہ۔ خراب ہو۔ محو کے سرخ کا

بلیغ شگفتہ تیرا۔ نشاط نشاط دل  
ابر بہار نمکدہ کس کے دماغ کا

وہ مری چین چین سے۔ غم نہاں بجھا  
یک الف پیش نہیں۔ صیقل آئینہ ہنوز  
شرح اسباب گرفتاری خاطر۔ مست پوچھ  
پرگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرم خرام

رازِ کتب بے بے ربطی عنوان بجھا  
چاک کرتا ہوں میں جبکہ گزریاں بجھا  
اس قدم تک ہوا دل کہینے اں بجھا  
مُخ پر قطرہ عرق۔ دیدہ حیراں بجھا

۱۔ وہ چرخ و بیکر کام، ہشتن ۱۲  
۲۔ شاعر کا کہہ کر میری آنکھ سے اشکوں کی راہ غریب دل نہیں آتا اس لیے سوچ تھا وہ خباہتیں ہی ہو۔ یعنی ہمنس  
خلی نشانی کے گویا خاک آڑ ہی ہو اور یہ ہو کہہ دینی آنکھ، تو دغلی دل، رنگے تبس میں خراب ہو ۱۳  
۳۔ بعض شاعرین نے ۱۱ حیرا، کو بیا جا نشاط دل کے ساتھ حشاش کیا ہو۔ ہماری رائے میں یہ غلط فہم ہے  
کا تعلق بلیغ شگفتہ سے ہو۔ شاعر اپنے مشوق سے غائب ہو کر گستاخ کو جب تیرے سخن کا شگفتہ بن کر بیٹھے سرور دل  
سبب ہو تو ابر بار میری سستی کا باعث نہیں ہو سکتا ۱۴۔ آئینہ سے مراد حسن ہو۔ پیسے پر الف لکھنا آزادانہ  
۵۔ فقیر شاعر کہتا ہو کہ جب سے میں نے گریبان کی حقیقت سمجھی ہو۔ میں اسے چاک کر رہا ہوں یعنی مجھ سے مجھے  
۶۔ لکھنے کا شور ہو کہ تعلقات دنیا میں صفائی طلب ہیں میں نے انھیں ترک کرنا شروع کر دیا ہو پھر ہی بظاہر آزادانہ  
۷۔ سترہ پوچھنا بادہ کھا ہوا ہوتا ہو اس سے زیادہ بنو نصفانی قلب مائل نہیں ہو ۱۵۔ قطرہ عرق نہ ٹپکتا



بخشِ خس کے پیشِ شلہ سوزاں بھجا  
بر قدم سائے کو میں اپنے شیشاں بھجا  
دفعِ پیکانِ قضا۔ اس قدر آساں بھجا

پتھر سے اپنے یہ جاناکہ وہ بدخو ہوگا  
سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی  
تھا گریزاں۔ مژدہ یار سے دل بتا دہم گن

دل دیا۔ جان کے۔ کیوں اُس کو۔ وفا داد  
خلطی کی۔ کہ جو کا فر کو سداں۔ سمجھا

دل جگر تشنہ فربا د آیا۔  
پھر ترا وقتِ معشر یا د آیا۔  
پھر وہ نیرنگِ نگر یا د آیا۔

پتھر جھے دیدہ تر یا د آیا  
دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز  
تھا دھجی بائے نسا۔ یعنی

استعمال جو ایسی یعنی قمرہ عرق۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ مشوق خود اپنے سے بھی مکان پر آئے اس  
بلگتلی سے سرگرم خرام نہ رہے۔ یا کہ چونکہ خرام سے پسینے کی برہنیں اُس کے تن پر نوازاں جاتیں جو عاشق کے  
دیہۂ حیراں سے شاہجی جاتیں ۱۲۔

نہ عجیب شہ۔ عجز کی بغیر گونا گونا شاعری نے اپنے پتھر کو خس کہا ہے۔ تپشنِ حرارت۔ شلہ سوزاں مشوق  
کی بدخوئی یا شاعر کہتا ہو کہ میں سمجھتا ہوں کہ میں قد میں مایہ زری کر دں گا۔ مشوق کی بدخوئی بڑھ گئی اور مشوق  
کی بدخوئی عاشق کی برادری کا باعث ہو گئی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میرا عجز اور بھی میری ملکیت کا سبب ہوگا۔  
تو شہادت ان۔ رات گزارنے کی جگہ۔ اس شعر کی ترکیب صاف ہو۔ اگر استعارہ دل کو دور کر دیا جائے تو مطلب  
یہ نکلا ہو کہ انسان غایت کا مسموئی کی حالت میں اس دنیا امید ہی سے تسکین دہنی پانے کا آرزو مند ہوگا  
تو دوسرے مصرعے میں آیا یعنی ہوا۔ دل جگر میں جوت مطلب بخود ہے۔ ۱۳۔

تو پہلے مصرعے میں دیکھو کھنڈن اور نیرنگِ نگر مشوق شوق کی صفت ہو۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے مشوق  
کے شوق کو کتنی کامیابی ہوئی تھا پھر یاد آیا۔



غدر و اماندگی۔ اسے مسرت ملے	نالہ کرتا تھا۔ جگر یاد آیا
زندگی۔ یوں بھی گزری جاتی	کیوں ترا راہ گزرے یاد آیا
کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوئی	مگر ترا خلد میں گر۔ یاد آیا
آہ وہ جزا فریاد کہاں	دل سے تنگ کے جگر یاد آیا
پھر ترے کوپے کو جاتا ہی خیال	دل گم گشتہ گر۔ یاد آیا
کوئی حیرانی سی ویرانی ہی	دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

میں نے مہنوں پہ لڑکپن میں اس  
سنگ اٹھایا تھا کہ سہ۔ یاد کیا

ہوئی تاخیر۔ تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا	آپ آتے تھے۔ مگر کوئی جہاں گیر بھی تھا
تم سے بچا ہوا۔ مجھے اپنی تباہی کا بکھ	اس میں کچھ شائبہ خوبی نقد پر بھی تھا
تو مجھے بھول گیا ہو تو تباہی ستلا دوں	کبھی قہر اک میں تیرے کوئی بخیر۔ بھی تھا
قید میں ہر سے وحشی کو وہی زلف کی یاد	ہاں کچھ اکسچ گراں باری زنجیر۔ بھی تھا

لے معرۂ اہل کے آخر میں "قول کرو" مخدو ہو۔ مگر لڑا۔ یعنی اپنے جگر کی کمزوری یاد آگئی۔  
 غلہ لڑا۔ اسے مطلب دو خورق معلوم ہو۔ اس شعر میں صفت ایسا مہر کی جیسی جیسی بھی لکھتے ہیں کہ ہمارا گھر مرقد  
 حیران کو کہ دشت کی ہوائی اس کی ڈاکو ادا کرتی ہو۔

مخدو ہونے کی بجائے مہر میں چھرا لیا۔

مخدو ہونے کے لڑی سنی آگ کا کارہ ہانے والے کے ہیں۔ یہاں مولودہ کے والے۔

مخدو فرما کہ۔ تیسے جویں کے وہاں جانتا لگا کے اندھنے کے لیے ٹھکانے جاتے ہیں۔ بخیر یا نفع جھکا کر















شایانِ دستِ بازوئے قاتل نہیں رہا  
یاں اُتیا ذائقہ کمال نہیں رہا  
غیر از گھاہ اب کوئی حائل نہیں رہا  
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا  
جھل سوائے حسرت حاصل نہیں رہا

مرنے کی بسے دل اور ہی تیر کر کر میں  
بروئے کششِ جبت۔ مرا اُٹھ نہ بازو  
دا کر دے ہیں شوق نے بند نقابِ حُسن  
گو میں رہا۔ رہیں ستم ہائے روزگار  
دل سے ہوئے نیکشت و فامٹ گئی کلاں

بیدارِ عشق سے نہیں ڈتا بگڑا  
جس دل پہ ناز تھا بچھے وہ دل نہیں رہا

رشتک کستا ہو کر اُس کا غیر سے اِخلاصِ جیفت !  
عقل کہتی ہے کہ وہ بے سوز کس کا آشنا  
دُور۔ دُور۔ غریب خانہ سبک ہو۔  
گردشِ مجنوں۔ چشمکِ بے لیلی آشنا

یہ شخص کے سامنے شاعر اس شعر میں شادی کی تقدیر ششاس کا شکی جو جس میں یہ قبل کس میں استیلا نہیں  
کرنا کسی طرح نہ ذائقہ کمال میں فروزا نہیں کرنا  
تھے جو سے کشت و خاک سے آرزوئے افکار و آواز اس اشارہ جو اس کشت و خاک کی طرف  
تھے یعنی خاکِ ہر ایک دُور جو گردش و تقدیر میں مبتلا ہو اس کی گردشِ نیرنگ ملک کے اشارے سے جو جس  
میں سے جنوں کی گردشِ چشم بے لیلی کے اشارہ کے اندر تھی "مر مر مر" جو میل نہیں بطور تشریح صراحتاً آئی  
کر گیا ہو۔



شوق ہو۔ سااں طراز نازشیں لبابِ بحر  
 ذرہ - صحر است گاہ - و - قطرہ - دریا آشنا  
 یش - اور اک آفت کا کڑا وہ دل دشتی - کر بے  
 عافیت کا دشمن - اور - آوارگی کا آشنا  
 بشکوہ پنج رشک ہم دیکر نہ رہنا چاہیے  
 میرا - زانو منس - اور - آئینہ تیرا آشنا  
 رطب یک شیرازہ دشت میں - اجڑائے بہار  
 سبزہ بیگانہ - صبا آوارہ - گل نا آشنا  
 کہہ کنی تعاش یک مثالِ شیریں تھا

نگ سے سرا کر - ہووے نہ پیدا آشنا

ذکر اس پری دشت کا - اور پھر بیاں اپنا  
 بن گیا قریب - آخر - تھا جو راز داں اپنا

۱۔ شوق - عشق - لباب - بحر یعنی عشاق کے حق میں لبابِ بحر یعنی شوق کے سامان ہیں گردنیا  
 ۲۔ یش - اور اک آفت کا کڑا وہ دل دشتی - کر بے  
 ۳۔ عافیت کا دشمن - اور - آوارگی کا آشنا  
 ۴۔ عافیت کا دشمن - اور - آوارگی کا آشنا  
 ۵۔ عافیت کا دشمن - اور - آوارگی کا آشنا

۱۔ شوق - عشق - لباب - بحر یعنی عشاق کے حق میں لبابِ بحر یعنی شوق کے سامان ہیں گردنیا  
 ۲۔ یش - اور اک آفت کا کڑا وہ دل دشتی - کر بے  
 ۳۔ عافیت کا دشمن - اور - آوارگی کا آشنا  
 ۴۔ عافیت کا دشمن - اور - آوارگی کا آشنا  
 ۵۔ عافیت کا دشمن - اور - آوارگی کا آشنا



کڑوہ کیوں بہت پیتے۔ نیرم خیر میں مار ب  
 آج ہی جو منظور اُن کو امتحان اپنا؟  
 منظر اک بلند ہی پر۔ اور ہم بنا سکتے  
 عرش سے اُدھر تو تار کاش کے مکاں اپنا  
 دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے  
 بارے آسٹنا کھلا اُن کا پاس باں اپنا  
 دل لکھوں کب تک؟ جاؤں اُن کو دکھنا دل  
 انگلیاں نگاہیں۔ خامہ خوں چکاں اپنا  
 کہتے جھگتے مٹ جاتا آپ نے بحث بدلا  
 ننگ سجدہ سے پیرے ننگ آستان اپنا  
 تاکرے نہ غمازی۔ کر لیا جو دشمن کو  
 دوست کی شکایت میں ہم نے ہنر باں اپنا

ہم کہاں کے دانہ تھے۔ کس سند میں کیتا تھے  
 بے سبب۔ ہوا۔ غالب۔ دشمن آسماں اپنا

اعلیٰ شاعر صاحب سے کہنا جو کہ نیرم خیر میں انھوں نے کثرت سے شراب کیوں پی۔ کیا انھیں اپنے استقلال  
 اور خود داری کا امتحان منظور تھا؟ اس مقام انکاری ہے۔ مطلب یہ کہ امتحان منظور نہ تھا۔ بلکہ شراب کے فتنے  
 نے سب سے شکست ہوا اور تھوڑا سا



کہ ہے چشم خریدار پہ احساں میرا  
تیرے چہرے سے ہو غلام غم پناں میرا

سر نہ مفت نظر۔ ہوں۔ مری قیمت ہے  
دھست نالہ بجے دے۔ کہ سدا دا غلام

غافل۔ بہ دہم ناز۔ خود آراہی۔ در نہ یاں  
بے شاذ صبا نہیں طستہ گیاہ کا  
بزم قوج سے۔ عیش تمنا نہ رکھ۔ کہ رنگ  
ضیہ زدام جستہ ہی اس دام گھاہ کا  
رحمت اگر قبول کرے۔ کیا بید ہے  
شرمنگی سے۔ غدر نہ کرنا گتہ کا  
مستقل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں۔ کہ ہے  
پہلے خیال زخم سے۔ دامن بھگاہ کا

جان۔ دہوائے یک نگہ گرم ہے۔ اس  
پردانہ ہی وکیل ترے داد خواہ کا

۱۔ ضیہ زدام جستہ مر دام سے نکلا ہوا شکار۔ بزم عیش کے ناگ کو شاعر نے صید زدام جستہ کہا ہے۔  
مطلب یہ کہ اس بزم عیش کا ناگ ایسا شکار جو کسی کے قبضہ میں نہیں ہو سکتا۔ عیش و تنگی ٹالنے کی  
کی جوت اشارہ ہے ۱۱

۲۔ پڑکی۔ پھولوں سے بھرا ہوا۔ زخم کو پھول سے مشابہت دی ہے۔ مستقل کو میں خوش خوش شوقی شہادت  
میں جا رہا ہوں زخموں کی یاد میری نظروں میں سائی ہوئی ہے ۱۲  
۳۔ ہوا۔ شوق آور نہ۔ مگر گرم۔ خواہجہت۔ مطلب یہ کہ اس کی جان یک تھا و محبت کی آرزو میں ہو گیا



<p>جو رے باز آئے پڑ۔ باز آئیں کیا؟          مات دن گردش میں ہیں سات اکاں          لاگ ہو تو اس کو ہم کبھیں لگاؤ          ہو لیے کیوں۔ نامہ بر کے ساتھ ساتھ          میچ خوں۔ سرے گز نہی کیوں نہ جائی          عمر بھر دیکھا کیسا مرنے کی راہ</p>	<p>کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھائیں کیا؟          جو رہے گلچہ نہ کچھ جھبہ ائیں کیا؟          جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کماؤں کیا؟          یارب۔ اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا؟          آستانِ دارے اٹھ جائیں کیا؟          مر گئے پڑ۔ دیکھیے۔ دکھلائیں کیا؟</p>
--	--

پوچھتے ہیں وہ۔ کہ "غالب کون ہو؟"  
 کوئی بتلاؤ۔ کہ۔ ہم بستلائیں کیا؟

لطافت۔ بے کثافت۔ جلوہ پیدا کر نہیں سکتی  
 چمن تو نگار ہو۔ آئینہ باد ہساری کا  
 حریف جو شش دریا نہیں خود داری سائل  
 ہمارا ساقی ہو تو۔ اہل جو۔ دعویٰ ہوشیاری کا

وہ تیری کمرنگاہ گز میں چلی دینے کو تھا جو اداس مقصد کے لیے تیری زمیں اس نے پہاڑ اٹھائے تو اچھا وکیل کیا ہو  
 اچھا نہ بھی قلم کے غفلت میں اپنی جان سے دیتا ہو ۱۲  
 سلف پڑا لکھنؤ ۱۲  
 عہدِ بیکر کثافت کے لطافت جلوہ گز نہیں ہو سکتی۔ مطلب یہ ہو کہ بے غفلت ناوہ جلوہ جودت نہیں ہو سکتا۔ وہ سرف  
 معر شے میں اس بیان کا مثالی ثبوت دیا گیا ہو یعنی باد باری کے جلوسے کے منہ اچھوٹے کا چمن ہی  
 درمیر ہوتا ہو ۱۲۔



عشر قطرہ ہو۔ دیا میں قہا۔ ہو جانا  
 تجھے قسمت میں می صورت قتل ایچہ  
 دل ہوا کشمکش چارہ زحمت میں قلم  
 اب جلتے بھی ہیں محروم ہم اللہ شد  
 صنف سے گرہ تبدیل بدہم مرد ہوا  
 دل سے بناتری انگشت خانی کا خیال  
 ہی مجھے ابرباری کا برس کر کھلنا  
 انہیں محبت گل کتے کو چہ کی ہوس  
 اگر تجھ پر کھلے اعجاز ہواسے صیقل

در کا حد سے گزرتا ہو۔ دوا ہو جانا  
 تھا نکاحات کے بنتے ہی۔ جدا ہو جانا  
 مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا۔ دوا ہو جانا  
 اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا  
 باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا  
 ہو گیا۔ گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا  
 روتے روتے غم فرقت میں قہا ہو جانا  
 کیوں ہی؟ گرد و جلاں صبا ہو جانا  
 دیکھ ہر سات میں سبز آئینے کا ہو جانا

لہ وہ جب حد سے گزرتا ہو۔ مریض فنا ہو جانا ہو۔ یعنی مریض کو موت کے آبلے سے درد کی تکلیف و  
 نجات ہو جاتی ہو۔ اور وہ جس حالت سے یہاں آیا تھا اسی کی طرف مدعا رہتا ہو گویا بڑا پنے کل میں لپٹا آئے  
 اور یہی انسانی ہستی کا عین مقصد ہو جس طرح قطرہ کا دیا میں مل جانا اس کا مقصد اور اس کے لیے امتحان  
 سے قتل ایچہ۔ وہ قتل میں میں ملوں پر حروف ایچہ ثبت ہوتے ہیں۔ اور ہر وقت تک ہی سب موت کے  
 ترتیب پانے سے وہ کل و واضح نے مقرر کر دیا ہو نہیں ہی جانا قتل نہیں کھلنا۔ آیت نشانہ شیر پوری اترنا  
 سے زحمت حل کے دور کرنے کی اس قدر کشش کی گئی کہ دل ہی تمام ہو گیا۔ گرا ایک گروہ تھی جو گھس گئی  
 سے مسئلہ استقامت اس میں کہ کھلنے کے بعد اسے ہیں غالب سے بھی پوشیدہ تھا۔ اس شعروں ہی  
 مسئلہ کی طرف شاعر نے اشارہ کیا ہو۔

نہ ہواسے صیقل بعض شرع ہوا بہ سن خواہش کہتے ہیں اور بعض نے اہل ہواسے راہ لی ہو۔ مطلب یہ ہو  
 کہ وہ سب ہر سات میں تائید ذرا دہری رنگ کامیابی ہو وہ گویا سبز ہو جس کو ہواسے صیقل نے پتہ کیا ہو۔











شرح ہنگامہ ہستی ہو۔ زہے موسیٰ گل

دہر قسطہ بہ دریا ہو۔ خوشا۔ میح شراب  
ہوش اڑتے ہیں مرے جلوہ گل دیکھ اسد  
پھر ہوا وقت۔ کہ ہوا بال گشا۔ میح شراب

## رویف (ت)

جن لوگوں کی تھی درخورد گشت  
خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر گشت

اقسوس کہنداں کا کیا رزق فلک نے  
کافی ہو۔ نشانی تری۔ پھلتے کا نہ دینا

لکھتا ہوں اسد سوزش دل سے سخن گرم  
سا۔ رکھ نہ سکے کوئی۔ مرے حرف پر انگشت

۱۔ موسیٰ گل کیا اچھا جو کہ ہنگامہ ہستی کی شرح ہو دیکھ زہے موسیٰ گل میں ہنگامہ ہستی کی اس قدر نگوار۔ چھند  
اوس سے اسے شرح کیا گیا۔ ۲۔ میح شراب کیا اسی اچھی چیز کہ دریا میں تھوڑے جانے کی دہر ہو۔ ۳۔ جو کہ غائب  
کو دیکھتے ہو۔ اس لیے شراب کی بے خودی کو جو فنا سے مشابہ ہو قسطہ کو دریا میں جانے کا دہر کو کہا ہے۔  
۴۔ دیکھ ہستی دیکھ کو اگلے میں دیکھیں اس کا لکھیں کہ موتیوں کی لڑکی بنائیں یعنی وہ لوگ جنہوں نے داسودہ جان  
دوتے اب وہ وقتوں کا رزق ہیں انہیں اب وہ دنداں حسرت سے ہیں انہیں ادا کاٹ رہے ہیں۔ ۵۔ انگشت  
بدان میں۔ ۶۔ فانی کا ایک نام وہ جو شاعر نے اسی نام سے اس خیال کو لیا ہو شعرا کا مطلب یہ ہو کہ دنیا میں اہل  
افلاس کی حالت میں بسر کر رہے ہیں ٹوٹا۔ ایک شایع تھے دنداں کو دیا جان پڑھ کر شرح کی جو کہ



پھر اک روز مزاجی حضرت سلامت  
 لکھے جو خداوندِ نعمت ! سلامت  
 مبارک۔ مبارک۔ سلامت۔ سلامت  
 تماشاے نیرنگ صورت سلامت

رہا اگر کوئی تا قیامت سلامت  
 جگر کو مرے عشقِ خوں ناپہ شرب  
 علی الوغم دشمن شہیدِ وفا ہوں  
 نہیں گر۔ سرد و بگ اور اک معنی

سُند گینس کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب

یار لائے مرے بالیں پائے۔ پر کس دقت!

آہِ خطے پوچھو سزد۔ جو۔ بازارِ دوست  
 دو شمعِ کشتہ تھا۔ شاید خطِ رخسارِ دوست  
 اسے دلِ نا عاقبت اندیش ضبطِ شوق کر  
 کون لاسکتا ہے تاپِ جلوہ دیدارِ دوست؟  
 خانہ ویرانِ سازیِ حیرت۔ تماشا کیجیے  
 صورتِ نقشِ قدم ہوں۔ رفتہ رفتہ رخسارِ دوست

میں نے وہاں جو انہوں نے وہاں کو دور کی جگہ ابھی لکھا ہے اور وہ وہاں کے  
 بچے ہیں ۱۱

۱۲۔ ان کے ہر وقت وہ کس اور غم کے مری میں شاک ہیں کہ وہ ہر کے ہیں اس شرمِ خلوت خواہشِ رقیب  
 شہید وہاں ہونے پر ہمارا کیا وہی گئی ہو۔

۱۳۔ یہ وہاں سفرِ مطلب ہے کہ گھر میں مام سن کا اور اک نہیں کر سکتے تو تماشاے صورت ہی سہی۔ ۱۴  
 ۱۵۔ غور نہا۔ دوست کو دو شمعِ کشتہ سے ملتا ہے کیا گیا ہے ۱۶۔ خانہ ویرانِ سازیِ حیرت۔ رفتہ رفتہ رخسارِ دوست



عشق میں - بیدارِ رشکِ غیر نے مار لی مجھے  
 کشتہ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست  
 چشمِ مار و شش - کہ اس بے مد کا دل شاد ہو  
 دیدہ پر خوں ہمارا - ساغرِ سرشارِ دوست  
 غمیریوں کرتا ہی میری پرکشش اس کے بھڑکیں  
 بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی - غمِ خوارِ دوست  
 تاکہ میں جانوں - کہ ہو اس کی رسائیِ دامنِ تک  
 مجھ کو دیتا ہو - پیامِ وعدہ دیدارِ دوست  
 جب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہ ضعیفِ داغ  
 سر کرے ہی - وہ - حدیثِ زلفِ غیرِ دوست  
 چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہو اگر  
 ہنس کے کرتا ہو بیانِ شوخی گستاخِ دوست  
 مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجئے؟  
 بایاں کیجئے - سپاسِ لذتِ آزارِ دوست  
 یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آئی ہو آپ  
 ہو ردیفِ شعر میں غالب - زبیں تکرارِ دوست

جو حیرت کے انھوں جوانی - رفتہ رفتہ دوست باریکار دوست کا دارِ فنا یعنی مشہد ۱۲



## ردیف (ج)

قری کا طوق۔ حلقہ پیروں درہو کج  
تارِ نفس کندی کا راثہ۔ جو کج  
سیلا سہل گئے در پہ دیوار و دیوار کج

گلشن میں بند و بست بہ رنگ اگر ہر کج  
آتا ہو ایک پارہٴ دل ہر تھاں کے ملنے  
اسے عافیت کنارہ کرے انتظام چل

اچھا لڑنہ ہو۔ تو مسخا کا۔ کیا علاج؟

لو ہم مریضِ عشق کے بیمار۔ دایوں

## ردیف (ج)

اگر شراب نہیں۔ انتظارِ صبا غریب کھینچ

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ

ملنے حلقہ پیروں درہو کا آؤ شخص سے نہ مانے کی اجازت نہ ہو۔ مطلب یہ کہ باج میں کج ایسی روک  
تو کہ جو کہ قری تک گا کر نہیں ۱۱

عہ تیج ہوتا نفس اثر کے شکار کرتے کو یک کند بنا ہوا جو یعنی پر نصیبی سے اٹا آخر ہو رہا ہو کہ ہر آہ کے ساتھ  
ایک لڑنے دل باہر آتا ہو ۱۲

کچھ کیا علاج۔ یہ کیا سزا ۱۳

یہ نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ اور ترک آرزو نہ کر ۱۴



کمال گرمی سہی تلاش دید۔ نہ پوچھ  
تجھے بہانہ راحت ہو۔ انتظار۔ اسے دل  
ترستی طرف ہو بہ حسرت۔ نظارہ نگرس  
یہ نیم غمزدہ۔ ادا کر۔ حق و دلیت ناز  
مرے قہج میں جو۔ صبا کے آتش خیال

برنگ خار مرے آئینہ سے جوہر کھنچ  
کیا ہو کس نے اشارہ پاکہ ناز بستر کھنچ  
بکودہی دل چشم رقیب۔ ساغر کھنچ  
نیام پردہ زخم جگر سے غنجر کھنچ  
برسے سفر۔ کتاب دل سمندر کھنچ

ملہ تلاش بر وزن فراغی۔ یہ معنی سہی پہنچو۔ یہ لفظ ترکی ہے اسی وجہ سے اس کا اسم فاعل کا حق کرنے والے  
کے معنی میں تلاش ہی صیغہ عام ہو سکتا ہے۔

غالب کا یہ شعر ان شکل میں ہے۔ افسانہ سے جو کہی کا مطلب لکھنے میں اہل فن مختلف الہام سے ہیں۔ خاکو کتا دہلے  
غالب میری سرگرمی کا شوق و یہ بھی کمال اور فن کے قدر و اقدار کی تلاش کی کوشش کا نوادارہ کہہ کر کہہ تو سکتے ہیں  
نہیں، بہتر یہ کہ میرے آئینہ دل سے تو کتنے نکلے طبع سے جو کہ کمال سے بہت دور ہے کہ یہ کمال ہی مجھے سب  
ہر جگہ۔ اشارہ دل سے شکایت کرتا ہو اور دیکھتا ہو کہ اس دل سے میں اہل کمال کی قدر نہیں کرتا۔ اہل  
پوچھے جاتے ہیں، اس لیے وہ حسرت کے ساتھ اپنے کمال کے سبب جو جگہ کی نشا کرتا ہو۔

تو ناگزیر لکھنے پر مجبور ہے کہ یہ کمال کا شاعر اپنے دل سے غائب ہو کر گناہ کو کہو جو مشوق کے تعلق  
کے چلے سے بستر پر گیا ہوا ہو، تیرے تمام طبعی جو وہ مشوق کی طرف سے اشارہ دے بھی نہیں ہوا ہو۔  
تو کہ تو نگرس مشوق کی طرف۔ حسرت کے ساتھ تلافی دے گا کہ اس لیے شاعر نے اس کو اتنا رقیب کہا ہوا۔ غرض کہ  
اپنے مشوق کی طرف رقیب کہہ کر ناگوار نہیں ہو سکتا۔ لہذا شاعر اس کے اندر سے جو جگہ کی خواہش کا اظہار اپنے

مشوق پہنچانے لکھتے ہیں کہ اس کو جو مشوق سے کہتا ہو کہ تو شراب رقیب کے دل پہنچ کر کہہ دے کہ میں اس کے اندر کی  
خواہش کی دیریں ساغر غریب و شہر جو کہ شراب کھا کر کہہ دیتے ہیں، جہاں تمام صحت و دیوانہ کی ہم سفری تہذیب میں ہی جاری ہو۔  
یہ تمام اشارہ کا نشانہ ہیں جو ان اشارہ اپنے مشوق سے خطاب ہو کر گناہ کو کہتا ہو کہ میں نے توں کو ہم جگہ کہہ دے کہ  
دانت کھاتا ہوں، وہ جو جگر کا خون اڑا کر نام تو ادا ہوا، اب تو اپنے خون اڑا کر میرے زخم جگر سے نکال کر اس دانت کا شاہ  
نیم غمزدہ سے دانت پہنچ کر کہوں کہ ایک نفر لکھے، پورے غم کے ساتھ کہہ دے کہ میں نے توں کو ہم جگہ کہہ دے کہ میں نے توں کو ہم جگہ کہہ دے کہ  
اشادہ کے لیے، نیم غمزدہ، غالب نے متغیال کیا ہو۔ غرضتہ طبعی غرضی ہو۔

یہ ہر وہ جام الہی ہے کہ جس میں شراب تھا، جہاں جہاں شراب تھی جہاں جہاں شراب تھی جہاں جہاں شراب تھی جہاں جہاں شراب تھی



روایت (د)

سُن۔ غمزے کی کشاکش سے پُٹھا میرے ہد

! بے۔ آرام سے ہیں۔ اہلِ خجما میرے بعد

منصب شیفٹل کے کوئی قابل نہ رہا

ہوں مغزولی انداز و ادرا میرے بعد

شمع بجھتی ہے۔ تو اُس میں سے دھواں اُٹھتا ہے۔

شعاعِ عشق بس یہ پوش ہوا میرے بعد

● خوں ہر دل خاک میں۔ احوال بتا رہی ہیں

ان کے ماتن ہوئے محتاج خامیرے بعد

و غرض عرض نہیں۔ جو ہر بے داد کو۔ بجا

مگر ناز ہو سرے سے خفا میرے بعد

گرمی اور آگ کی گرمی سے جس مناسبت ہو، اس ضرورت ہو کہ دستورِ علاجِ ہند کے دل کے کتاب میں پختہ جائیں۔ ہند کے دل کے کتاب اس لیے کہ گئے کال اچھا ہوا ہوتا ہو۔ چونکہ شراب بھی چھپی ہوئی آگ کے اندر ہے اس لیے اس کتاب کے لیے مسند و دلیل کا طور ہونا ضروری تھا۔ رہتا ہوا وجہ آگ سے ابھرتا ہو جاتا ہو کال کے کتاب شاعر نے طلب کیے ہیں کچھ نادسی کا اور کاتر تہہ ہو۔ اور دوسرے دستورِ علاج کے لیے کچھ نیا نہیں ہے بلکہ کال کا نیا نیا ہوتا ہے۔ اس شعر میں صرف اتفاق کی غرض رکھی گئی ہو۔

۱۔ خاک میں : یعنی قبر میں۔ مطلب : اُن کو کہ قبر میں پڑا چلا میرا دل تیار ہو نہیں سکتا کہ انہوں نے میرے  
سوا کسی دوسرے کو اپنا جہیز دیا ہو۔ ۲۔ خاک میں : یعنی قبر میں۔ مطلب : اُن کو کہ قبر میں پڑا چلا میرا دل تیار ہو نہیں سکتا کہ انہوں نے میرے



ہو جنوں۔ اہل جنوں کے لیے آغوشِ دواع  
 جاگ ہوتا ہو گریباں سے جدا میرے بعد  
 کون ہوتا ہو حریتِ مردانگی عشق؟  
 ہو کر لبِ ساتی پے صلا میرے بعد  
 غم سے مڑا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی  
 کہ کرے تعزیتِ مرد و وفا میرے بعد  
 آئے ہو بے کسی عشق پہ رونا غالب  
 کس کے مگر جائے گا یل لبِ بلا میرے بعد

کے لیے اب کوئی مناسب جگہ آتی نہیں ہے اس لیے عشق کو لگا دینا زبردستی غلط ہے۔ یعنی اس نے  
 بہت بعد سے لگایا ہو گا۔ کیونکہ میں تو ہوں ہی نہیں اب سر نہ لگا کر نشانہ پیدا کس کو بنایا جائے گا۔  
 لے آغوشِ دواع ہو۔ یعنی رخصت ہو رہا ہو شاعر کہتا ہے کہ میرے بعد جنوں اہل جنوں سے رخصت ہو رہا ہو۔  
 اد جاگ گریباں سے جدا ہوتا ہو مطلب یہ ہے کہ میں نے جنوں اد جاگ گریباں کا قسم ہی تمام کر دیا۔  
 عہ اس شعر میں لفظ کز سے عجیب خوبی پیدا کر دی ہے۔ وہ شعر مراد میں کو سوا یہ لہجے میں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے  
 عشق آتا ہو کوئی بچہ جو مردانگی عشق کا حریت ہو؟ "یعنی کوئی ہو جو غالب کی برابری کرے لیکن جب کوئی اس کو نہ  
 پرہے تیس آتا ہے یہ وہ بچہ سا ہے جس میں کتا ہو؟" کون ہوتا ہو حریت جو مردانگی عشق "یعنی کوئی نہیں ہوتا ہے  
 عہ شاعر کہتا ہے کہ میرے سے پہلے مجھے اس بات کا غم ہو کہ میرے بعد کوئی شعر وفا کی ہمدردی کرے والا بھی  
 باقی دیکھئے گا یعنی مرد و وفا کا میرے بعد خاتمہ ہو جائے گا۔"

عہ شعر و ثانی میں سببِ پے بلا سے عشق مراد ہو ٹھوکر کتا ہو کس کے مرنے کے بعد عشق کا طرہ رخسار کوئی  
 دنیا میں باقی نہ رہے گا کیونکہ وہ سببِ بلا ہو اور اس لیے سوا غالب کے ایسا کون ہو جس مرد ہو جو اس بلا کا  
 اپنی گھر میں جانا پسند کرے ۱۲



## ر د ی ف ( ر )

بلے۔ ہیں جو یہ پیش نظر۔ درو دیوار  
 و فرائیگ نے۔ کاشانے کا کیا یہ رنگ  
 نہیں جو سایہ۔ کہ سن کر فویدہ مقدم یاد  
 ہوئی جو کس قدر ازانی محو جلوہ !  
 جو جوتھے سر سودائے انتظار۔ تو۔ آ  
 چوم کر یہ کاسا ان کب کیا میں نے ؟  
 وہ آہ مرے ہمسائے میں۔ تواسائے سے  
 نظرمیں کھٹکے دیں تیرے گھر کی آبادی  
 تپو چھبے خود ہی عیش۔ مقدم سیلاب

بھکا و شوق کو ہیں۔ بال و پر۔ درو دیوار  
 کہ جو گئے مرے دیوار و در۔ درو دیوار  
 گئے ہیں چند قدم پیشتر۔ درو دیوار  
 کہ مست جو ترے کوسچے میں ہر درو دیوار  
 کہ ہیں۔ دوکان متاع نظر۔ درو دیوار  
 کہ گر پڑے۔ نہ مرے پاؤں پر درو دیوار  
 ہوئے قدا درو دیوار پر۔ درو دیوار  
 ہمیشہ روتے ہیں ہم۔ دیکھ کر۔ درو دیوار  
 کہ ناپتے ہیں پڑے۔ سرسبز درو دیوار

لے دیوار و در۔ درو دیوار ہو گئے۔ فکروں کا یہ ٹکٹ پھر ثابت بنا رہا جو۔ مطلب یہ کہ دیوار سے ہر جہت  
 دروازہ کا کام دینے لگی یعنی جہاں پر وہ کھڑی نظر آتی تھی وہاں راستہ چلنے لگا اور دروازہ کے منہ  
 ہونے سے اس کی شے کا اتنا بطور دیوار کے ہو گیا جو  
 لے سایہ درو دیوار کا سایہ۔ ہر جہت کا سایہ اس سے آگے بڑھتا جو کہ میرے درو دیوار کا سایہ  
 جو اس سے آگے بڑھ کر پڑتا ہو گا یہ درو دیوار ہی جو اس کے استبدال کے لیے چند قدم آگے کو بڑھ گئے  
 ہیں۔ ۱۲۔

لے سایہ سے اپنے دیوار سایہ ۱۲

لے سیلاب کی آہ کا توجہ غائب ہو جاتی ہو کرتا جو۔ شاخ اس کو اپنے خود ہی عیش سے تھک کر کرتا جو اور کرتا جو کہ



نہ کہہ کسی سے کہ غالب۔ نہیں زمانے میں  
حریت را در محبت۔ مگر۔ درو درو ار

جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر؟ کہے بغیر  
”جاؤں کسی کے دل کی ہیں کیونکہ کہے بغیر  
یہ ہے نہ کوئی نام۔ مستمگر۔ کہے بغیر  
سر جاتے یا رہے نہ ہیں پر۔ کہے بغیر  
پھوڑے نہ خلق۔ گو۔ مجھے کافر کہے بغیر  
بستی نہیں ہو۔ باد و ساغر۔ کہے بغیر  
سنا نہیں ہوں بات کمر کہے بغیر

مگر جب بنا لیا ترے در پر۔ کہے بغیر  
کہتے ہیں۔ جب رہی نہ تھے طاقتِ سخن  
کام اس سے آہٹا ہو۔ کہ جس کا جہان میں  
ہی میں ہی کچھ نہیں ہو سارے دگر نہ ہم  
چوڑوں کا بین نہ اس بے کافر کا چنا  
مقتصد ہو ناز و غمزہ۔ ملے۔ نکل گویں کام  
بہرا ہوں میں۔ تو چلیے۔ دواہم الفت

غالب۔ نہ کہ خنوریں تو بار بار عرض  
ظاہر ہو تیرا حال سب اُن پر کہے بغیر

جلتا ہوں۔ اپنی طاقت دیدار دکھ کر  
سرگرم ناہائے شہر باد نکھ کر  
رکتا ہوں۔ تم کو بے سبب زار۔ دیکھ کر

کیوں جل گیا نہ تابِ مِرخِ پارسو کچھ کر؟  
آتشِ پست کہتے ہیں۔ اہل جہاں مجھے  
کیا آبرو سے عشق جہاں عام ہو جفا۔

سبب کی آہ سے درد کے گونے کو ۱۱ رقص کہتا ہو۔ رقص کو عیش سے جو نسبت ہو ۱۲ افلا ہر ہو ۱۳



مڑتا ہوں اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر  
 روزے جو صبح کی تری رفتار دیکھ کر  
 ہم کو مرے لذت آزار دیکھ کر  
 لیکن عیاں طرح خریدار دیکھ کر  
 رہرو چلے ہی راہ کو ہموار دیکھ کر  
 جی خوش ہوا ہی راہ کو پُر غار دیکھ کر  
 طوطی کا عکس سمجھے ہی دنگار دیکھ کر  
 دیتے چرناوہ۔ حرفِ قح خواب دیکھ کر

آتا ہو میرے قتل کو۔ پر جوشِ شک سے  
 ثابت ہوا کہ گردن مینا پہ خونِ خلق  
 داسر تا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ  
 یک جلتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ  
 زنگار باندہ۔ سبھر صد دانہ کو لڑوا ل  
 ان آبلوں سے پانوں کے گھبرا گیا نہیں  
 کیا پدگماں ہی مجھ سے کہ آغیے میں سر  
 گرنی قحی ہم چہ رہن تھلی۔ نہ طوط پر

سر پہ نژادہ غالب شوریہ، حال کا  
 یاد آ گیا مجھے۔ تری دیوار دیکھ کر

لڑتا ہی مراد دل۔ زعمتِ مہر درخشاں پر

میں ہوں وہ قطرہ شبنم کہ ہر خارِ بیاباں پر

لے جوشِ رنگ سے مڑتا ہوں: سنی تلوار کی اس خوش قسمتی پر کہ وہ مشوق کے ہاتھ میں جو شک  
 کرتا ہوں ۱۱

۱۱ جب تو شراب پی کر چلا دو تو تیری رفتارِ ستانہ کو دیکھ کر حیرتِ عکازہ آجاتا ہوں: اُس سے یہ ثابت  
 ہو جاتا ہے کہ خونِ خلق کا باعث بھی مشوہ شاربِ جو نہ تو شرابِ پیمانہ تیری رفتارِ ستانہ سے خلق کا خون  
 نہ اپنے مشوق کی انتہا۔ عکازہ کی کو بیان کرتا جو طلب اس شکر کا کہ جو کہ میرے آئینہ دل میں آنگاہ



نہ چھوڑی حضرت یوسفؑ تے یاں بھی غلام آرائی  
 سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی جو زنداں پر  
 فنا تسلیم دس بے خودی ہوں۔ اُس نے سے  
 کہ۔ مجنوں نام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستان پر  
 فرقت کس قدر رہتی تھی تشویش مرہم ہے!  
 بزمِ صبح کرتے پارہائے دل نیکو اس پر  
 نہیں آفتیم الفت میں۔ کوئی طواریز ایسا  
 کہ پشتِ چشم سے جس کی نہ ہو دی مٹھنوں پر  
 مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ۔ یاد آیا  
 کہ فرقت میں تری۔ آتشِ برستی تھی گلستاں پر  
 بجز پردہِ شوقِ ناز۔ کیا باقی رہا ہوگا؟  
 قیامت رک ہوائے تندہی۔ خاکِ شہیداں پر  
 نہ لو ناصح سے غالب۔ کیا ہو اگر اُس شہادت کی  
 ہمارا بھی تو آخسر زور چلتا جو گریباں پر

پہلی صورت داری کو دیکھ کر وہ طوفان کا عکس سمجھتا جو پہلی کس دھڑکے مشوق کی محبت کو اس ایسی کا  
 باعث سمجھتا جو حالِ فکر سے اس دافتر دگی خودی کی ڈیرہ مالی اور بے مری کی پیدائی ہوئی ہو۔  
 وہ دافتر۔ پشتِ چشم سے شاعر نے افسانہ نگار مراد لیا جو۔ شاعر کا مطلب ہے جو کہیں طرح دفر کے  
 لورہ انداز میں صبر کا ہوا تیج سمجھا جاتا ہو۔ اسی طرح ناز اور کٹاقل لازم و ملزوم ہیں۔



ہو جس کہ۔ ہر اک اُن کے اشارے میں نشاں اور  
 کرتے ہیں محبت۔ تو گزرتا ہی تمہاں اور  
 مارب۔ وہ نہ بکے ہیں۔ نہ بچھیں گے۔ مری بات  
 دے اور دل اُن کو۔ جو نہ دے مجھ کو زباں اور  
 ابروئے ہو کیا اُس نگہِ ناز کو پیو نہ  
 ہو تیر مقرر۔ مگر اُس کی ہو کہاں اور  
 تم شہر میں ہو۔ تو ہمیں کیا غم ہے جب اُنھیں گے  
 لے آئیں گے بازار سے۔ جا کہ دل و جاں اور  
 ہر چند ٹبکت دست ہوئے۔ بُت شکنی میں  
 ہم ہیں۔ تو ابھی راہ میں ہو سنگِ گراں اور  
 ہو خونِ جگر جوش میں دل کھول کے روتا  
 ہوتے جو کئی۔ دیدۂ غوں نا بہ فشاں اور  
 مرتا ہوں۔ اس آواز پہ۔ ہر چند۔ سراڑ جائے  
 جلاؤ کو۔ لیکن وہ کہے جائیں کہ "ہاں اور"  
 لوگوں کو ہو غورِ شہید جہاں تاب کا دھوکا  
 ہر روز دکھاتا ہوں میں۔ اک داغِ نہاں اور

لے ایک دستہ مشاق۔ "ہم ہیں"۔ یہ سخن کہ جہر میں۔ خدا رسی کی راہ میں ایک چٹان ہے  
 جس پر شاہِ شہید کا سر ہے۔ جو انہی پر سر ہے۔ چار پہنچنے کے منزلِ غلامی تک جو نہ  
 کسی نے خود کو نہ دیکھنے کی ضرورت ہو۔



لیا نہ اگر دل تمہیں دیتا - کوئی دم چین  
 کرتا - چرنا - مرنا - کوئی دن - آہ و خفاں اور  
 پاتے نہیں جب ماہ - تو چٹوہ جاتے ہیں نالے  
 نکلتی ہو مری طبع - تو ہوتی ہو رواں اور  
 ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے  
 کہتے ہیں کہ "غالب کا ہی اذانِ بیاں اور"

صنائے حیرت آئینہ ہو سامانِ رنگِ آخر  
 تنقیرِ آبِ برجامندہ کا - پاتا ہی رنگ - آخر  
 نہ کی سامانِ عیش و تنجاء نے تقدیرِ وحشت کی  
 ہوا - جامِ زمرہ بھی مجھے داغِ پلنگِ آخر

جنوں کی دست گیری کس سے ہو؟ گر ہونہ عریانی  
 گریباں جاگ کا حق ہو گیا ہی میری گردن پر

ماہ اس شرمیہ تنقیدِ فعلی داغ ہوئی جو اس نے شعر کو چھلکا دیا اور زانکھنے خطا میں اس کے سنسن گئے  
 ہیں بہت لطیف تقریریں جو صفا کو ربط جو چین کے کرشمہ کو جو آہ و خفاں سے حریف ہیں شہدِ موسیٰ اور فعلی و فطری  
 مصوب ہیں فارسی میں تنقیدِ معنوی حبیب اور تنقیدِ فعلی جانور کبک ضعیف اور طبع - رتبعہ تنقید و غایتی - حاصل میں معمر ہیں  
 ہیں جو کہ گردل نہیں بچتا کوئی دم چین ہے - گر نہ مرنا تو کوئی دن آہ و خفاں کرتا ہے  
 عہدِ آبِ برجامندہ - رنگِ جگر شہر ہو اپانی - مطلب یہ جو کہ جس طرح ایک جگر شہر سے ہوئے بانی کا قہر  
 ایک رنگ پیدا کرتا ہے جس سے کہ کا ہی ہم جانتے ہیں - اسی طرح آئینہ کا منظر ہے جس سے کہ جگر شہر ہوئے بانی کا قہر



برنگ کاغذ آتش زدہ۔ نیزنگ بے تابانی

ہزار آئینہ دل باز سے ہو۔ بال یک تمیدن پر

فلک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہو؟

شعلہ بردہ کو۔ بجھے ہوئے ہیں۔ قرض۔ بھرن پر

ہم۔ اور۔ وہ بے سبب رنج۔ امشا دشمن۔ کرکھتا

شعلہ سر سے تہمت نگہ کی۔ چشم روزن پر

فقا کو سوچ کر مشاق ہو اپنی حقیقت کا

فروغ طالع غاشاک ہو موقوف گلشن پر

اشد بشل ہو کس انداز کا! قائل کے کتاب

کے شوق نازک خونِ دو عالم بے سی گردن پر

ثانی میں گریبان سے خطاب کیا گیا ہو۔ گریبان شادی اور سے محبت نامزد ہوتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ  
سے گریبان اس چاک کا میری گردن پر ہی ہوگا تو کہ شے نے مجھے مران کر دیا ہے جنوں کی ونگیری بیخبرانی  
کے نہیں ہو سکتی۔ مرانی کا مرکز جنوں ہو ۱۲

۱۱۔ صحر اول کے آخر میں "جو" مخدوم ہو۔ نیزنگ و رشیدہ۔ بال مسا دو۔ اس شعر کی تشریح ہوئی  
نیزنگ خیالی شعلہ کاغذ آتش زدہ ہو کہ دل سے ایک ایک بال تمیدن پر ہزار ہزار کیے باز ہے جس شاعر نے  
شعر میں آئینہ شعلہ کو شعلہ سے تشبیہ دی ہو کہ کاغذ آتش زدہ سے بلند ہو ۱۲۔

۱۳۔ شعلہ بردہ یعنی روشنی ہوئی ہو ۱۴۔

تہہ بے سبب رنج۔ بردہ و بردہ ہونے والا۔ امشا دشمن و مشوق۔ شاعر کتاب کو کہ ہم کو بے سبب بخیرہ  
ہوئے تلے دشمن سے کام چا ہو شعلہ مرکبات، نغمہ کہ چشم روزن پر بدنگاہی کا لڑام رکھتا ہو۔ بعض بدو کہ  
میراج ایسا صہ گیا ہو وہ غلط ہو ۱۵۔

۱۶۔ اس شعر میں امشا "کس" استغفار نہیں ہو۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے لیے استغفار ہوا ہو ۱۷۔



ستم کش مصامت سے ہوں۔ کہ خواہاں تجھ پہ عاشق ہیں  
 مختلف بر طرف۔ مل جائے گا۔ تجھ سار قیب۔ آخر

لازم تھا۔ کہ دیکھو میرا رستا کوئی دن اور  
 تنہا گئے کیوں؟ اب رہو تنہا کوئی دن اور  
 مٹ جائے گا سر۔ گر ترا پتھر نہ گھسے گا  
 ہوں در پہ تو سے ناصیب فرما کوئی دن اور  
 آئے ہو کل۔ اور کج ہی کہتے ہو کہ جاؤں  
 مانا۔ کہ ہمیشہ نہیں۔ اچھا۔ کوئی دن اور  
 جاتے ہوئے کہتے ہو: "قیامت کو ملیں گے"  
 کیا خوب: قیامت کا ہو گا یا کوئی دن اور  
 ہاں۔ اٹے نکال پیر۔ جوں تھا ابھی۔ عارف  
 کیا تیرا بگڑا؟ جو نہ مڑا کوئی دن اور  
 تم ماؤ شب چار دہم تھے مے مگر کے  
 پھر کیوں نہ رہا مگر کا وہ نقشا کوئی دن اور

۱۔ تجھ ساقب: تیری مثل وہ جن جو تجھ رہا خلق جو ۱۰  
 ۲۔ عارف: غلط تھا تو حق ۱۱ عارفین: مانا کا۔ جو مڑا، غالب کے حضور رہا تھے جو انی میں ان کو موت آئی۔ یہ  
 غزل انھیں کے مہیشے کے طور پر لکھی گئی تھی۔ اسی شعر سے پہلے اور بعد ساقب، اشعار میں انھیں کو غالب کیا ہو ۱۲



تم کو ن سے تھے ایسے مکرے داد و ستد کے؟

کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے تمہیں نفرت تھی۔ تیرے لڑائی

بچوں کا بھی دیکھا نہ تھا شا کوئی دن اور

گزری نہ ہر حال یہ مدت خوش و ناخوش

کرنا تھا جوں مرگ گزرا کوئی دن اور

ناداں ہو جو کہتے ہو۔ کہ۔ کیوں جیتے ہیں غالب؟

قسمت میں ہو مرے کی تمنا کوئی دن اور

## زولیف (ز)

جو دن عیشِ زینت جپ کفن ہنوز

ہوں گُلِ فردوسِ شوخیِ فراغ کفن ہنوز

فاریغ مجھے زجان۔ کہ مانندِ صبح و ہر

ہو نازِ مناساں ذرا از دستِ رفیع

یہ تیرا مرزا غالب کے ایک شاگرد حیدر اراؤں کے مخصوص ہیں تھے۔ مارن کو تیرے ساتھ مرزا کی خصوصیت  
لگا رہی۔ یہ اشارہ ہی ہاتھ کی طرف ہو۔

یہ اس شعر میں جپ کفن کو صبح سے اور فراغ عیش کو آغاب سے تشبیہ دی گئی جو مطلب یہ ہو کہ میں  
رہنے پر بھی عیش سے غالی نہیں ہوں۔



مخافت جگر میں۔ یہاں خاک بھی نہیں

خیا زہ کھینچے ہی بہت بے داد فن ہنوز

حرفِ مطلبِ شکل نہیں۔ فنونِ نیاز  
نہ ہو بہ ہرزہ۔ بیاباں نور و وہم و جد  
وصال جلوہ تماشا ہی پر موعظ کہاں  
ہر ایک دیکھ عاشق ہو آفتاب پرست

وہا قبول ہو یا رب۔ کہ غمِ خضر دمان  
ہنوز تیرے تصور میں ہی نشیب و فراز  
کہ دیکھے آئینہ اختلا۔ کوہِ پر واز  
گئی نہ خاک ہوئے پر ہوا سے جلوہ تاز

نچوچھ دستِ مخافت جنوں۔ غالب!  
جہاں پہ کاسہ گردوں ہی۔ ایک خاک انداز

لہ اشعر میں غم نے خون کو خراب سے نسبت دی ہو وہ عشق کی نسبت کہا ہو کہ وہ میرے خون جگر کا  
شراب کچھ کر چٹا ہو۔ شاعر نے اس شعر میں اپنے عشق کی خوشخواری کا نقش اس میں کھینچا ہو کہ وہ  
میرے جگر میں خون کا ایک قطرہ تک باقی نہیں رہا لیکن وہ اس کی تناسل ایک انگوائیاں لے رہا ہو۔  
وہ عشق کی تازہ مدد ملے نیاز۔ اس شعر میں شاعر نے کمالِ صبر و داس کا اظہار کیا ہو وہ کہتا ہو کہ کسی  
شکلِ مقصد کے حل ہونے کی وہ ماقبول نہیں ہوتی اس لیے اب ایسی چیز طلب کریں گے جو پہلے ہی سے  
ہی چمکی ہو مثلاً غمِ خضر کی مدد ہی ۱۲۔

۱۳۔ اشعش میں شاعر نے وحدت الوجود کے مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہو وہ کہتا ہو کہ تو یہ ہو دگی سے وہم و جد  
کے بیاباں میں جھکتا ہے۔ یہ مطلب ہے کہ کوئی وحدۃ الوجود کا عقیدہ اختیار کر۔ ہنوز تیرے تصور میں نشیب و فراز  
ہیں یعنی اب تک تجھ تصور نا تمام تھا عشق ہو ۱۴۔

۱۵۔ وصالِ جلوہ تماشا زہ ناز ہی ترکیب جو یعنی وصالِ دارِ جلوہ میں ناز تھا دکھانے والا ہو۔ پرہیز یعنی اعتدال۔  
ناؤ کہتا ہو کہ اختلا کے بعد جلوہ میں بار کا تماشا ممکن ہو لیکن اختلا کی حالت کے لیے ہو ۱۶۔

۱۷۔ مخافت جنوں و صوفیوں جنوں کا کہہ دیں۔ ناصان خاک اختلا کے طرف میں ہو ہر ایک کی بارگاہ صیقا کا پیش



<p>دستِ نسی کرم دیکھ کہ سرتاسر خاک یک قلم کاغذِ آتش زدہ ہو صنوبرِ دشت</p>		<p>گزرے ہی۔ آبلہ پا ابرو گہرا رہنواز نقشِ پامیں جو تپ گری رفتارِ ہنواز</p>
<p>کیوں کر اس عبت سے دکھوں جان عزیز دل سے نکلا ہے نہ نکلا دل سے</p>		<p>کیا نہیں ہو مجھے ایمانِ عزیز ہر ترے تیر کا پیکانِ عزیز</p>
<p>تاب لائے ہی بنے گی غالب داغِ سحت ہو اور جانِ عزیز</p>		
<p>نہ گلِ نمند ہوں۔ نہ پر دہ ساز تو۔ اور آراشِ حسیم کا کل</p>		<p>میں ہوں اپنی شکست کی آواز میں اور اندیشہ طے دورِ دماز</p>
<p>۱۔ شاعر نے اس شعر میں گریوں کی شان دکھائی ہو۔ مطلب یہ کہ گریوں کو بخش گرتے کرتے شکستہ آہٹا، چلیے بکلا بر گمراہ کی مثال سے سبق لینا چاہیے کہ وہ باوجود آبلہ پائی کے نہ بدلنے میں سرگرم رہتا ہو۔ ۲۔ قنارات یا ماں کی چادر ہو کہ آبلہ پا کہا ہو ۱۲۔ ۳۔ کاغذِ صفت کی متابعت سے یک قلم کاغذ کیسر کے معنی میں اس شعر میں ہستیاں کیا گیا جو شاعر کو کہتا ہے ایسا گرم رفتار ہوں کہ میرے نقشِ قدم میں اب تک وہ گری باقی ہو جس سے سدا بہار دشت کاغذِ آتش زدہ بنا ہوا ہو ۱۳۔ ۴۔ مطلب یہ کہ مذہبِ عشق میں جو بسے جاں عزیز رکھتا یعنی اس پر جان قربان نہ کرنا کفر ہو ۱۴۔ ۵۔ نہ نکلا دل سے اور نہ کوشش نہ ہوا ۱۵۔</p>		



تکلیف نہ تھیں۔ فریبِ سادہ ولی  
ہوں گرفتارِ الفتِ صیتِ ساد  
وہ بھی دن ہو کہ اُس ستم گرے  
نہیں دل میں مرے وہ قطرہ خون  
اُسے ترا جلوہ۔ یک قانگی سز  
تو ہوا جلوہ گر۔ مبارک ہو  
مجھ کو چچا۔ تو کچھ غضب نہ ہوا

ہم ہیں۔ اور رازِ بائے سینہ گداز  
ور نہ باقی ہو طاقتِ پرواز  
ماز کینچوں۔ بجائے حسرتِ ناز  
جس سے شرکاں ہوئی نہ ہو گلاب  
اے تراظم۔ سر پہ سرا انداز  
ریز شش سجدہ جبینِ نیاز  
میں غریب اور تو غریب نواز

اسد اللہ خاں۔ تمام ہوا  
اے درہنہ۔ وہ رندِ شاہ باز

۱۔ مطلب یہ ہے کہ عشق میں ہماری شہینگی کہ ہم بے پروا سے ثابت قدم ہیں۔ ہماری سادہ ولی کے  
سب سے بڑی کمزوری کہ جس سے دل میں تو ایسے سید گداز ماز بھرے ہوئے ہیں جن کے ہوتے ہوئے  
لیکن میں ثابت قدمی اور فداکاری اور دنیا شکل جو۔  
تو اس شرمیہ لفظ سے "ہم" کے لیے "آیا ہو"۔  
تو میں سادہ خوں بگون سے نکلا گیا۔

۲۔ شعرِ اولیٰ میں "تے شکر" کا زعم "اور معرہ ثانی میں "اُسے گھنڈا" کے "قلم" مخدوم ہو ۱۲  
۳۔ اس شعر کے معرہ اولیٰ میں "کچھ غضب نہ ہوا" کے ٹکڑے نے عجیب طعن پیدا کر دیا ہے جو نہایت  
کثیر المعنی ہے۔ اس جملہ کی تفسیر کوئی اور سزا گوارا ہوا پر ختم کر دیا جائے مثلاً "میرانی کی" تو وہ بات چہا  
شیر ہوئی ۱۲۔



# ردیف (س)

مردہ۔ اسے ذوقِ امیری۔ کہ نظر آتا ہو  
 دامِ خالی۔ قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس  
 جگر تشنہ آزار۔ نسلِ نہ ہوا  
 جو کئے غلوں ہم نے بہائی۔ بے ہر خار کے پاس  
 سنا گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں چڑھا  
 خوب وقت آئے تم اس عاشقِ ہمارے پاس  
 میں بھی رُک رُک کے نہ مڑتا۔ جو زباں کے پہلے  
 دشتِ اک تیز سا ہوتا مرے غمِ خوار کے پاس  
 دہن شیر میں جا بیٹھیے۔ لیکن اسے دل  
 نہ کھڑے ہو جیسے خوابِ دل آزار کے پاس  
 دیکھ کر تجھ کو۔ چمن بس کہ نہ کرتا ہو  
 خود بہ خود۔ پہنچے ہو گل۔ گوشہ دستار کے پاس  
 مریا بھوڑ کے سرِ غالبِ وحشی ہو جیو  
 بیٹھنا اُس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

لے تشنہ آزار۔ خواہشِ منہ آزار۔ شاعر نے نسلِ نہ ہوا۔ یعنی نسلِ نہ ہونے والا نہ ہوا۔ انصاف ہو



# رویف (ش)

نہ لپٹے گریخس جو ہر طراوت سبزہ خط سے  
لگا دے خانہ آئینہ میں۔ روئے نگار۔ آتش  
زرق حسن سے ہوتی ہو حل مشکل عاشق  
نہ بھلے۔ شمع کے پاس۔ نکالے گرنہ خار۔ آتش

# رویف (ع)

جادوہ۔ خور کو وقت شام ہو تا و شمع  
چرخ واکرتا ہو او نئے آغوش وداع

ملہ اس شعر میں جہر آئینہ کو شاعر نے غریب ہو کر کہا ہو مطلب یہ ہو کہ جہر آئینہ کو مستحق کے سبزہ خط سے  
طراوت پہنچ جاتی ہو و ہر اس کے آتش رخ کے عکس سے خانہ آئینہ میں آگ لگ جائے۔ ۱۱۔  
تہہ موم تنی میں جو ڈوبا ہوا ہو اسے خار شمع کہا گیا ہو۔ مطلب یہ ہو کہ جب موم تنی روشن ہوتی ہو تو وہ دراصل کہ  
پائے شمع سے نکل جاتا ہو یعنی آتش سے شمع کی شکل مل جاتی ہو۔ ۱۲۔

تہہ یہ حرف ایک شعر ہو۔ ہماری غزل میں جو غزل سے اس کا تعلق ہی نہیں ہو۔ شاید کسی قصیدہ کا مطلع ہو۔  
۱۱۔ و شمع شاعر نے اس خط کو کہا ہو جو غروب آفتاب کے بعد (۱۱۔ مطلع سے) کچھ قبل، ایک خط، یعنی آسمان پر  
دکھائی دیتا ہو (۱۱۔ اہل رصد کی زبان میں اس کو زرق کہتے ہیں) مطلب یہ ہو کہ شام کے وقت آفتاب سفر  
کرتے کرتا رہا ہو اور آسمان او کو کر آغوش وداع کی صورت میں ظاہر کر کے جھنکی ممانہ کر کے لیے تیار ہو۔ ۱۲۔



ہوئی ہو۔ آتشِ مہلِ سب زندگانیِ شمع  
 یہ بات نرم میں روشن ہوئی زبانیِ شمع  
 بجز زابلِ فنا ہو۔ فنا نہ خوالیِ شمع  
 ترے رزق سے ظاہر ہونا تو اپنی شمع  
 بہ جلوہ ریزیِ باد۔ وہ پریشانیِ شمع  
 ٹٹھکی ہو۔ شہیدِ مہلِ خزانہِ شمع

سُجھ گھارے ہو۔ سوزِ جاودانیِ شمع  
 زبانِ اہلِ زبان میں اہوِ مرگ۔ خاموشی  
 کہے ہی صرف ہا ایمائے شعلہِ قصہ تمام  
 غم اُس کو مسرت پر دانہ کاہی۔ اویں شعلہ  
 ترے خیال سے روحِ ہمتِ از کرتی ہو  
 نشاطِ داغِ غمِ عشق کی ہمارے پوچھ

چلے ہو۔ دیکھ کے باہینِ یار نہ مجھ کو  
 نہ کیوں ہوں دل پہ مرے داغِ بدگمانیِ شمع؟

مطلب یہ ہے کہ معشوق کے شمع سے شمع کو سوز جاودانی ہو۔ آتشِ مہلِ کو جو کہ ہرگز معشوق میں روشن  
 کے لیے لبِ حیات قرار دیا جو کہ نہ شمع، انجی وقت تک نہ اچھی جاتی ہو جب تک کہ وہ روشن رہے۔  
 بھی ہوئی شمع کو شاعر نے کشتہ کہتے ہیں۔

یہ شعلہ کو جامِ لب کے گتا ہو کہ اسے شعلہ تیرے رزق سے ظاہر ہونا جو کہ مسرت پر دانہ کے غم سے  
 شمع انوار ہو گئی ہو۔

یہ اجترزا نہ بہت جیشِ سرور۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہرگز جلوہ ریزی سے شمع کو حرکت ہوئی ہو اسی  
 طرح تیرے خیال سے روحِ جیشِ سرور میں آجاتی ہو۔

یہ شہید اور عاشق۔ گلِ خزانہ، رنگِ خزانہ زود۔ مطلب یہ ہے کہ غمِ عشق کا وہن جو خوشی سے بلایا داغ  
 ہو رہا ہو اس کی کلیتہاً بنا رکھ دی ہے۔ اس کی شگفتگی شمع کے خزانہ زود شمع کی عاشق ہو یعنی فنا  
 ہونے والی ہو۔



## رویت (ف)

محبوریاں تکا ہوئے۔ اور اختیار حیف  
اے ناتواں ہی نفسِ شعلہ بار حیف

بیمِ رقیب سے نہیں کرتے وداعِ ہوش  
جیتا بچو دل کہ کیوں نہ ہم اک بار مل گئے

## رویت (ک)

کیا مزہ ہوتا۔ اگر تیر میں بھی ہوتا تک  
ور نہ ہوتا ہو جاں میں کس قدر پہلا تک  
نالہ بیل کا درد۔ اور خندہ گل کا ملک  
گردِ ساحل ہو۔ بہ زخمِ موجِ دریا تک

زخمِ پچھریں کس کہاں۔ شلالِ بے پروا تک  
گردِ راویار۔ جو سامانِ نازِ زخمِ دل  
محب کو ازانی رہے۔ بچہ کو مبارک ہو جیو  
شوقِ چوہاں تھا کنا۔ بھر کر کس کا کہ آج

شعِ نفس۔ ہمنوا ۱۰  
نہ عشق کے۔ سسکی گزرا ہمارے زخمِ دل کے لیے شایانِ ناز ہو نہ دنیا میں تک تو جنتِ پیا ہوتا ہو  
محب میرا تک چاہے جس قدر زخمِ دل پر کیوں نہ بھڑکا جیسے لیکن اس میں ۱۰ مزہ نہیں مٹا جو زخمِ دل  
میں ۱۰ نہ گوارہ کے بھر جانے سے ملتا ہو ۱۰  
جہ دریا کے کنارے کس عشق کا گھوڑا لگا کر جہاں تھا کہ سامں کی گردِ موجِ دریا کے حق میں تک جی  
محب ۱۰ جو کہ تو حسنِ زاد کی گرم جواہر کے مقابلے میں دریا کے جوش و غروش کی کج حقیقت نہیں ۱۰



دیا دیتا ہو مرے زخم جگر کی۔۔۔  
چھوڑ کر جاتا تیرا بھروسہ  
عین کی منت نہ کیوں گا۔۔۔

یاد کرنا ہے مجھے۔ دیکھے ہو جس جانک  
دل طلب کرتا ہو زخم۔۔۔  
زخم شہناہ قابل ہو۔۔۔

یاد میں غالب تھے وہ دن کہ وہ جھڑپیں  
زخم سے گرا۔۔۔

آہ کو چاہیے ایک عمر اتر چوڑے تک  
دام ہر سچ میں ہو۔۔۔  
عاشقی صبر طلب اور تمنا جیاب  
ہم نے، لکھتے تھے کہ وہ گئے لیکن  
پتہ نہ ہو سکا ہے شبنم کو خدا کی تقسیم  
ایک نظر بیش نہیں نصیب ہستی غافل

کون جیتا ہو تری زلف کے سرچنے تک  
دیکھیں کیا گزری ہے۔۔۔  
دل کیا دنگ کر دے۔۔۔  
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک  
میر میں ہوں ایک عنایت کی نظر ہے تک  
گہری بزم ہو۔۔۔

لے زخم جگر کی۔۔۔  
سہ دل کا کیا دنگ کر دے۔۔۔  
سہ مشرق کی نظر غالب کو انتخاب کے مکس سے تشبیہ دینی ہو۔۔۔  
سہ اس شمع میں انسان کو غافل کہہ کر غافل کیا ہو۔۔۔



غمِ ہستی کا افسردہ کس سے ہو؟ جز مرگِ علیح  
شمعِ ہر رنگ میں جلتی ہو سحرِ نئے رنگ

## رویفِ رگ

گر تجھ کو ہر یقینِ اجابت دعا نہ مانگ  
آتا ہو تیغِ حسرتِ دل کا شمار یاد  
میں بیخیز یکِ دل بے دعا نہ مانگ  
مجھ سے مرے گنہ کا حساب ہی خود مانگ

## رویفِ دل

ہو کشتِ قدرِ پاکِ فریبِ وفائے گل  
آوازِ موسیقیِ سیمِ مبارک کہ ہر طرف  
بلبل کے کاروبارِ پیرِ پر خندہ ہاؤس گل  
ٹوٹے پڑے ہیں حلقہٴ دایرِ ہواؤس گل

ملنے بیڑے کے مٹی جیساں سواکے ہیں مطلب یہ کہ دل بے دعا کے سوا کسی اور چیز کے تو حاصل ہونے  
کی دعا نہ مانگ مگر جب دل بے دعا لے کر دعا قبول ہو جائے گی اور وہ تجھے مل جائے گا تو دعا مانگنے  
کی ضرورت باقی نہ رہے گی ۱۲

عہ بلبل جو وفائے گل کے قریب کا کشتہ ہو اس کی اس طاقت و سادگی پر خود بھول خندہ زد ہیں کہ گشتِ  
خوب دھوکا کھلا ۱۳ کلمہ ہوئے گل :- شوقِ گل - مطلب یہ کہ کھنچو گل کے دھام میں جو پوئے گل تیسرے



جو تھا۔ سو موج رنگ کے دھجوں میں گیا  
خوش حال اس حریفِ پیست کا۔ کہ جو  
ایجا کرتی ہو اسے تیرے لیے بہار  
شرمندہ رکھتے ہیں مجھے ادا بہارے  
شکوت سے تیرے جلوہ حسنِ ظہور کی  
تیرے ہی جلو کا ہو یہ دھوکا لٹیج تک

اے دلے: نالاب غنیمت فائے گل  
رکھتا ہو۔ مثل سایہ گل۔ سبز بہائے گل  
میرا رقیب ہو۔ نفسِ عطر سائے گل  
میلنے بے شراب۔ دہل بے ہوا گل  
خول جو مری نگاہ میں رنگ ادا لے گل  
بے اختیار دوڑے ہو گل۔ دھندل گل

غالبؔ مجھے ہو اس سے ہم آغوشی آرزو  
جس کا خیال ہو گل جیبِ قبا لے گل

حق گل کے گل جانے سے شوقِ گل کا ۱۱۔ ہنسکتہ ہو گیا یعنی بے گل آنا دہو گئی ۱۲  
۱۳۔ مطلب یہ ہو کہ گل کا رنگ اور حقیقت فائے خون اور نالوں پچاں جو شخص اس پر سچ رنگ کا دھوکا  
لگا کر فریفتہ ہو گیا ۱۴  
۱۵۔ سایہ گل سے عاشق سے مست اور گل سے مستون مراد ہو۔ دھڑ سہمہ نلا ہوا ۱۶  
۱۷۔ سطوت، عجب۔ مطلب یہ ہو کہ تیرے حسنِ خیزت مند کے لب سے گل کی ادا کا رنگ میری نگاہ  
میں خون نظر آتا ہو یعنی جھلا نہیں معلوم ہوا ۱۸  
۱۹۔ اس سے ہم آغوشی آرزو اور غالب نے اپنے خرافِ طبع کے مطابق فارسی کاوردہ آرزو آرزو سے  
ہم آغوشی اور دم کا ترکہ کیا ہو۔ یعنی اس سے ہم آغوشی کی آرزو جو جس کے خیال کو گل نے اپنا ذہن گریبا  
نایا ہو ۱۲۔



# روایت (م)

غم نہیں ہوتا ہوا آداؤں کو بیش ادیکہ نفس  
 برق سے کرتے ہیں روشن شمع اتم خانہ ہم  
 خلیں برہم کرے ہی۔ گنجہ باز خیال  
 ہیں برق گردانی نیرنگ یک بت خانہ ہم  
 بادجو ویک جہاں۔ ہنگامہ پیدائی نہیں  
 ہیں چراغانِ شہستانِ دل پر خانہ ہم  
 صفت سے ہی۔ نہ قافیت۔ یہ ترک جستجو  
 ہیں وبالِ تکیہ کا و ہمت سرودانہ ہم  
 عالمِ انجیس اس میں ہیں لاکوں تنائیں آمد  
 جانتے ہیں سینہ پرخوں کو۔ زخماں خانہ ہم

لئے خیال کا خلیوں کو برہم کرنا بیچ جو خلیں برہم ہو گئی ہیں ان کی برہمی کی علامت نہ کرنا۔ ہم صق گردانی  
 نیرنگ بت خانہ ہیں جن برق گردانہ نیرنگ بت خانہ ہیں۔  
 خانہ ہم نے جستجو کر دی جو قافیت کہنا پر نہیں جو کہ ہم میں جستجو کی قافیت ہی نہیں جو اس لیے ہم کی گاہ  
 ہمت مردوں کے لیے وبالوں گئے ہیں یعنی مردوں کا ہنگامہ پر جو کہ ہمت کو ہانک گاہ بنائیں لیکن یہ ان کی  
 سہارا بن گئے۔



متاع خانہ زنجیرِ جزا مظلوم

پتال حاصلِ دوستی سدا ہم کر

مجھ کو دیا بغیر میں مارا وطن سے دور  
رکھ لی مرے خدا نے مری بکسی کی شرم  
وہ طقائے زلف کیوں میں ہیں۔ اے خدا  
رکھ لیجو میرے دعویٰ دوستی کی شرم

## رویف (ن)

لوں۔ دامِ بخت خستہ سے۔ یک خوابِ خوش ولے  
غالب۔ یہ غن ہو کہ کہاں سے ادا کروں

وہ شب و روز دہا و سال کہاں؟  
دوقِ نظارِ دُجال کہاں؟  
شوِ رسو دائے خط و خال کہاں؟  
اب وہ رعنائیِ خیال کہاں؟

وہ فراق اور وہ وصال کہاں؟  
فرصتِ کار و بارِ شوق کسے؟  
دل تو دل۔ وہ داغ بھی نہ رہا  
نہی وہ اک شخص کے تصور سے

یہ اس شعر میں اگر کہہ کر اکی جگہ کر رکھ دیا جائے تو بالکل غاری شعر ہو جائے گا۔ ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ  
میں دل بھلی اپنے کا ہوں۔ وہ نہ خانہ زنجیر میں ہو سوز کے اور کیا رکھا ہو۔ مطلب یہ ہو کہ وہ اکی؟



دلِ طاعت - جگر میں حال - کہاں ؟  
 دلیں جو جاویں گرہ میں حال کہاں ؟  
 میں کہاں ؟ اور وہ بال کہاں ؟

ایسا آساں نہیں - لبو رونا  
 ہم سے چھوٹا تھا رخانہ عشق  
 فکر دنیا میں سرکھپاتا ہوں

مضمحل ہو گئے توئی غالب  
 وہ عناصر میں اعتدال کہاں ؟

کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں  
 ہوتی آئی ہو کہ اجتوں کو برّا کہتے ہیں  
 تج ہم اپنی پریشانی خاطران سے  
 کہنے جاتے تو ہیں پر - دیکھیے کیا کہتے ہیں  
 اگلے دفتوں کے ہیں یہ لوگ بھئی کچھ نہ کو  
 جو مژدہ نغمہ کو اندوہ رہا کہتے ہیں  
 دل میں آجائے جو ہوتی ہو جزو صفت غش ہے  
 ادھر بھر کون سے لمبے کو رسا کہتے ہیں  
 بڑے بڑے سرحد و ماک سے اپنا سجود  
 قبلے کو - اہل نظر - قبلہ نما کہتے ہیں

چاہیے جو شہر آخر ہو -

نہ شاہ نے اس شہر میں ان لوگوں کے احترامات کا جواب دیا جو جہ کہتے ہیں کہ مسلمان



پائے افکار۔ چہ بے تجھے ہم آیا ہو  
 غابرہ کو ترے۔ ہم مر گیا کہتے ہیں  
 اک شرر دل میں ہو۔ اس کوئی گھبرائے گا کیا  
 آگ مطلوب ہی ہم کو۔ جہہ وہ کہتے ہیں  
 دیکھئے۔ لاتی ہو اُس شیخ کی نخوت کیا دنگ  
 اُس کی ہر بات ہے۔ ہم۔ نام خدا کہتے ہیں  
 دشت و شنیفہ۔ اب مرثیہ کہیں مشاعر  
 مر گیا غالب آشفہ نوا کہتے ہیں

آبِ رُو کیا خاک۔ اُس غل کی۔ کہ گلشن میں نہیں  
 ہو گریباں غلگ پیرا ہن۔ جودا ہن میں نہیں

بھی کہہ کر پوچھتے ہیں خاوند نے بتایا کہ ہمارا سہو و طلق اور ایک کی سرمد بھی آدھری جو یعنی اصلہ کعبہ کو ہمارے  
 ذمہ صرف تو تھا کہ اسے جھوس بیٹا ہو۔ بلکہ قوتِ ابراہیم اس کا احساس کرتی جو کہہ کر وہ ہنر و فہم کی  
 ایک تصویر جو ہم سجدہ نہیں کرتے بلکہ ہم اپنے سہو و حقیقی بین خدا سے وعدہ و شریک کہ سجدہ کرتے نہیں بلکہ ہم  
 سجدہ کے لیے جنت مژدہ ہی جو اس سبب سے جنت کہہ کر کہیں کر لیا ہو۔ اسی اصول پر فہم کا یہ مسئلہ ہو کہ  
 اگر غفر میں کسی کو کبھی سست سلام نہ ہو تو وہ شخص جس سست کو نہ کہے فائز نہ ہو گا اسی کی نافر ہو جائیگی  
 مطلب یہ ہو کہ سست و سائل قبائلی نہیں بلکہ قبائلی نہ ہو۔

شہ مر گیا ایک قسم کی ہوتی جو جس کی بڑی چٹل انسان ہوتی ہو مشورہ ہو کہ لوگ اس کو بہ طویل تفسیر ہے اس  
 کہتے ہیں جس کی کیا اس۔ ہوتی ہوتی ہو اس پر لوگ سراپا ہوتے ہیں ۱۱۔  
 عہ نظام علی خاں دشت تلیزہ ہوسن اور قراہ مصطفیٰ خاں شنیفہ غالب کے دوستوں میں تھے۔ قراہ مصطفیٰ



صنف سے اے گرے۔ کچھ باقی میرے تن میں نہیں  
 رنگ ہو کر اڑ گیا۔ جو خوں۔ کہ دامن میں نہیں  
 ہو گئے ہیں حجی اجزائے نگاہِ آفتاب  
 دنیائے اُس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں  
 کیا کوں طاری کی زندانِ غم۔ اندھیر ہو  
 پُنبہ۔ فوج سے کم جس کے روزن میں نہیں  
 رہتی ہستی ہو۔ عشق خانہ ویراں ساز سے  
 انجمن بے شمع ہو۔ گر برق خرمن میں نہیں  
 زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوتی کا ہو طعن  
 غیر سمجھا ہو کہ لذت زخم سوزن میں نہیں  
 بس کہ۔ ہیں ہمراہ کہ ہمارا باز کے مارے ہو کُ  
 جلوہ نعل کے سوا۔ گرد اپنے مدفن میں نہیں  
 قطرہ قطرہ اک ہیولی ہوئے ناسور کا  
 خوں بھی ذوق درد سے فراغ مئے تن میں نہیں

خاں خضیفہ صاحب تذکرہ معتمدین خوار شہر شہر میں گور سے ہیں مضافۃً کیا کہنے صوفی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے  
 لہ جوتی اور اسی داسے کو کہتے ہیں جو مختلف صورتوں میں تبدیل ہونے کی قابلیت رکھتا ہو بشر کا  
 مطلب ہے کہ سب سے لہو کا ہر قطرہ جدید انسان کی صورت پیدا کرنے والا ہو۔ یعنی جس جگہ بدن میں لہو  
 کی برتری ہو انہی جگہ ناسور پیدا ہو جائے گا گو یا سب سے خوں کے ہر قطرے میں ذوق درد موجود ہو اور  
 اسی وجہ سے وہ ایک ناسور بن جانا چاہتا ہو ۱۲



لے گئی۔ ساقی کی سخوت۔ قلم شامی مری  
 سچ ٹوکی۔ سچ رگ۔ یشا کی گردن میں نہیں  
 ہونٹا رضعف میں۔ کیا تا توانی کی نمود؟  
 قد کے۔ بچکنے کی بھی گنجائش مے تن میں نہیں  
 حق وطن میں شان کیا غالب ہے کہ ہر غربت میں قدر  
 بے شکست ہوں۔ وحشت خس۔ کہ گلشن میں نہیں

عروس سے سچ ناز کے باہر نہ آسکا حلقے میں چشم اے کشادہ ہر سو بڈل میں اور صد ہزار نواسے جگر خواش ظالم مرے گماں سے مجھے منقلع چلا	کراک ادا ہو تو اُسے اپنی قضا کہوں ہزار زلف کو نگہ سرمہ سا کہوں تو ادا ایک دن نہ خشنیدن کر کیا کہوں بکری ہو۔ خدا نہ کر دے۔ تجھ سے وفا کہوں
--	--

سہراں بچکے بلالو مجھے چاہو جس وقت ضعف میں طعنہ اختیار کا فکرو کیا ہے؟ نہ ہر شاہی نہیں مجھ کو ستم گر۔ ورنہ	میں گیا وقت نہیں دیوں کہ پھر ابھی سکوں بات کچھ سرتو نہیں کہ کڑھا بھی نہ سکوں کیا قسم ہو ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں
---	--

ملہ ہو کہ پہلے صبر سے سخت کا ذکر ہو اس لیے اس کی رعایت سے گردن دیا میں سچ کی رگ  
 کہا گیا۔ کیونکہ فرد کو رگ گردن سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ مطلب یہ کہ میری بازو نشی نے ساقی کا غرور مٹا دیا  
 اور یشا کی گردن میں سچ کی رگ نہ رہی یعنی سب شے خالی ہو گئے۔ ۱۲۔



ہم سے کھل جاؤ بد وقت کی پرستی ایک دن  
 مدد ہم چھڑیں گے رطل کر حد پرستی ایک دن  
 غرہ اوج بنائے عالم امکاں نہ ہو  
 اس بندی کے نصیبوں میں جو پستی ایک دن  
 قرض کی پتے تھے مگر لیکن سمجھتے تھے کہاں  
 دنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن  
 نئے غم کو بھی سے دل غنیمت جانے  
 بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی کیا بنا  
 دھول دھپا اُس سراپا ناز کا شیوہ نہیں  
 ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پشیمانی ایک دن

ہم پہچانے۔ ترک وفا کا لگ ں نہیں  
 اک چھڑی۔ دگر۔ مراد استحقاق نہیں  
 کس منہ سے شکر کیجئے اس مطلق خاص کا  
 پرکشش ہو اور پائے سخن درمیاں نہیں  
 ہم کو ستم عزیز۔ ستم گر کو ہم عزیز  
 نامہراں نہیں ہو۔ اگر مہراں نہیں  
 بوسہ نہیں۔ نہ دیکھو۔ دشنام ہی سہی  
 آخروں باں تو رکھتے ہو تم۔ گردیاں نہیں



## ق

ہرچند۔ جاں گزازی قمر و عتاب ہو  
 ہرچند۔ پشت گرمی تاب و توان نہیں  
 جاں۔ مطرب تراشہ اہل مین مزید ہو  
 لب۔ پردہ سنج زمرہ الاماں نہیں  
 خنجر سے چیر سینہ۔ اگر دل نہ ہو دو نیم  
 دل میں جھڑی چھو۔ شرہ گر خوں چکاں نہیں  
 ہو تنگ سینہ دل اگر آتش کہہ نہ ہو  
 ہو عیار دل بٹمن۔ اگر آذفتاں نہیں  
 نقصاں نہیں۔ جنوں میں۔ بلا سے ہو مگر خراب  
 شوگر زمین کے بدلے بیاہاں۔ گراں نہیں  
 کہتے چوکیا لکھا ہو تری سر نوشت میں؟  
 گویا جیوں پہ سجدہ بت کافشاں نہیں

لہذا شعر نے بعد وہی شعر کے ساتھ ذکر کرنا چاہیے کیوں کہ یہ دونوں شعر قطع بند ہیں اور مطلب یکساں  
 ہرچند مشوق کا قہر جاں گزازی اور ہمارے تاب و طاقت سے جواب دے دیا ہو یعنی ہم اس کو برداشت  
 نہیں کر سکتے۔ لیکن پھر بھی ہم اس کے قہر سے الاماں نہیں بھارتے بلکہ جاہل ذرا کیا ہی سوال ہو کہ اور کوئی  
 علم گزائی رہ گیا تو اس کے لیے تمام ہوں۔  
 بے آذفتاں و بے آتش فشاں۔



پا ہوں اُس سے داد کچھ اپنے سخن کی ہیں  
روح القدس اگرچہ مرا ہم زبان نہیں

جاں ہی بائے بوسہ۔ ولے کیوں کہے ابھی؟  
غالب کو جانتا ہو کہ وہ نیم جاں نہیں

ایک چکر ہی مسکادوں میں زنجیر نہیں  
جادو۔ غیر از نگہ ویدہ تصویر۔ نہیں  
جادو راہ وفاق۔ جز دشمن شیر نہیں  
خوش میں۔ گزراں نہ رہی کشمیر نہیں

باغ دشتِ نوردی کوئی تدبیر نہیں  
شوقِ شربت میں دھنسے ہو کچھ کہہ جاں  
مسرت لڑتے آزار۔ رہی جاتی ہو  
بچ نو سیدی بادید۔ گوارا رہتو

۱۲۔ سنہ ۱۱۷۱ھ میں اُس جنگ میں لے جانا ہو جہاں مسرت کے سوا کوئی راہ نہیں یعنی دہلی مرہٹوں میں پہنچ کر  
برخشاں کو مسرت ہو جانا ۱۲

۱۳۔ شاعر مسرت کے ساتھ کہتا ہو کہ راہ وفاق جادو تو اس کی باڈو کے سوا کوئی راہ نہیں یعنی باڈو کے لئے قتل  
ہو جانے کے سوا دوسری راہ منزل مقصود پہنچنے کی نہیں ہو۔ ۱۱۔ عجب عاشق قتل ہو جاتا ہو تولدت آزاں کی  
مسرت رہ جاتی ہو ۱۲

۱۴۔ زہراں باغ نادہ یعنی عاجز و ضعیف ترک زبان میں دشت ویدہ کہتے ہیں۔ اس شعر میں آفتاب علی کی مسرت  
کا اندھا دیکھا گیا ہو شاعر کہتا ہو کہ مجھے جوش کی اس اعتلا سیدی ہی دہلی سے ہے۔ بلکہ یہ گوہر انیس کی میرا  
نارنگا شیر کے سامنے عاجز رہ جاتے۔ فرما دیکر ان نصیب ہونا شاعرانی دولت بگھٹا ہو ۱۲



لذتِ ننگ۔ ہاذا ذہ تقریر نہیں  
کوئی تقصیر۔ بجز خجالتِ تقصیر نہیں

سرگھٹا ہو جہاں زخمِ سرتاجا ہو جائے  
جب کرمِ قصت بے باکی و گستاخی سے

غالب۔ اپنا یہ عقیدہ ہی۔ بقولِ ناسخ  
"آپ بے بہرہ ہو۔ جو معتقدِ تیر نہیں"

ہیں حجِ غم و دلِ چشم میں آہیں

ستِ مردِ کب دید میں سمجھو نہ نگاہیں

رکھ گئی مانندِ گلِ سوجھ سے دیوانہ چمن  
سردیہ و صفتِ آزادی۔ گرفتِ رہن

پیشکال دیدہ عاشق ہو۔ دیکھا چاہیے  
اکنتِ گل سے۔ غلط ہو دعویٰ و باشی

جاں سپاری شجرِ بید نہیں  
جامِ مخِ خاتمِ جمشید نہیں

عشق تا ثیر سے نوید نہیں  
تسلطِ دست بہ دست آئی ہو

۱۔ جاں سپاری شجر۔ مطلب ہے۔ جو کہیں وقت زخمِ سرتاجا ہو جائے، کو سر کرنے لگتا ہو جیسا کہ ہاتھ بولے  
۲۔ زہر تھر گیس۔ تھروں کا چوٹ میں جلنے آتا ہو وہ بیان سے باہر ہو  
۳۔ جامِ کرم یا رنگتِ علی کی اجازت دے تو اس وقت جھلکتی جلتی ہوتی ہے  
۴۔ جامِ گل آگ میں گل ہوتا ہو۔ اسی طرح دل میں ایک عقد ہوتا ہو اس کو سو دیکھتے ہیں۔ دلِ چشم سنی و سدا بہرہ  
۵۔ سلف سے جامِ شراب کی طاعت راجہ جو جمشید سے زندوں تک دستِ جہنمی ہوا جمشید کی کوٹھی  
نہیں ہو اس کی ذات پر زخم ہو جائے ۶۔



ہر تخیل تری سامانِ وجود  
را نہ مشوق نہ رُسوا ہو جاے  
گروش زنگِ طرب سے - شہر  
کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ

ذرا بے پروا خوشید نہیں  
درد مر جانے میں کچھ بعید نہیں  
غم محسوس می جاوید نہیں  
ہم کو جیسے کی بھی امید نہیں

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں  
دل آستخفاں - خالی کج دہن کے  
ترے سرو قامت سے اک قید آدم  
تیرا شاگرد - اے مجھو آئینہ داری  
سراغِ تیرا لے - فراغِ دل سے

خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں  
سیدائیں - سیرِ عدم دیکھتے ہیں  
قیامت کے نختے کو کم دیکھتے ہیں  
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں  
کرب شب کو کا نقش قدم دیکھتے ہیں

۱۔ شاعر خداوند عالم سے مخاطب ہو کر گستاخ کی تیری ذات کی جودِ عالم ہو جیسے صلیح خود خدایہ  
ذرا دل کے لیے باعثِ طور ہوا ۱۲۔

۲۔ اس شعر میں "تجھ کو" محذوف ہو کر "طلب" ہو کر حصولِ طرب کے بعد اس کا زوال ایسا جانکا ہو کر اس سے  
محرومی جاوید ہو کر ہو ۱۳۔

۳۔ خدا آ خیاباں - یہ صوفی کثرت ۱۴۔

۴۔ تیرا شاگرد - تیرا شاگرد کا اسی ترجمہ ہو جیسا کہ ایک قدم لےنے میں "تیرا شاگرد" بھی لکھا ہو - اس سے بھی  
مطلب وہی رہتا ہو ۱۵۔

۵۔ سراغِ تیرا - سراغ کی گری شب و روز سے فریب - چونکہ نالہ کشی ذات کو ہو کر تیری ہو اس لیے نالے کو سراغ  
قرار دیا ہوتا ہو کہ جو کہ جس طرح کج کوشش قدم دیکھ کر مسافر کے گمانے جانے کا پتا چلتا ہو - اسی طرح تو سراغِ دل سے  
"اوشب کی گری کا سراغ نکالے" ۱۶۔



بنائے فقیروں کا ہم بھی ہیں : غالب  
تساٹے اہل کرم دیکھتے ہیں

ملتی ہو غصے یا رستے نار، التاب میں  
کا فرہوں۔ گرنے ملتی جو راحت عذاب میں  
کب سے ہوں۔ کیا بتاؤں۔ جہانِ خراب میں  
شب ہائے ہجر کو بھی رکوں گر حساب میں  
تا۔ پھر نہ انتظار میں قہند آئے عہد بھر  
آنے کا عدد کر گئے۔ آئے جو خواب میں  
قاصد کے آتے آتے۔ خطاک اور لکھ رکھوں  
میں جانتا ہوں جو وہ طعیں گئے جواب میں  
مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام؟  
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہوشدار اب میں  
جو سنکر دغا ہو۔ فریب اس پہ کیا چلے؟  
کیوں ہلکا اچھں۔ دہشتِ دشمن کے باپ میں

ملنے مطلب یہ ہو کہ مشوقی منکر دغا ہو یعنی اہل کو کسی کی دغا کا نہیں نہیں جو اس سے ترغیب دہانی فضول ہو کہ  
کیوں اس پر رقیب کے انکار دغا دہی کا فریب نہ چل گیا جو ہم دہانی میں دوست سے مشوقی کی طرف اس  
دشمن سے رقیب کی طرف اشارہ ہو۔



میں مضطرب ہوں وصل میں خونِ تجھ سے  
 ڈالا ہو تم کو وہم نے کس پہنچ و تاب میں؟  
 میں اور خطِ وصل - خدا ساز بات ہو  
 جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں  
 ہو تیر سی پڑھی ہوئی اندر نقاب کے  
 ہو اک مشکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں  
 لاکھوں لگاؤ ایک پرانا بھگا ہ کا  
 دکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں  
 وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے  
 جس نامے سے شگاف پڑو آفتاب میں  
 وہ سحر! مذعابلے میں نہ کام آئے!  
 جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں  
 غالب بچھی شراب پہلاب بھی کبھی کبھی  
 پتیا ہوں روزِ ابرو شبِ مہتاب میں

لہ مشرق کے وہم سے مراد ہو کہ وصل میں عاشق کی بے مینی سے مستحق کو یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ اس کو  
 کسی دوسرے مہین کے خیال نے اس وقت مضطرب کر دیا ہو پہلے مصرع میں اس خیال کی تردید کی گئی ہو ۱۲۔



نسل کے لیے کوچ - نہ خست شراب میں  
 یہ سوزن ہو ساقی کوثر کے ! اب میں  
 ہیں ٹیج کیوں ذیل؟ کہ نسل تک نہ تھی پسند  
 گستاخی فرشتہ ہمارے چنبا میں  
 جاں کیوں بھٹکنے لگتی جوتن سے دم سماع؟  
 گیر دہ صلا سمانی ہو۔ چنگ و باب میں  
 رومیوں پر خوش عمر کہاں دیکھی تھے  
 نے اٹھ لگ پر ہو۔ نہ پا ہو رکاب میں  
 آغا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُد ہو  
 جتنا کہ وہم غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

لہذا اس شعر میں مستفاد سے شاعر کا مطلب نہیں کہ اس سوال کا جواب دیا جائے بلکہ ساقی کی تفسیر مقصود ہو  
 اشارہ ہو حضرت آدم کے اُمّی مشورہ تھے کی بات کہ غزال فرشتے کو حکم برا تھا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ کرے  
 لیکن نہیں حکم دکر نے کے سبب وہ راندہ و گاہ ہو گیا۔ مطلب یہ کہ کل تر حضرت آدم کی و گاہ داری میں یہ عزت و  
 توقیر تھی اور آج انہیں کی اذیت و عیب پر اپنے ہی ہاتھ سے ذلیل ہو گئی ۱۱

۱۲ سماع - باغ، یعنی شاد اور صاف صوفائے کلام اہل معرفت اسی کے اشارے سننے کو جو خوش آواز ہی کے ساتھ  
 گائے جائے کہتے ہیں اس شعر میں مستفاد سے معرفت استہباب مقصود ہو۔ دو صلا و اشارہ شاعر کی صلا  
 کی بات، شاعر کہتا ہے کہ شاعر کی صدا آواز خوش ہو۔ پھر اُمّی کا پھر اُمّی فرمائی ہو کہ اُمّی کو ساقی کو ساقی کی جان  
 لگا ہو جاتی ہو۔ اہل ذوق کو جو لطف سماع سے حاصل ہوتا ہو اس شعر میں اس کا اظہار کیا گیا ہو ۱۳

۱۴ شاعر کہتا ہے کہ میں قدر اس لیے کہ وہم سے مراد ہی تاب میں رہتا ہوں، انہما ہی مجھے اپنی حقیقت سے بُد ہو۔ غیر سے  
 مراد اس لیے کہ شاعر جو صوفیہ کے نزدیک محدود ہو ۱۵ ایا کار ناہیا



اصل شہود و شاہد و مشہود۔ ایک ہو

حیراں ہوں۔ پھر شاہدہ جو کس حساب میں

و مشعل نمود نمود پر وجود بکسر

ہاں کیا دھرا ہو قطرہ و مریخ و حباب میں

شرع۔ اک ازلے ناز ہو۔ اپنے ہی سے سہی

ہیں کتنے بے حجاب اگر ہیں یوں حجاب میں

آرایش جمال سے قانع نہیں بنو ز

پیش نظر جو آئینہ دائم لغت ب میں

ہو غیب غیب۔ جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود

ہیں خواب میں بنو جو جاگے پر خواب میں

شاہدہ شاہد و مشہود کے وجود کو محضہ چاہتا ہو اور یہاں جب تمام عالم وجود و احد موجود ہو تو  
شاہد و مشہود ایک ہی ہو گئے ہیں جب شاہد و مشہود میں منازعہ نہیں تو پھر شاہدہ کس طرح ہو سکتا ہو ۱۲  
یہ مشرکوں کا ایک اور اچھا دھوکہ نہیں تو اپنے نفس ہی سے شرم کرتے ہیں میں! وجود پر سے میں رہنے کے وہ  
اپنے سے جس خسرانے۔ ماہ کو شرم کے ہی نہیں کر خود ہی ناتواں سے بھی جیائے ۔

یہ شاعر کا جو کہ! وجود پر سے میں رہنے کے اس کا مشرق و مغرب کا کشمکش جہاں ہو اور فصول ہو کر کرنا  
مستند تو یہ ہو کہ مشاق اس کو دیکھیں ۱۳

یہ میں ملے اس مثال کے اکثر اشار و سورت میں ڈالے ہوئے ہیں اس طرح اس شعر میں بھی تصوف کا ایک اہم مسئلہ بڑی  
کیرائی جو ہر امانی نے لگا رہا ہے اس غزل کا اصل لگا ہوا وہ ہے ہوا۔ سالک کو تمام سرحدات ماضی میں نظر آتے ہو  
اس کو شہود کہتے ہیں اور غیب الغیب سے مراد وہ ہے اس حقیقتات جو عقل و ادراک و بصر و سمیع سے ماورائے ہوا  
حق کو کہیں کو ہم شہود لگے ہوتے ہیں وہ حقیقت غیب الغیب جو اس کو عقل سے غور و گہتے ہیں۔ ہر ایسی مثال جو  
بجائے کہ غیب میں ہو گئے کہیں جہاں ہوں پس گو وہ اپنے کو بیدار کہتا ہو گئی کیفیت وہ بنو خواب میں ہو ۱۴



غالب۔ ندیم۔ ”سک آتی ہے بے دست  
مشغول حق ہوں۔ بندگی بوثواب میں

حیراں ہوں۔ ملن کورہوں کہ بیڑوں جگر کو ہیں۔  
مقدور ہو۔ تو ساتھ رکھوں خود گر کو میں  
چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں  
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں  
جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار  
اے کاش! جانتا نہ تیرے رہ گزر کو میں  
ہو کیا؟ جو کُن کے بازو میٹھے۔ میری بکاڑے  
کیا جانتا نہیں ہوں؟ تھامی کمر کو میں  
تو وہ بھی کہتے ہیں ”کہ یہ بے ننگ و نام ہو“  
یہ جانتا اگر۔ تو لٹاتا نہ گھر کو میں  
چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر ایک تیز رو کے ساتھ  
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبہ کو میں

۱۔ مطلب ہے جو کہ مشغول جس کی خاطر میں ہے سر و سامان نہ دیکھ سکتا اور اگر میں دیکھ جانتا تو میں اپنے کو  
تباہ و برباد کر دیتا۔

۲۔ اس شعر میں ایک پریشان حال مسافر کی صورت بھولانا اور غصہ پھینچ کر کئی کو۔ مگر چھوڑے ہوئے ابھی زمانہ  
موت نہیں گزری۔ طبیعت غریبہ میں! وہ بیانی کی منزل پر کس مشغول ہو رہی ہیں۔ اس کے جا تیز و شغف تھا جو اس کے



خواہش کو محنتوں نے پرستش دیا قرار  
 کیا پوجتا ہوں اس بہت بے داد گر کو میں؟  
 پھر بے خودی میں بھول گیا راؤ کوئے یار  
 جاتا و گزرتا ایک دن اپنی خبر کو میں  
 اپنے پے کر رہا ہوں قبیس اہل دہر کا  
 سمجھا ہوں دل پذیر متلع ہنر کو میں  
 غالب۔ خدا کرے کہ سوارِ سمنہ ناز  
 دیکھوں علی ہمدردِ عالی گھر کو میں

ذکر میرا۔ بہ بد ہی بھی اُسے منظور نہیں  
 غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں  
 وعدہ سیرِ گلستاں ہے۔ خوش طالعِ شوق  
 شرعاً قتلِ مقدر ہے جو مذکور نہیں  
 شاہدِ شہیدی مطلق کی کر جو عالم  
 لوگ کہتے ہیں کہ "ہی" پر ہیں منظور نہیں

ساتھ ہوتا ہے اگر منزلِ مقصود پر جلد پہنچے اور مسافرت کی تکلیف کا خاتمہ ہو۔ مقررہ تالی میں "ابھی" کے  
 لفظ سے شاعر کو بخلا ہوا کہ "مقصود ہو کہ ابھی" اس وقت میں قدم رکھے ہوئے تو میری ہی مدت گزری ہو اور  
 اس لیے اسے اپنے دہریے انتخاب کی صحیح قابلیت محال نہیں ہوئی جیسے تیز رو دیکھتا ہو اسی کے گچے ہونے  
 سے یہ ضرور میں سمجھوں میں سے ہی کو لوگ بے بسی کہتے ہیں۔ ایک ملاح نے اس شاعر کو غالب کی طرف متوجہ کرنے



قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہو رہا۔ لیکن  
 ہم کو تقلیدِ تک ظہر فی منہ نہیں  
 حسرت۔ اے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقت نہ ہی  
 عشقِ پُر عہدہ کی گوں تن رنجو نہیں  
 ظلمِ کظلم۔ اگر لطف در طغ آتا ہو  
 تو قاتل میں۔ کسی رنگ سے معذہ نہیں  
 میں جو کہتا ہوں۔ کہ ہم لہجے قیامت میں نہیں  
 کس رعوت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم غائب  
 صاف دُور کی کش پیاثر جم ہیں ہم لوگ  
 واسطے وہ بادہ کہ افشردہ انگور نہیں  
 ہوں۔ خوری کے مقابل میں خائفِ غالب  
 میرے دعوے پہ محبت ہو کہ مشور نہیں

میں بھی شک کیدیو۔ اس کو کھائی سمجھتے ہیں۔ اتفاق سے جو کچھ مطلب لیا جاسکتا ہو وہ صرف اس قدر ہو کہ شام  
 نے اس شمعِ دین کے سوہم ہونے کو یہ غلو بیان کیا ہو۔ صرف شامی میں لفظ غلو کے معنی مرنے کے لیے ہیں۔ غلو  
 اور غلو اسم جنس ہیں  
 لہذا وہ۔ بدخونی و جنگ ہونے۔ شاعر اس شعر میں اپنے گزشتہ ہم کو کہ جس طرح ادا کرتا ہو اور کہتے ہو کہ اب جہاں  
 تین دن جو رخصت جیسے جنگ و دشمن کے مقابلے کی گوں ذرا ہی نہیں قابلِ ذرا  
 کہ شاعر کہتا ہو کہ اگر تو ہم سے قاتل ہی حرمی سمجھتا ہو تو ظلم ہی کر کہہ کہ وہ بھی قاتل کی ایک اور اور تو  
 قاتل کی ہر "ہستے پر کار ہو"۔



نالہ - جز حزن طلب اسے ستم بجاہ نہیں  
 ہوتا تھا ضلے بجا - شکوہ بے داد نہیں  
 عشق سو - مزدوری عشرت گہر خسرو کیا خوب  
 ہم کو تسلیم نکو نامی مسدود نہیں  
 کہ نہیں وہ بھی خرابی میں - پے وسعت معلوم  
 دشت میں ہر جگہ وہ عیش کہ گھراؤ نہیں  
 اہل بینش کو ہر طوفانِ حوادث - کتب  
 لعلِ معج - کم از سیلِ استاد نہیں  
 دے محرومی تسلیم - دہلا - حالِ وفا  
 جانتا ہو کہ ہیں طاقتِ فریاد نہیں  
 گنجِ تمکین گلِ دلال - پریشان کیوں ہو؟  
 گر چراغِ سیرہ گزرو با و نہیں؟

لہ شاعر نے فریاد پر جس کی نسبت کیا ہے، اس نے شری کے دل کی خاطر پاٹ سے جوئے شیر نکالی اور پہلا  
 مصرعہ گزریا اور شری کا دل خسرواں کے رقیب کو نصیب ہوا اس شعر میں بھی کی جودہ کہتا ہو کہ اس وقت سے  
 جان سے میں فریاد کی تک نالی کی کیا بات ہے کہ اس نے نصیب کے لیے عشرت کر دینا گویا اس نے عشرت کر دہ  
 تعمیر کرنے میں زندگی کی خدمت دے دی ہے۔

لہ لعلِ معج : سچ کا قہر - طلب ہے جو کیا ال بشر کو دنیا کے حوادث کا طوفانِ قہر کا رچا ہو یعنی دنیا میں بشتہ  
 حادثے انسان پر پڑتے ہیں اتنی ہی اس کی آنکھیں ملتی ہیں ۱۲

تقدید : درجہ میں صرف الف تہ کا زائید کیا گیا ہے جیسے داد - نیا - خیال اس شعر میں محرومی تسلیم اور وفا کی جوانی  
 پر انھوں نے فریاد - کشادہ کہ ہم جو تسلیم دے دیا اور نیا - وفا کے تو اگیں کے سبب نالہ و فریاد نہیں کر سکتے تو



سب کو گل کے تلے بند کرے گی۔ گل میں  
 ترہ اسے مرغِ بکے گلِ زار میں ستیا د نہیں  
 نفی سے کرتی جو۔ اثبات۔ تراوش کو  
 دی جو۔ جانے دہن۔ اس کو دم ایجا د نہیں  
 کم نہیں جلوہ گری میں ترے کو چہے بہشت  
 یعنی نقشہ ہو۔ ولے اس قدر آبا د نہیں  
 کرتے کس منہ سے ہو۔ غربت کی شکایت غالب  
 تم کو بے مہر یارِ این وطن یاد نہیں؟

دونوں جہاں دے کے وہ بچے۔ یہ خوش رہا  
 ہاں آپڑی ہے شدم کہ تکرار کیا کریں  
 تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے  
 تیرا تپا نہ پائیں۔ تو ناچار۔ کیا کریں؟  
 کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ۔ اہلِ بزم  
 بے غم ہی جاں گہرا ز تو غمزار کیا کریں؟

ہو گئی ہو غیر کی مشیریں بیانی کا گر	عشق کا اُس کو گماں ہم بے زبان نہیں
-------------------------------------	------------------------------------

مشق اس کو ہماری دانا سی اور تسلیم و تحمل کرنے کے واسطے کہ ہم میں صاف فدا دہی نہیں ہے



قیامت ہی کہ سنِ میل کا دشتِ قیس میں آنا  
 تعجب سے وہ بولا توں بھی ہوتا ہوتا ہے نہ میں  
 دلِ نازک پہ اُس کے ہم آتا ہو مجھے غالب  
 نہ کر مرگم اُس کا فرکِ اُلفت آ زلے میں

دلِ لگا کر لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا  
 اُسے اپنی بے کسی کی ہم نے پائی دایاں  
 ہیں نہالِ آمادہ۔ اجزا آفرینش کے تمام  
 سرگردوں ہی چراغ رہ گزرا ہر باد۔ یاں

ہم چہ بھر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں  
 کبھی صبا کو۔ کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں  
 وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہوا  
 کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں  
 تکر گئے نہ کہیں۔ اُس کے دستِ دہاڑ کو  
 یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں



تسے جو اہر طہریت کلمہ کو کیا دیکھیں  
ہم اچ طالع لعل و گمر کو دیکھتے ہیں

<p>شب فراق سے روزِ نازا نہیں جاسے تاجِ اکرون کو ابرو باد نہیں جو جاووں وال سے کہیں کو تو خیر نہیں کہ "تاجِ بزم میں کچھ قصہ خوف و نہیں" گداے کو چہرہ محو خاشا۔ نامراد نہیں دیا ہو ہم کو۔ خدانے وہ دل کر شا نہیں</p>	<p>نہیں۔ کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں کوئی کہے کہ "شبِ بزم میں کیا بُرائی ہو" جو اکوں سلنے اُن کے تو مرجانہ نہیں کہیں جو باد بھی آتا ہول میں۔ تو کہتے ہیں علاوہ عہد کے ملتی ہو اور دن بھی شراب جمال میں ہو غم و شادی ہم ہم کیا کام</p>
--	--

تم اُن کے وعدے کا ذکر اُن بھکوں کو وغالب  
ہے کیا ہا کہ تم کہو۔ اور وہ کہیں کہ "یاد نہیں"

<p>تیرے تو سن کو صبا باز مہتے ہیں آہ کا کس نے اثر دیکھا ہو</p>	<p>ہم بھی مضمون کی ہوا باز مہتے ہیں ہم بھی ایک اپنی ہوا باز مہتے ہیں</p>
--	--

لعل اس شعر کی ترکیب نقلِ ثابت پر معلق ہو شاعر گستاخ کو کہ "یاد نہیں کہ مجھے قیامت کا یقین نہیں ہو قیامت  
برحق ہو لیکن ماضی ہی اس کے وقت و منزل ہو کہ اس کے خدا و خدایہ فراق کی خفیں سے زیادہ نہیں ہو۔"  
لعل ہوا باز مہتا۔ دھبہ بٹھاتا۔







کیوں گردشِ مدام سے گھبرانے جلے دل؟

اشان ہوں۔ پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

یاسپ! زانہ مجھ کو ٹٹاتا ہو کس لیے؟

لوح جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

حد چاہیے۔ سزا میں۔ عتوبت کے واسطے

آزگنا ہنگام ہوں۔ کافر نہیں ہوں میں

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے؟

لعل و زرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

رکتے ہو تم قدم مری آنکوں سے کیوں دریغ؟

رستے میں مردواہ سے کم تر نہیں ہوں میں

کرتے ہو مجھ کو پنج قدم بوس کس لیے؟

کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

غالب۔ ولیفہ خوار ہو۔ دوشاہ کو دعا

وہ دن گئے کہ کہتے تھے تو کر نہیں ہوں میں

سب کہاں۔ کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پہلاں ہو گئیں

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزمِ آراستیاں

لیکن اب نقش و نگارِ حاقِ نسیاں ہو گئیں



تھیں بنات النش گردوں دن کو پردے میں نہاں  
 شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عیاں ہو گئیں؟  
 قید میں - یقیناً نے لی - کو - نہ - سفت کی خبر  
 لیکن آنکھیں - روزانہ دیوارِ زنداں ہو گئیں  
 شبِ رقیبوں کے ہوں ناخوش - پر - زنانِ مصر سے  
 ہر زینچا خوشش کہ محوِ او کنساں ہو گئیں  
 جوئے خوں آنکھوں سے بہتے دو - کمرہ شامِ فراق  
 میں - سمجھوں گا کہ شمعیں دو - فروزاں ہو گئیں  
 ان پر ہی زادوں سے ہیں گئے خلد میں ہم انتقام  
 قدرتِ حق سے یہی حدیں اگر واں ہو گئیں  
 نیند اُس کی ہو - داغ اُس کا ہو - راتیں اُس کی ہیں  
 تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

لعل بنات النش اور آسمان پر خشاں کی حزن سات ستارے ہیں چاہتا رہے ان میں سے جنازہ ہر صبح  
 تین جنازے کے ، ٹھکانے والے بنات کے لفظ کا یہ مفہوم تھا کہ عرب اُنی ستاروں کو دیکھتا تھا کہ وہ بنات  
 عرب جنازہ اٹھانے والے کو ہیں انش کہتے ہیں اور عربی کلام سے ہیں ، جن انش کی جگہ بنات النش آتی ہے  
 عہ روزانہ دیوارِ زنداں ہو گئیں یعنی نہ ہو گئیں ۔

کلمہ سب رقیبوں سے ہوں ناخوش ، ایچ ماسد صہ عشاق کہنے اپنے رقیبوں سے ناخوش ہوں تو بول تھیں نذیرا اپنے  
 رقیبوں سے ، اشارہ جو اُنی عداوت کی طرف جو حضرت بوہن علیہ السلام کو دیکھ کر میں مجھ پر گئی تھیں کہ ، اھوں ۲  
 اپنے ناخوشاں کے لیے تھے ، ناخوش نہیں ہو ۱۱۔



میں چمن میں کیا گیا۔ گویا۔ دبستاں کھل گیا  
 بلیس سُن کر مرے ملے۔ غزل خواں ہو گئیں  
 وہ دکھائیں کیوں ہوئی جاتی ہیں بابِ دل کے پار؟  
 جو مری کو تا اپنی قسمت سے شرکاں ہو گئیں  
 بس کہ۔ رو کا میں نے اصرار سینے میں ابھری پڑی۔ چوڑی  
 میری آہیں بخیر چوکِ گریباں ہو گئیں  
 داں گیا بھی میں۔ توان کی گالیوں کا کیا جواب  
 یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ دہاں ہو گئیں  
 جاں فزا ہوا وہ۔ جس کے ہاتھ میں جام آگیا  
 سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں  
 ہم سوختے ہیں۔ ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم  
 ملتیں جب سٹ کیں جڑے ٹیپاں ہو گئیں  
 بچے سے خورگہ ہوا انسان۔ تو سٹ جاتا ہے رنج  
 شکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں  
 یوں ہی گردِ مار رہا غالب۔ تو اے اہلِ جاں  
 دیکھنا ان بستیوں کو تم۔ کہ ویراں ہو گئیں

۱۔ اس شعر میں مستعار استعمال کیا گیا ہے۔ "دبستاں" سے مراد "دبستان" ہے۔ "بلیس" سے مراد "بلیس" ہے۔ "غزل خواں" سے مراد "غزل خواں" ہے۔ "دکھائیں" سے مراد "دکھائیں" ہے۔ "چوڑی" سے مراد "چوڑی" ہے۔ "جام" سے مراد "جام" ہے۔ "سٹ کیں" سے مراد "سٹ کیں" ہے۔ "خورگہ" سے مراد "خورگہ" ہے۔ "شکلیں" سے مراد "شکلیں" ہے۔ "دبستاں" سے مراد "دبستاں" ہے۔ "بلیس" سے مراد "بلیس" ہے۔ "غزل خواں" سے مراد "غزل خواں" ہے۔ "دکھائیں" سے مراد "دکھائیں" ہے۔ "چوڑی" سے مراد "چوڑی" ہے۔ "جام" سے مراد "جام" ہے۔ "سٹ کیں" سے مراد "سٹ کیں" ہے۔ "خورگہ" سے مراد "خورگہ" ہے۔ "شکلیں" سے مراد "شکلیں" ہے۔



یعنی ہمارے حبیب کی کتاب بھی نہیں  
 دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں  
 دشوار تو یہی ہو کہ دشوار بھی نہیں  
 طاقت بہ قدر لذت آزار بھی نہیں  
 صحرا میں اسے خدا کوئی دیوار بھی نہیں  
 یاں میں صنف سے ہوں یہ بھی نہیں  
 آخر نولے مرغ گرفتار بھی نہیں  
 حال آں کہ طاقت غلش خار بھی نہیں  
 لڑتے ہیں اساتذہ تلواریں بھی نہیں

دیوانگی سے دوش پہ زنا بھی نہیں  
 دل کو نیا زحمت دیدار کر چکے  
 فنا اگر نہیں آساں تو سہل ہو  
 بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہو۔ یوہاں  
 خود مدگی کے باقی سے جو سرواں دوش  
 تہیائیں عداوت اغیار اک طرف  
 ڈنڈا لہائے زار سے میرے خدا کو مان  
 دل میں جو بار کی صف مژگاں ہو دکوش  
 اس سادگی پہ کون نہ مجاہدے اسے

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بار بار  
 دیوانہ گر نہیں ہو تو ہمشیا رہی نہیں

معاذ اللہ! اس کے اس شعر و شکر کا مطلب کچھ نہیں ہے۔ قریب قریب اس شعر کا معنی تو یہ ہے کہ  
 کہو شک اور ہجر کا مفہوم کسی کے ذہن میں نہیں گزرا جیسا کہ مذہب و اہل شیعہ سے جو خود مردانے اپنے ایک  
 خط میں لکھی ہوئے ظاہر ہوتا ہے۔ "میرا لگا اگر آساں نہیں ہو تو یہ امر لکھ کر آساں ہو۔ غم نہ خانا آساں  
 نہیں نہ سہی نہ ہجر نہ سکس گئے نہ کوئی اور دل بیکار۔ مشکل تو یہ کہ وہی تیرا دشوار بھی نہیں یعنی جس سے تو  
 چاہنا قبول ہی سکتا ہو ہجر کو تو ہم نے سہل کر لیا خدا کو شک کہ چنے اچھا آساں نہیں کر سکے گا۔  
 عہہ روکش :- مقام ایک شاعر صاحب نے روکش کو "روکش لکھ کر مطلب کو عاجز" روکش "مقام  
 شعر" میں موجود ہے جس کے معنی مقابلے کے ہیں۔ مطلب یہ کہ وہی اگر ہمشیا ہوگی جس کا لہو موجود نہیں ہو



نہیں ہو زخم کوئی بجینے کے دغور سے تن میں  
 ہوا ہوا تار اٹھک یا اس۔ رشتہ چشم سوزن میں  
 ہوئی ہو مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی  
 کتب سیلاب باقی جو بزمک جنبہ۔ رونق میں  
 وودیت خائبے داد کا دوش ہائے شرکاء ہوں  
 جگہین نام شاہد ہو۔ مے ہر قطرہ غول۔ تن میں  
 ریاں کس سے ہو طلت گستری میرے شیشاں کی  
 شب مہر ہو۔ جو رکھ دیں جنبہ دیوار وکے رخن میں  
 انگوہش مانع بے ربطی شور جنوں آئی  
 ہوا ہو خندا احباب۔ بخیمہ حبیب ودا من میں

لیکن ہاں کی صفت شرکاء۔ سے متاثر کرنے کا حوصلہ ہو ۱۲  
 بلکہ بجنے کے دغور اس بجنے کے فانی و مطلب۔ ہو میرے تن میں کوئی زخم بجنے کے فانی نہیں ہو  
 میرے رخنوں کی حالت دکھ کر سوئی کس ہوئی اس کا آگاہا اٹھک یا اس جن گواہ  
 سہ کتب سیلاب۔ سیلاب کے جھاگ۔ اس سیلاب کے جھاگ جس سے خانہ دیوانی ہوئی دیواروں کے  
 سر داڑی میں اتاری رہ گئے ہیں وہ جھاگے کے مانع ہیں۔ چو کہ ضلع کھڑ مسیب کو سبب قرار دیتے اس لیے  
 شاعر نے اس سوچے پر خانہ دیوانی کر مانع تر شا کا کہا ۱۳  
 سہ ہر قطرہ غول میرے تن میں ایک گیند جس پر شرابی مصروف نے اس کا نام کھو دیا ہو اور میں گریا مستحق  
 کی کا دغور کے غم کا وودیت خانہ بنا رہا ہوں۔ مطلب۔ ہو کہ میں اس کی کا دغور کے غم کا مانتا ہوں۔ ۱۴  
 وہ قاعدہ ہو کہ لافان پر مہر لافیتے ہیں، دوسری جگہ اس کی کا دغور نہیں کر ۱۵  
 جہ شاعر کہتا ہو کہ اس کے گھر میں اس قدر تاریکی ہو کہ گیس کی لور کے رخن میں جب رکھ دیا جائے تو یہ سلوم  
 ہو کہ جا نہ مل ۱۶۔ جہ عاصی احباب میرے جو سن جنوں کو مانع ہوئی یعنی چھٹا احباب کے خیال سے میں نے



ہوئے اُس مردوش کے جلوہ مثال کے آگے  
 پرافتاں جو ہر آنست میں بیل ذلہ رونک میں  
 نہ جانوں نیک ہوں یا بدہوں۔ چرچیت مخالف ہو  
 جو گل ہوں۔ تو ہوں گلشن میں۔ جنس ہوں تو ہو گلشن میں  
 ہزاروں دل دیے جوشِ جنونِ عشق نے مجھ کو  
 سب ہو کر سودا ہو گیا۔ ہر قطرہ خوں۔ تن میں  
 آسہ۔ زندانی تا شیرِ الفت لے غمباں ہوں  
 خیم دستِ فوارش۔ ہو گیا جو طوق۔ گر دل میں

مڑے جان کے اپنی نظریں خاک نہیں  
 سوائے خونِ جگر۔ سو۔ جگر میں خاک نہیں  
 گر غبار ہوئے پر۔ ہوا اڑا لے چاہے  
 وگرنہ۔ تاب و توانِ بال و پر میں خاک نہیں  
 یہ کس بشتِ سسماں کی آمد آمد ہو؟  
 کہ غیرِ جلوہ گل۔ رہ گزریں۔ خاک نہیں

حبیب و دامنِ پاک نہیں گیا اس بے دست کرتے و لے احباب کا خندہ و مذاں فنا بخیرِ گریبان ہو گیا  
 خندہ و خاں ناک کو تجھے سے جو نسبت ہو ۱۱ ظاہر ہو ۱۲  
 لے اس خسو کے شکر و سچے سے اس کا مطلب سمجھ میں آ جاتا ہو۔ اس مردوش کے جلوہ مثال کے آگے  
 جو ہر آنست میں (اس طرح) پرافتاں ہوئے (اس طرح) خندہ و مذاں میں دشوار آ کر پ سے، اڑتے ہیں ۱۳



بھلائے نہ سہی۔ کچھ بھی کو رسم آتا  
 اثر مے نفس بے اثر میں خاک نہیں  
 خیالِ جلوہ گل سے خواب ہیں محکوش  
 شراب خانہ کے دیوار وہ میں خاک نہیں  
 ہوا ہوں عشق کی غارت گری سے شرمندہ  
 سوائے حسرتِ تمیز گھر میں خاک نہیں  
 ہمارے شہر ہیں اب صرف دل لگی کے آسمان  
 کھلا۔ کہ فائدہ عرصہ میں خاک نہیں

دل ہی تو ہے۔ نہ سنگِ دشت۔ درد سے بھر دے آئے کیوں؟  
 روئیں گے ہم ہزار بار۔ کوئی نہیں سستا سے کیوں؟  
 تویر نہیں۔ حرم نہیں۔ وہ نہیں آستان نہیں  
 بیٹھے ہیں وہ گزر رہے ہم۔ غیسر ہیں اٹھائے کیوں؟  
 جب وہ جمالِ دل فروزہ۔ صورتِ مسریم روز  
 آلیپ ہی ہو نظر رہ سوز پر دے میں نہ چھپا سے کیوں؟  
 دشتِ غمزہ۔ جاں ستاں۔ ناوکِ تازہ۔ بے پناہ  
 تیرا ہی ملکسِ منج سہی۔ سامنے تیرے آئے کیوں؟



قیدِ حیات و بندِ غم - اصل میں دونوں ایک ہیں  
 موت سے پہلے آدمی - غم سے نجات پائے کیوں؟  
 حسن اور اس نے حسن ظن - رہ گئی بزمِ افسوس کی شرم  
 اپنے پر اعتماد ہو - خیر کو آزمائے کیوں  
 دلی وہ غرورِ غرورِ ناز - یاں یہ حجابِ پاس دھن  
 ماہ میں ہم ملیں کہاں؟ بزم میں وہ بلائے کیوں؟  
 یاں وہ نہیں خدا پرست - جاؤ وہ بے وقاسی  
 جس کو ہوں دین و دل عزیز - اُس کی گلی میں جائے کیوں؟  
 حجابِ خستہ کے بنیز - کون سے کام بند ہیں  
 روچے زار زار کیا؟ کیجئے بے بائے کیوں؟

غنچہ دانِ شگفتہ کو - دور سے مت دکھا - کریں  
 بوسے کو پوچھتا ہوں میں - منہ سے بھگوتا - کریں

بزمِ افسوس - جو سنگ - رقیب کی طرف اشارہ ہو - دوسرے مصرعوں لفظِ غیر سے بھی غیب مراد ہو -  
 نہانے پہلے ایک خط میں اس شعر کو الفاظِ ذیل میں صاف کر دیا ہو -  
 حسن ظن - جو حسن ظن دو معنیوں میں ہے - پہلی معنی صورت الہی جو اورنگان اس کو بھیج دیا بھی خط میں کرنا  
 اور نہ گمان اس کو بھی نصیب ہو کہ میرا کبھی پتہ نہیں اور میرا تیرا غم نہ خطا نہیں کرتا - پس جب اس کو ایسا  
 افسوس ہو تو رقیب کا استغاثہ کریں کہ اس میں ظن نے رقیب کی شرح لکھ لی - نہ رقیب عاشق صادق نہ تھا  
 اگر نہ استغاثہ در بیان آتا تو حقیقت کھل جاتی - ۱۷ -







جو یہ کہے کہ ریختہ کہوں کہ ہور شک فارسی  
گفتہ غالب ایک اربڑہ کے اُسوتا کہیں

## ر د ی ف ( و )

شُدے دل اگر افسردہ ہو۔ گرم تماشا ہو  
کہ چشمِ تنگ۔ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو  
چندِ حسرتِ دل چاہیے ذوقِ معاصی بھی  
بھروں یک گوشہ دامنِ بگِ آبِ بہمت دیا ہو  
گردہ سرود۔ گرم خزامِ ناز آجاوے  
کتبت ہر خاکِ گلشن۔ ٹیکل قمری نالِ فرسا ہو

لہذا گونہ مست ہو، یعنی دنیا کو دیکھ چشمِ تنگ، حاسد کی صفات ہیں سے ہو حاسد ہمیشہ تنگ چشم  
ہو تنگ دل ہوتا ہوشِ حرکت کیا جو کہ جس قدر انسان کو دنیا کا ناز و بھڑکا ہو گا، اُنکی قدر و حسنِ نظر ہو گا  
جو کہ جس قدر غری اور فراقِ خدائی ہی میں حسرت کا طالع ہو، ۱۲  
کے بھروں، آلودہ کردل، آبِ بہمت دیا، کثرتِ معاصی کی طرف استغفار ہو، ترو دامنِ بذرِ سطل  
فامی میں گونگا رو کہتے ہیں ۱۲  
تجہ کتبت ہر خاک، یعنی ہر حرکت خاک ۱۲۔



کبھے میں جا رہا۔ تو نہ دو ملتے۔ کیا گئیں

بھولے ہوں۔ حق صحبت اہل کنشت کو؟

طاقت میں تارے نہ مڑا دیں گی لاگ

دوغ میں طالع۔ کوئی بے کرہشت کو۔

ہوں مخوف نہ کیوں رہ و رسم ثواب سے؟

طیڑھا لکھا ہو قط۔ قلم سہ نوشت کو

غالب۔ کچھ اپنی سی سے۔ لانا نہیں مجھے

خرمن بٹے۔ اگر نہ ملے کھائے کشت کو

دارتختہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو؟

کیجے ہمارے ساتھ۔ عداوت ہی کیوں نہ ہو؟

چوڑا نہ مجھ میں صفت نے رنگ اختلاط کیا

ہو دل پہ بار نقیض محبت

جی کیوں نہ ہو

ہر جگہ کو تجھ سے تذکرہ غیب کا بٹ

ہر چند بریں سل شکایت

جی کیوں نہ ہو

ملکہ اس خرمیں غالب نے اپنے اس نفسیاز سک کا اہل رگیا ہو کر گوشت کا عقیقہ دھو جئے تو

ہر پیر کا رطل میں زیادہ خواہش پیدا ہو جئے اور اس کی عبادت کی محکمہ عداوت شراب طور کی آواز ہو کر

نہ یعنی تقدیر میں یہ آگے ہو کہ ثواب سکھ سے پہنچیں ۱۲

تھا ورنہ اس سے پہلے تھا ۱۳



”پیدا ہوئی ہو“ کہتے ہیں۔ ”ہر دور کی دوا“

یوں ہو تو چارہ غم الفت ہی کیوں نہ ہو  
 والا نہ بے کسی نے کسی سے معاملہ  
 اپنے سے کھینچتا ہوں، خالت ہی کیوں نہ ہو  
 جو آدمی بھائے خود اک محشر خیاں  
 ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو  
 ہنگامہ زبونی ہمت ہو۔ انفصال  
 حاصل نہ کیجے دہرے عبرت ہی کیوں نہ ہو  
 داری سبکی۔ بے بائی بیجا جلی نہیں  
 اپنے سے کر۔ نہ غیر سے۔ دست کیوں نہ ہو  
 سنا ہو فوجِ فرصت ہستی کا غم کوئی؟  
 عمر عزیز۔ صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو

طرح یہ میری ہے کسی کا احسان ہو کہ مجھے کسی کا ممنون احسان ہونا نہیں چاہیے۔ اپنے سے کھینچتا ہوں یعنی اپنے سے مل کر رہوں مطلب یہ کہ خالت بھی مجھے دوسروں سے نہیں اٹھا پڑی بلکہ اگر خالت بھی ہو تو اپنے ہی سے ہو۔

جسے منسلک ہونا یعنی دوسروں کا اثر قبول کر لینا زبونی ہمت یعنی کم ہمتی ہو اس لیے زاد کے آثار و حوادث سے بھی عبرت نہ حاصل کر کر نہ رہیں بہت جتنی اور بھڑکی دلیل ہو مطلب یہ ہو کہ تو اپنے کیونکر شر اور اخلاق کو اس قدر اعلیٰ رکھ لاؤ گے کہ دنیا کے کسی واقعے سے تجھے عبرت حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔

یہ شعر بھی اعلیٰ ذہن کا اخلاق شریعہ کا یاد دہانی کا کام نہیں ہو کہ تو تنگ خلتات کر کے لوگوں سے دھشت کرنے لگے۔ اگر دھشت کرتا ہو تو اپنے نفس سے ہشت کر کر فریاد نہ کر بلکہ وہ دھشت خود تجھ ہی



اُس ختہ خو کے دے اب اٹھتے نہیں ہمد

اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

تقص میں ہوں مگر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو  
مرا ہونا بڑا کیا ہو خدا سخاں گلشن کو ؟  
نہیں مگر ہمد ہی آساں نہ ہو۔ یہ رشک کیا گم ہو؟  
ندوی ہوئی خدا یلہ آرزوئے دوست۔ دشمن کو

نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو شجراحت پر  
کیا بیسنے میں جس نے خوں چکاں شرمان سوزن کو  
خدا شرائے ہاتھوں کو کہ دکھتے ہیں کشاکش میں  
کبھی میرے گریباں کو۔ کبھی۔ جاناں کے دامن کو  
ابھی ہم قتل کہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں  
نہیں دیکھا مشنا درجے خوں میں تیرے توسن کو

اُس سے کچھ نہ بڑھ کر بھی انسان حاصل کر سکتا ہو۔ بھر محض عبادت میں مگر زندگی کو مرقہ کر دیا جلتے  
تو اس کا غم طے سے کہہ کر جا سکتا ہو۔

وہ شاعر کہتا ہو کہ میں تو قص میں ہوں۔ اور تو سخاں گلشن آلود ہیں اس لیے لطف چمن میں میں ایک حصہ  
نہیں بن سکتا۔ میں قص میں بند تھا ہوا نہ لے کر ہوں اور وہ آزاد ہی میں تھا کبھی یعنی تازہ سرسٹ گلستا  
ہیں۔۔۔ میرے ہاں لے مرغان چمن کے لیے نقصان رساں نہیں بلکہ میرے نالوں سے کچھ نہ کہہ دیں گے  
چمن کی مدد ہی جو۔۔۔



ہوا چہر چا جو میرے پاؤں کی زنجیر سنبے کا  
 کیا بیتاب کاں میں مجنبتیں جو بہرے آہن کو  
 خوشی کیا پکھیت ہر میرے اگر سو بار بار آوے  
 بھتا ہوں کہ ٹھونڈے ہو ابھی سے برق خرمین کو  
 دغا داری یہ بشرط استوار اصل ایماں ہو  
 مے بنت خانہ میں تو کبے میں گاڑو برہن کو  
 شامت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خوشی مجھ کو  
 جہاں تلوار کو دیکھا بھکا دیت تھا گردن کو  
 نہ نشادن کو۔ تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا ہا  
 رہا کھکانہ چوری کا۔ دغا دیتا ہوں رہن کو  
 سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جو ہیں ہوں جو اہر کے  
 جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے مدد کو  
 برے شاہ سیناں جاہ سے نسبت نہیں غالب  
 فریون و جم و کھسرو و داراب و بہمن کو

دھوتا ہوں۔ جب میں پیئے کو اُس سیم تن کے پاؤ  
 رکھتا ہوں صدے کینچ کے باہر لگن کے پاؤ

علامہ بہمن کو بہت خانہ میں مرزا اس کی استوار ہی عہد اور دغا داری کی دلیل جو اہر چوگر ستو



دی سادگی سے جان - پڑوں کوہ کن کے پاؤ  
 سیما ت اکیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پاؤ؟  
 جاگے تھے ہم ہمت - سوائسی کی سزا ہو یہہ  
 ہو کر اسیر دلہتے ہیں راہ زن کے پاؤ  
 سر ہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور  
 تن سے ہوا فگار ہیں - اس خستہ تن کے پاؤ  
 اشد سے ذوقِ دشتِ فردی کہ بعدِ مرگ  
 جلتے ہیں خود بہ خود - مرے - اندر کن کے پاؤ  
 جو جوشِ گل بہار میں یاں تک - کہ ہر طرف  
 اڑتے ہوئے اُٹھتے ہیں - بچہ چمن کے پاؤ  
 شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں  
 دُکھتے ہیں تھک اُس بہ نازک بدن کے پاؤ  
 غالب مرے کلام میں کیوں کر سزا نہ ہو؟  
 پتیا ہوں دھوکے خستہ شیریں سخن کے پاؤ

عدد ۱۰۷ کا ماری ہی اصل ایہاں جو اس لیے دیئے، ایہاں ۱۰۷ کا مرقع کبر ہو۔  
 لے چکا جس پہن پہنہ تو دل و پر سے اُڑتا ہو پھر پاؤں کچھ کیسا؟ لیکن یہ کتاب جو اس طرف نہ بزم  
 اس قدر جوڑا ہے اور جا رہا ہے کہ مرغانِ چمن اُس پہ سے گرتے ہیں اُن کا دل آگے بڑھنے کو تیر جا رہا  
 اور وہ وہی گرتے ہیں ۱۱



وہاں اُس کو ہولِ دل ہو۔ تریاں میں ہوں شرمسار  
 یعنی میری آہ کی تائید سے نہ ہو  
 اپنے کو دیکھتا نہیں۔ ذوقِ ستم تو دیکھتا  
 آئینہ تاکہ دیدہٴ سنجیدہ سے نہ ہو

صدرہ۔ آہنگ۔ زمین میں قدم ہی ہم کو  
 کس قدر ذوقِ گرفتاری ہم ہی ہم کو  
 تیرے کوچے سے کہاں طاقتِ ہم ہی ہم کو  
 یہ شکارِ غلط انداز۔ تو ستم ہی ہم کو  
 تالہٴ پنج سحر۔ پنج دو دم ہی ہم کو

وہاں پہنچ کر جوشِ آتشی ہم ہی ہم کو  
 دل کو میں۔ اور مجھے دلِ عیودِ فاکھتا ہو  
 ضفے سے نقشِ پے سوہو طوقِ گردن  
 جان کر کیجے تعلق کے کچھ امید بھی ہو  
 رشکِ ہم طری و در و اثرِ باگِ حریں

ملکہ پنجرِ حسنی شکارِ شلِ کبوترِ خواہ۔ مطلب یہ کہ اُس کا ذوقِ ستم تو دیکھ کر جب تک وہ نہ بچ کر آئینہ نہ ہو  
 وہ اپنے کو نہیں دیکھتا یعنی وہ نہ بچ کر آئینہ کے سوا وہ اپنی صورت کسی دوسرے آئینہ میں دیکھنا پسند نہیں کرتا  
 آہ تائید سے نہ ہو

عقدِ ہم۔ متواتر۔ گرہ لگنے کا اضافہ ہوا جانے تو اس کا اعتراف بھی ہو گا۔ اس شعر میں مرتبے کے اضافہ کے ساتھ  
 استعمال کیا ہے کہ اس لئے کہ استعمالِ نادری میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اضافہ دونوں طرح آ رہی  
 لیکن آج کل آئینہ کا کاروبار بھی ہو کر اضافہ ہوتے ہیں۔ صدرہ۔ عیود۔ شکارِ غلط انداز کہ مستحق کے کوچے میں  
 چکر کر کے متواتر نشا آتا ہو تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ سوتیلے سے اپنے قدموں کی زمیں ہی کر لے کر لے کر  
 نہیں قدموں کی بدلت کو یہ گھوسا نصیب ہوا۔

عقدِ صرفِ اول میں یہ لفظ ہے۔ وائر اور اول فکرِ لغت و ترکیب کے معانی ہیں۔ میں ہی لکھنے کے لکھنے سے سارا  
 شعر لکھ میں آجاتا ہے اور پنج دو دم کا مطلب صاف ہو جاتا ہے۔



سراڑانے کے جو وعدے کو کر رہا ہا۔  
دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ؟ لیکن چار  
تم وہ نازک۔ کہ خوشی کو قہاں کہتے ہو

ہنس کے ہونے کہ: "تیرے سر کی قسم ہی ہم کو"  
پاس بے رونقی دیدہ۔ اس قسم ہی ہم کو  
ہم وہ عاجز کرتا قل بھی قسم ہی ہم کو

### قطعہ

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا بیسی  
متعلیٰ سلسلہ شوق نہیں ہی ہر شہر

ہر سیر و تماشا۔ سو وہ کم ہی ہم کو  
عزم سیر بخت و طوف حرم ہی ہم کو

یے جاتی ہو کہیں۔ یک ورق غالب  
جاوے وہ کشش کا کرم ہی ہم کو

تم جانو تم کو غیرے جو رسم و راہ ہو  
بچتے نہیں مواخذہ روزِ مشرے  
کیا وہ بھی بے گز کش و حق باشاں میں؟  
اُبھرا ہوا نقاب میں جوان کے ایک تار  
جب مگر وہ چٹھا۔ تو پھر اب کیا جگہ کی تہی؟  
ستے ہیں جو بہشت کی تربت سب دہشت

مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گستاہ ہو  
قال اگر رقیب ہو۔ تو تم گواہ ہو  
اُن کا تم بھر نہیں۔ خورشید و آہ ہو  
مزا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو  
مسجد ہو۔ در مسجد۔ کوئی خانقاہ ہو  
لیکن خدا کو سے وہ سرا جلوہ گاہ ہو



غالب بھی گزہ جو تو کچھ ایسا ضرر نہیں  
دنیا ہو یا رب ! اور مراد شاہ ہو

گئی وہ بات کہ جو گفتگو تو کیوں کر ہو  
ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہی نام نہ ہو  
ادب جو وہی کشمکش - تو کیا - کچھ  
تہیں کہو - کہ گزادہ صنم پرستوں کا  
اُٹھتے ہو تم - اگر دیکھتے ہو اکہٹہ نہ  
جسے نصیب ہو روزِ سپاہ میرا  
ہیں پھر ان سے امید - اٹھیں مہاجر قہر  
غلط نہ تھا ہیں خط پر گماں لسنکی کا  
بتاؤ اس فزہ کو دیکھ کر جو مجھ کو قرار

کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو - تو کیوں کر ہو  
کہ گزہ ہو - تو کہاں جائیں ہو - تو کیوں کر ہو  
حیا جو وہی گزہ ہی گزہ - تو کیوں کر ہو  
بتوں کی ہو اگر ایسی ہی ہو تو کیوں کر ہو  
جو تم سے شہر میں ہوں ایک تو کیوں کر ہو  
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیوں کر ہو  
ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیوں کر ہو  
نہاٹے دید و دیدار جو تو کیوں کر ہو  
یہ نہیں ہو رگ جاں میں فرو تو کیوں کر ہو

مجھے جنس نہیں غالب - ولے - قولِ خود  
فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیوں کر ہو ؟

کسی کو دے کے دل کوئی نواسنج خاص کیوں ہو ؟  
نہ ہو جب دل ہی بیٹے میں - تو پھر منہ میں دبا کیوں ہو ؟  
لے یہ معرہ بادشاہِ ظفر کا جو مرزا نے بادشاہ کی فریشتہ سے یہ غزل لکھی تھی ۔



وہ اپنی خون چھوڑیں گے۔ ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں  
 ٹہک سڑیں گے کیا بچیں؟ کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو؟  
 کیا غم خوار نے رٹوا لگے آگ اس محبت کو  
 نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا راز داں کیوں ہو؟  
 وفا کیسی؟ کہاں کا عشق؟ جب سر پھوٹنا پھیرا  
 تو پھر اسے شک دل اختیار ہی سنگ آستان کیوں ہو؟  
 قفس میں مجھ سے رو داد چین کہتے نہ ڈر ہمد  
 گری ہو جس پہ کل بھلی۔ وہ میرا مشیاں کیوں ہو؟  
 یہ کہہ سکتے ہو؟ "ہم دل میں نہیں ہیں" برہ بنلاؤ  
 کہ جب دل میں نہیں تم ہو۔ تو آنکھوں سے شاں کیوں ہو؟  
 غلط ہو جذبہ دل کا بشکوہ۔ دیکھو جرم کس کا ہو؟  
 نہ کینچہ گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو؟  
 یہ فتنہ آدمی کی خاندان دیرانی کو کب کم ہو؟  
 ہوئے تم دوست جس کے دشمن اُس کا آسمان کیوں ہو؟

۱۱

پہلے میرے میں استعمال نکال دی جو۔ مطلب یہ کہ یہ بات تم کہہ نہیں سکتے کہ تم میرے  
 دل میں نہیں ہو یعنی یہ کتنا بڑا کہ تم میرے دل میں ہو لیکن دریافت طلب یہ ہو کہ جب میرے دل  
 میں تم نہ صرف تم ہو جو ہو تو آنکھوں سے ہر شے ہونے کی کیا وجہ ہو؟  
 عہد بد فتنہ بد اخلاص بد مشق کے دوست ہو جانے کی حریف



یہی ہی آزمائے۔ تو ستا تا کس کو کہتے ہیں ؟

عدو کے ہو لیے جب تم۔ تو میرا امتحان کیوں ہو ؟  
 کما تم نے۔ کہ "کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی"

بجا کہتے ہو۔ سچ کہتے ہو۔ پھر کہتے کہ "اں کیوں ہو"

نکالا جاتا ہو کام کیا ملوں سے تو غالب ؟

ترے بے سہر کہنے سے وہ تجھ پر سراں کیوں ہو

رہیے اب ایسی جگہ چل کر۔ جہاں کوئی نہ ہو

ہم سخن کوئی نہ ہو اندھ ہم زباں کوئی نہ ہو

بے درد دیوار سا ایک گھر بنایا چاہیے

کوئی ہم سایہ نہ ہو اندھ پاسباں کوئی نہ ہو

پڑیے گرمیاد تو کوئی نہ ہو تیسرا دروازہ

اندھ اگر مرجائیے تو نہ خواں کوئی نہ ہو





## رویف (ہ)

اڑھڑتا ہر ذرہ - دل و دل ہو آئینہ

طوطی کو کشش جہت سے متابل ہوتا ہے

ہر ہنرہ زار ہر در و دیوار غم کدہ  
ناچار بے کسی کی ہی حسرت اٹھائے

جس کی بہار ہو پھر اس کی خزاں ہو چھ  
دشوار ہی رہ دسٹم ہمراں ہو چھ

## رویف (ی)

صد جلوہ رو بہ روی - جو شرگاہاں اٹھائے

طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائے

لے آفتاب سے لگے دتے تک - دنیا میں ہر چیز دل کے شل ہو اور دل پھل آئینہ ہو - پس گویا ہر مصلیٰ کو ہر چیز  
آئینہ متابل نظر آتا ہو - طوطی سے مراد انسان کو جو مشید اپنے آئینہ دل ہو۔

عہ میرے غم کو کہ وہ ہمارے ہنرہ زار ہیں گئے ہیں یہ ظاہر ہو کہ وہ ہمارے ہنرہ صرف افس و غم آگاہ ہو جبکہ  
بے غور ہی اور بے مصلیٰ کی حالت میں افسہ نکھار پڑے ہوئے ہوں - شاعر نے اپنے غم طمانے کی حالت کی  
اس شعر میں تصویر کھینچی ہے اور یہ کہ ہنرہ ہمارے آگاہ ہو اس لیے مصرعہ ثانی میں انہی اس ویرانی کو بہار  
کہہ کر آئینہ اس کے پر سے ہر تر ہو جانے کا خیال ظاہر کیا ہو۔

۱۱۳ منزل مقصود تک پہنچنے کا راستہ ایک تو یہی دشوار گزار تھا پھر اس پر مانتھوں کا سہم مرزا جو



<p>ہر رنگ پر براتِ مہاشِ جنوںِ عشق دیوار۔ بارِ منتِ مزدور سے ہو خم یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجئے</p>	<p>میں ہوں زمنتِ طفلان اٹھائیے اک خانانِ خوابِ حساں اٹھائیے یا پردہِ بسترِ ہنس اٹھائیے</p>
<p>سجھ کے زیرِ سایہ خرابات چاہیئے عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اوتھس پر یکے ہیں مہِ رؤف کے لیے ہمِ صبری کو سے غرضِ نشاطِ کس رو سیا کو؟ ہر رنگِ لالہ و گل و نسریں جدا جدا</p>	<p>بھول پاس آنکہ قبلہ حاجات چاہیئے آخرِ ستم کی کچھ تو مکافات چاہیئے تقریب کچھ تو ہر طاقت چاہیئے اک گونہ بے خودی بھدلات چاہیئے ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیئے</p>
<p>نئی</p>	<p>میں ہوں زمنتِ طفلان اٹھائیے</p>
<p>سر پہلے خم پہ چاہیئے ہر گامِ بخودی یعنی چسپ گردشِ پیمانہ صفات</p>	<p>روٹھو سے قبلہ وقتِ مناجات چاہیئے عارف ہمیشہ مستِ محو ذات چاہیئے</p>
<p>نشو و نما ہو اصل سے۔ غالبِ فروع کو خاموشی ہی سے نکلتے ہو۔ جو بات چاہیئے</p>	
<p>چونکہ ہمارے ساتھ ہم سفر ہے۔ ہر ستم ہی کرنے والے کیوں نہ ہوں موجِ دوہیں۔ اس لیے ہم نے ہر رنگ بے کس بھی نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے ہر رنگ کی حسرت اٹھاتے ہیں ۱۱ طبعیات ۱۔ ہر ستمی قرآن میں ہے، ہر ستمی قرآن سے روپ ہٹے۔ مطلب ہے، ہر ستمی قرآن میں ہر ستمی قرآن کے لیے</p>	



بساطِ عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خوں - وہ بھی  
 سو رہتا ہو با اندازِ چکیدن - سرنگوں وہ بھی  
 رہو اُس شمع سے آئندہ ہم - چندے تکلف سے  
 تکلف برطرف - تھا ایک اندازِ جسوں وہ بھی  
 خیالِ مرگ - کب تنگیں دلِ آزرہ کو بگھٹنے  
 مرے دایم تمنّا میں ہو اک صیدِ زبوں وہ بھی  
 نہ کرنا کاشش ناہی مجھ کو کیا معلوم تھا؟ ہمدرد  
 کہ ہوگا باعثِ افزایشِ دردِ دروں وہ بھی  
 نہ آغا برتشِ تیغِ جنابِ نازِ منور ماؤ  
 مرے دیائے بے تابی میں ہو اک ہیجِ خوں وہ بھی  
 محوِ عشرت کی خواہش - ساقی گردوں سے کیا کیجے؟  
 لئے بیٹھا ہو اک دو چار جامِ داثرِ گوں وہ بھی  
 مرے دل میں ہو غالبِ فوقِ وصلِ مشکوٰۃ بھراں  
 خدا وہ دن کرے جو اُس کے ہیں یہ بھی کہوں؟ - بھی

ہو نرم بتاں میں - سخنِ آزرہ - لبوں سے  
 تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامدِ طلبوں سے

نشانہ سنگِ غماں ہوا تو زنیِ شہرِ ہوس لے گویا جزوں میں بھی لڑکوں کی منشا کشی کے بغیر سفرِ نرس  
 لہ خوشامدِ طلبوں سے مشوق کی طرف اشارہ ہو مطلب یہ جو کہ مشوقوں کی خوشامد کرنے کے لئے



ہو دور متوجہ وجہ پریشانی صہبا  
 یک بار لگا دو حُسنِ مے۔ میرے یوں سے  
 رنجانِ دُرِ می کدہ۔ گسٹخ ہیں۔ راہ  
 زخار نہ ہونا طرف۔ ان بے ادبوں سے  
 بے داد۔ وفادار۔ کہ جاتی رہی آخِ  
 ہر چند مری جان کو تھا ربطِ لبوں سے

لہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا  
 سن لیتے ہیں۔ گو ذکرِ لہما را نہیں کرتے  
 غالب۔ تما احوالِ شایں گے ہم اُن کو  
 وہ سن کے بلا لیں۔ یہ اجا را نہیں کرتے

کھڑیں تھا کیا ہے کہ ترا غم اُسے غارت کرتا  
 وہ جو رکھتے تھے ہم۔ اک حسرتِ تمیزِ سوچ

یوں سے آکر وہ ہو میں خوشام کی حد ہو گئی اب بابت کرنے کو بھی نہیں چاہتا ۱۶

لہ فربِ جانا۔ پُرانا کا ورہ ہو۔ پس منہ لگتا ۱۷

نہ باقی۔ جانا جاتی۔ جان کو لبوں سے ربط تھا۔ یعنی جان یوں پر رہا کرتی تھی ۱۸



غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی  
 فلک کا دیکھنا۔ تقریب تیرے یاد آنے کی  
 کھلے گا کس طرح مضمون سے مکتوب کا یا رب!  
 قسم کھائی ہو اُس کا فزنی کا غز کے چلانے کی  
 ریشتا پر نیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہو  
 دے مشکل جو۔ حکمت۔ دل میں سوزِ غم چھپانے کی  
 انہیں منظور اپنے زنجیروں کا دیکھ آنا تھا  
 اُٹھے تھے سہر گل کو۔ دیکھنا۔ شوخی بہانے کی  
 ہماری سادگی بلی۔ التفاتِ ناز پر مڑنا  
 ترا آنا نہ تھا۔ ظالم۔ مگر تہیہ جانے کی

لے جو کہ فلک بھی سسگر مشورہ ہو اور بھی کلام کو اس نے قدرتی طور پر فلک کو دیکھنے ہی تیری  
 یاد آتی ہو۔  
 غم خط کے چلنے سے میرے سوزِ غم کا دل مشتوق ہو گیا ہر جود مانا تھا۔ لیکن اب چنگل میں غم خط کا  
 جلا بھی موقوف کر دیا ہو اس لیے سب طلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس شعر کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا  
 ہو کہ عشق اپنے غلط طریقے پر جو رکاوٹیں ڈالتے ہیں جس سے افکار اور تاخیر آتی نہ رہے  
 اور اس لیے وہ کسی ایسی روشنی کو مستعمل کرتے ہیں جس کے حروف باہمی تصریح نہ کریں  
 لیکن آگ کو دھکنے ہی پر جس میں پانی کا فرق ہے اس مطلب کے لیے استعلا کیا جاتا ہو جس  
 کے لیے جوئے حروف کا غز کو آگ پر رکھتے ہی روشن ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہو کہ شاعر بھی ایسا۔  
 اسی روشنی سے اپنے عشق کو خط لکھ کر دیا اور عشق اس کو آگ پر رکھ کر پھیرا کرتا تھا۔ لیکن  
 اب جو کہ عشق نے کاغذ کے جلنے کی قسم کھائی وہ اس لیے اسے فکر کو کبابِ عشق پر اس کے خط کا  
 مطلب کس طرح واضح ہوگا۔



لکھ کر وہ بے حلاوت کا تحمل کر نہیں سکتی  
 مری طاقت۔ کہ ضامن تھی تہوں کے اتنا اچھا لگی  
 کہوں کیا خوبی اور ضایع ابتائے زماں غالب؟  
 بدی کی اُس نے جس سے ہم نے کی تھی۔ بادشاہ کی

چال سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اور آرزو خرامی اُس شخص کی طرح سے۔ جس کو کوئی بھادری	دل جوش گر میں ہو۔ ڈوبی ہوئی ہمای میں بھی جلتے ہوؤں میں ناریغ ناقہ می
کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہان ہوا ہر کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے	جس میں کہ ایک بیٹھہ مور آسمان ہو پرتو سے آفتاب کے دھبے میں جان ہو

یہ حاصل ہے یہ سنی معمول۔ ہاتھ دھو بیٹھے۔ اور آرزو خرامی سے مراد وہاں سے آواز ہو۔ ہمای  
 جس کے ہر قسم کی تکیں اور وہیں۔ ہاتھ دھو بیٹھے۔ اور آرزو خرامی سے مراد وہاں سے آواز ہو۔ ہمای  
 کو کہتے ہیں جو کہ ہاتھ دھو بیٹھے۔ اور آرزو خرامی سے مراد وہاں سے آواز ہو۔ ہمای  
 باقی وہی مطلب ہے جو کہ گرہ و زاری سے کوئی ایسا تجربہ حاصل نہ ہو گا کہ اپنے سب مراد خرام کو سکوں کہ جو کہ جس کے  
 نے دل کو ڈوبی ہوئی ہمای ناخا جو یعنی اُس سے ایس کرنا ہوگا  
 کہ میں دماغ ناقہ می ہوں۔ اور یعنی مجھے اپنے ناقہ مراد کہنے کا ذوق ہوگا  
 کہ مطلب ہے جو کہ ہم اس قدر ستم زدہ ہیں کہ جو بیٹھہ ہمای ہے جس وحشت آٹھ ایس ہم پر ظم کرنے کو آسمان  
 ہوتا ہوا ہوگا۔



حالاں کہ ہر پہلے خوار سے الازگ  
 کی اس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا  
 کیا خوب تم نے بھیر کو ہوس نہیں دیا  
 بیٹھا ہو جو کہ سایہ دیوار یار میں  
 ہستی کا اعتبار بھی غم نے ہٹا دیا

غافل کو میرے پیشے پہ کی کا گمان ہو  
 آسے نہ کیوں پسند ہے کہ ٹھنڈا مکان ہو  
 بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں ان ہو  
 فراں روانے کشور ہندوستان ہو  
 کس سے کوں کہ دماغ جگر کا نشان ہو

ہو بارے اعتماد و وفاداری اس قدر  
 غالب - ہم اس میں غش ہیں نہ نامہبران

دور سے میرے ہی بچے کو بے قراری ہے ہے :  
 کیا ہوئی ظالم تری عقلت شکاری ہے ہے  
 تیرے دل میں گر نہ تھا آشوب غم کا عرصہ  
 تو نے بھر کیوں کی تھی میری غم گداری ہے ہے  
 کیوں مری غم خوار کی کا بچہ کہ آیا تھا خیال  
 دشمنی اپنی تھی میری دوست داری ہے ہے

لے سبیل غاما بہ ضرب سنگ نہ اگر اس شعر میں سبیل غاما کو حادثہ کے تھپڑوں اور شیشے کو خیشہ  
 دل سے تعبیر کیا جائے تو مطلب صاف ہو جاتا ہے - ۱۲  
 تہہ ہادی غزل مشوق کی وفات پر بطور رشک لکھی گئی تھی - ۱۳



عمر بھر کا تو نے پیمانہ وفا باندھا تو کیا؟

عمر کو بھی تو نہیں ہو پائے داری ہے ہے  
زہر لگتی ہو مجھے آپ دہرائے زندگی

میں تجھ سے تھی اسے ناساز گاری ہے ہے  
گل نشانی ہے از جلوہ کر کیا ہو گیا؟

خاک پر ہوتی ہو تیری لالہ کاری ہے ہے  
شرمِ رسوائی سے جا بچھنا نقابِ خاک میں

ختم ہو الفت کی تجھ پر پردہ داری ہے ہے  
خاک میں ناموس پیمانِ محبت مل گئی

اتھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ داری ہے ہے  
اتھ ہی تیغِ آزما کا کام سے جاتا رہا

دل بے رک گئے نہ پایا زخمِ کاری ہے ہے  
کس طرح کائے کوئی شب ہے تا بربرِ شکار

ہو نظر - ہو کردہ اختہ شمار ہی ہے ہے  
گوشِ مہرِ پیام - چشمِ محرومِ جمال

ایک دلِ تیرا بے پیرِ ناسید - داری ہے ہے  
عشق نے پر مار دیا - غالب - ابھی الفت کا جنگ

رہ گیا - تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ہے ہے  
— — — — —



<p>سرکشگی میں عالم بہتی ہے یاں ہو          لیتا نہیں مرے دلِ آفادہ کی خبر          کیجے بیاں سرِ تپ غم کماں تک          جو وہ غرورِ حسن سے بے کاٹ و وفا          پئی جس قدر لے شہِ متاب میں شلاب</p>	<p>تکلیں کو دے نوید کو مرنے کی تس ہو          اب تک وہ جانتا ہو کہ میری ہی پاس ہو          ہر سو مرے بدن پہ زبانِ پاس ہو          ہر چہ پاس کے پاس۔ دلِ عشق اس ہو          اس یعنی مزاج کو گرمی ہی اس ہو</p>
--	--

ہر مکان کہ ہو کہیں سے شرف اس  
 مجنوں جو مر گیا ہو۔ تو جگہ اُداس ہو

گر فاشی سے فائدہ۔ اخلا سے مال ہو  
 خوش ہوں۔ کہ میری بات سمجھنی محال ہو  
 کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ  
 دل۔ فردِ جمیع و خج زباں لے لال ہو

نہ میرے ہی پاس جو یعنی عاشق کے پاس ہو۔

مے دلِ عشق مستان سے خود عاشق کا حق مستان میں دلِ عاویہ جو مشفق نے سے بیا ہو۔  
 مے اس شعر میں شبِ ماہ کے ساتھ یعنی مزاج کو اس رعایت سے اذہا ہو کہ شبِ ماہ کے مزاج کو  
 بھی محبوب کہتا ہو۔

یہ شاعر کہتا ہو کہ میں اپنے بیانِ حال کی حسرت کا شکوہ کس کے سامنے کروں۔ میرا دل گوشتی  
 زبانوں کے جمے خبیث کی فرو۔ یعنی اُن اصحاب کے مشکوہوں کا ذکر نہ کرنا ہوا جو نہ سمجھتے ہیں نہ جواب  
 دیتے ہیں۔



کس پہرے میں ہو آئینہ پر داز اسے خلا

رحمت کہ خذر خواہ لب بے سوال اور

ہو خندانہ خواستہ اور دشمنی !

اے شوقِ مفضل ! یہ تجھے کیا خیال ہو ؟

شکلیں لباسِ کعبہ - علی کے قدم سے جان

ناپِ زمین ہو نہ کہ ناپِ غزال ہو

حُجّت پہ میری عرصہ آفاق تنگ تھا

دریا وین کو عسَرقِ انغزال ہو

ہستی کے مت فریب میں آجائو اسد

عالم تمام حلقہٴ دامِ خیال ہو

تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھو دکھو دروچھو

خذر کہ در سے دل سے کہ اس میں آگ دہی ہو

دلایہ دردِ عالم بھی تو منتظم ہو کہ آخر

نہ گریہ سحری ہو نہ آؤ نیم شبی ہو

ملہ اس شعر میں آئینہ پر داز کی حامل و حجت تھو اور اس کی شریہ ہو۔ اے خدا تیری رحمت کس پہرے میں آئینہ پر داز یعنی اپنی آرائش میں سرمدت ہو کہ لہجے سوال خذر خواہ ہو کہ میں نے سوال اب تکہ کبوں نہ کیا۔

لباسِ کعبہ کو شکلیں اس کے خلاف سبھا کی نسبت سے کیا اور یہ رعایت بھی ملحوظ ہو کہ جس طرح







پینس میں گزرتے ہیں کچھ سے وہ حیر  
کند عالمی کمار دل کو چلنے نہیں دیتے

مرئی ہستی - فضائے حیرت آباد تھا  
جسے کہتے ہیں نالودہ اسی عالم کا علقا ہو  
خزاں کیا؟ فضل گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو؟  
دہی ہم ہیں - قض ہو - اوسا تم بال و پر کا ہو  
دفا سے دلبراں ہو اتفاقی - ورنہ اسے ہمدم!  
اثر خدا و دل ہائے عزیز کا کس نے دیکھا ہو؟  
نہ لائے شوخی اندیشہ - تاب پنج فوسیدی  
کہا انوس کنا عہد تجد پر تھا ہو

لہ اس خورشید سما کندھا بدلنے کی کامیابی کے کوئی تخیل نہیں ہو بدلنے کے ساتھ کندھا بدلنے میں  
اور دینے کے ساتھ کا نہ تھا - خیال کے اعتبار سے یہ شعر کلام قالمب کے باب سے لگا ہوا ہو اور سارے  
دوران میں صورت میں ایک شرا عیا ہو ۱۲  
تہ شا عینے اپنی ہستی کو حیرت آباد تھا کی فضا اور چونکہ حیرت کے عالم میں انسان کے منہ سے آواز نہیں  
چلیں گل سکتی اس لیے آواز کے اس سے ظالم حیرت کا علقا قرار دیا ہو - مطلب یہ ہو کہ وہ اپنی تمنا میں ایسا کام  
کرنا تک مشہور ہے نہیں نکل سکتا ۱۳  
یہ شاعر کہتا ہو کہ میری فکر کی غرضی سے امید ہی ہے اب اس کا صدر نہیں آدہ سکا - اگر امید ہی کے  
ہر کندہ انوس بھی ماقہہ گوڑا تہجد کنا کا چہرہ ہو گیا میں میں حیرت کا انوس کیا ہر امن کی نشانی - عاشق کی  
انتہ سے ہوا انوس کا بیان ہو کہ انوس نے کے ساتھ تہجد علقنا کنا اس لیے بھی زیادہ ہر لطف ہو گیا ہو کہ  
عبدی فرشتے کے وقت آدہ میں آدہ دیتے ہیں ۱۴



ق ریح کر ظالم کہ کیا بود چراغ کُشته ای  
 دل آغی کی آرزو چین رکمتی ای ہیں

قبض بیا بر دنا دو چراغ کُشته ای  
 در دنیاں بے رونق سو چراغ کُشته ای

چشمِ خواں غاشی میں بھی فاپر دار ہے  
سُرمہ تو کھوئے کہ دوؤ شعلہ آواز ہے  
ہیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے  
نالہ گویا گردِ شبنم تیارہ کی آواز ہے  
دستِ ناز و دیدہ خوبا پر محسنوں دیکھنا  
یک بیاباں جلوہ گلِ فرشِ پا انداز ہے

عشق مجھ کو نہیں۔ دشت ہی سی      میری دشت۔ تری شہرت ہی سی

[illegible]



قلع کیجئے نہ قسطن ہم سے	کچھ نہیں ہو۔ تو عداوت ہی سہی
نیرے ہونے میں ہو کیا رسوا فی؟	اکودہ مجلس نہیں۔ خلوت ہی سہی
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے	غیر کہ تجھ سے محبت ہی سہی
اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو	اگلی گر نہیں۔ عفت ہی سہی
عز ہر چند کہ ہو۔ برقی خرام	دل کے غل کرنے کی ہمت ہی سہی
ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں؟	دہی عشق۔ مصیبت ہی سہی
کچھ تو دے۔ اے فلکِ ناقص	آہ و فزا کی نخست ہی سہی
ہم بھی تسلیم کی خود الیں گے	بے نیا زمی تری عادت ہی سہی

یار سے پیڑ چلی جاے اے  
کر نہیں وصل۔ تو حسرت ہی سہی

بہر آرمیدگی میں نکو پیش بجا مجھے	صبح وطن ہو خذہ و ذراں نہ مانجھے
ڈھونڈھے جو اس سستی آتش نفس کی جی	جس کی صدا ہو جلوہ برقی فغا مجھے

منہ بہت عقل کی حسرت دکھانے کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔

لہذا شعر حقیقت مرثیہ کے ان اقسام میں سے جو جو سہل شیخ لکھے جاتے ہیں اس وجہ سے اباب منی ایسے ہندو  
کی ایک کی طرف تو جو نہیں فرماتے۔ واقعی یہ شعر حقیقت مرثیہ کی ایک آئینہ جو اور شعروں کے ایک ٹوٹے مسئلہ کو  
مرثیہ نے اس میں حل کیا جو بہرہ و فیر مولیٰ علیٰ احوال صاحب آئینہ اباب نے اس کا مطلب اس طرح دیا ہے۔  
اباب منی سے آگاہی کا قسطن حدیث ہوئی (من حرفت نفسہ فقل عرفہ سر بہ) کے موافق مرثیہ کی



۱۰۔ بازگشت سے نہ پہچو نہ مانجھے  
آنے لگی ہو نکبت گل سے چاہے  
شروں کے انتخاب نے سو کیا کچھ

مستانہ طو کروں ہوں رو داہی خیال  
کرتا ہوں کسبغ میں تو بے حجابیاں  
کھٹا کسی پتوں کے دل کا معاملہ؟

زندگی رہی جب اس مشکل سے گزری غالب  
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی جیٹا کیے  
بیٹھا رہا۔ اگرچہ اشارے ہو اکیسے  
دل ہی تو ہو سیاستِ دریاں سے ڈرتا  
میں۔ اور جاؤں در سے ترے بن صد کے  
رکتا پھر دل ہوں خرقہ و ستارہ رہن کو  
مُت ہوئی ہو دعوتِ آب و ہو ا کیے  
تجے صفہ ہی گزرتی ہو۔ ہو گرچہ عمرِ خضر  
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیے؟

نہی ہو اور اپنی ہستی سے غافل ہوتا بھی تمام احادیث اور اقوالِ صوفیہ کے موافق وحدتِ ذاتی کا اعجاز ہے  
کہ کسی صوفی کا قول ہو، خودی مٹی میں حبِ ملی خدائی سرسوں بھونے آنگوں میں۔ تجوہ ہو کہ مالک کو ہمیشہ گامی  
اور غفلت کا تعلق نہیں ہوتا ہے رکھنا چاہیے۔

لے لیا وہ بیاں بہنِ خربت استمال ہوا کو ۲۰ لے لے صرفہ و غفلت ۱۲



مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ : اولیئم ؟  
 تو نے وہ گنج ہائے گلاں کیا کیے ؟  
 کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو ؟  
 کس دن ہمارے سر پہ ڈاکے چلا کیے ؟  
 صحبت میں عین کی نہڑی ہو کہیں یہ مخ  
 دینے لگا ہو بوسے بغیر البقی کے  
 صد کی ہو اور بات - مگر غریبی نہیں  
 بولے سے اُس نے سیکڑوں وعدہ وفا کیے  
 غالب - تمہیں کس کو کھٹے گا جواب کیا ؟  
 مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سنا کیے

اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہو  
 بال تدر و جلوہ موج شراب ہو  
 نے بھاگنے کی گوں - نہ اقامت کی تاب ہو

رفقار عمر - قطع - روا اضطراب ہو  
 فیلسفے کو ہو سر و نشاط پہاڑ سے  
 زخمی ہوا ہو پاشنہ پائے ثبات کا

نہ تار حوتے اس شعر میں خفہ قہور کے اس مسئلہ کو کہ جن افعال کی انسان کی عدوت ہے جیسے وہ اس سے اضطراب  
 مند ہوتے رہتے ہیں نظم کیا ہے : ۱۰۔ ماہ اضطراب - وہ سب جو حالت اضطراب میں طے ہو قطع : ۱۱۔ حال  
 عمر مطلب : ۱۲۔ جو میں غم گزشتہ آفتاب سے سال کا حساب کیا جاتا ہو - غالب کہتا ہے کہ طیرروان کا حساب برق کی  
 رفتار سے کرنا چاہیے گو اگر انسانی کی مقدار چمک برق کے برابر ہو مگر وہ بہت جلد فنا ہو جاتا ہے دلی ہو : ۱۳۔  
 سے شاعر کہتا ہے کہ مستوں کو صحبت شراب میں ہمارے کائنات کر رہا ہو - ان کے چلے بندے ہنر مند ہی دور  
 ہو و سچ شرب بل تدر ہو و فارسی میں بال تدر و کلاؤ کہ کہتے ہیں : ۱۴۔



جا داو بادہ نوشی رنداں کوشش جہت  
نظارہ کیا حریت ہوا حق جس کا  
بیش نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں

غافل تھاں کسے جو کہ تمہیں خراب ہو  
جوش بہار۔ جلوے کو جس کے نقاب ہو  
لانا۔ کہ تیرے رخ سے نگہ کا یہاں ہو

گز ماہ۔ سترت پینام پار سے  
قاصد پہ مجھ کو رشک سوال و جواب ہو

دیکھا قسمت۔ کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہو  
میں سے دیکھوں بھلاک مجھ سے دیکھا جاے ہو  
اتھ و حدود سے۔ یہی گرمی گراں دیشے میں ہو  
آب گینہ۔ تندی صبا سے پگھلا جاے ہو

۱۔ جا داو بادہ نوشی جانے ۱۰۔ جو لوگ جلوہ حقیقت سے بے خبر ہو بہ گمان کرتے ہیں کہ جہاں خراب ہو  
ویران ہو مگر بادہ نوشی کے لیے رنداں کے حق میں کوشش جہت تک وسیع جا تاو۔ جو جس میں  
ازدیں اور تغایع البالی کے ساتھ ۱۱۔ نوشی کے مزے اڑاتے ہیں ۱۲۔  
۱۳۔ جس کے جس کے جلوے کے لیے جوش بہار نقاب ہو نظارہ اس برقی جس کے دیکھنے کی کیا  
آب اسکتا ہو۔ مطلب یہ جو کہ جب نقاب کی حالت ہی میں اس کا منہ دل مشتاق پر بھی گرا تاو تو یہ  
کس کا نقاب و طاقت ہو کہ بے نقاب ہوئے برائے کا نظارہ کر سکے۔ معرفت سے بھرا اس شعر جو جو  
بنا دیکھو رفا کی طرف اشارہ ہو ۱۴۔

۱۵۔ دل کی تسلی کو۔ یہاں پر کہ ۱۶۔ ہستی کے لیے ۱۷۔ استقلال ہو جو ۱۸۔ مراد نقاب ہے مراد حق  
جس کا استقلال کیا ہو ۱۹۔ آب گینہ کو دل سے ہر گرمی اندیشہ کو تندی صبا سے مشابہ کیا ہو۔



غیر کہ۔ یا رب! وہ کیوں کر منہ گستاخی کرے  
 گر جیسا بھی اس کو آتی ہو۔ تو شرابا جیسے ہو  
 شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائے  
 دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے  
 وہ چشم بہ۔ قریٰ بزمِ طرب سے۔ واہ واہ!

نغمہ ہو جاتا ہواں۔ گرنالہ میرا جاے ہو  
 کرجہ جو طرزِ قافل۔ پردہ دایرہ رازِ عشق  
 پر ہم۔ ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہو  
 اس کی بزمِ آمائیاں سن کر۔ دلِ رنجور۔ یاں  
 شل نقشِ مدحائے غیر۔ بیٹھا جاے ہو  
 ہو کے عاشق وہ پری سنج۔ اور ناؤگ بن گیا  
 زنگ گھلتا جاے ہو۔ جتنا کہ اڑتا جاے ہو

۱۔ طرزِ قافل۔ یعنی عاشق کا قافل جو پردہ داری عشق کی غرض سے بڑا جائے شاعر کہتا ہے کہ ہم اپنے  
 معشوق کے سامنے اس طرح سے رہتے ہیں کہ اچھا پرہیزگار عشق افشا ہو رہی عاشق کا قافل ہو  
 لیکن ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ اپنی زخموں سے خود کو فراموش ہو جاتے ہیں کہ وہ فوراً ہمارے عشق کو اڑ جاتا ہے  
 ۲۔ بیٹھا جاے ہو۔ کے اس شعر میں وہ معنی دکھائے گئے ہیں۔ نقشِ مدح کا بیٹھا۔ یعنی مطلب  
 برآنا۔ دل بیٹھا۔ اس میں بخدا پسند ہے عاشق۔ گرا خزانہ کر معنی زیادہ قرین قیاس اور با محارہ  
 ہیں ۱۲۔



نقش کو اُس کے مصوّر پر بھی کیا کیا نا زہیں !  
 کھینچتا ہو جس قدر۔ اٹھا ہی کھینچتا جائے ہو  
 سایہ میرا مجھ سے مثلِ دو بھاگے ہو  
 پاس مجھ آتش پہ جاں کے کس سے ٹکھرا جائے ہو؟

گر تم فریاد رکھا۔ شکلِ نہالی نے مجھے تسبیہ و تقدیر دو عالم کی حقیقت معلوم کثرتِ آرائی و وحدت ہو۔ پرستارِ نبی ہم ہو جس شکل کا۔ تصور میں بھی کھینچا نہ	تب اہاں ہجرِ مینی برویا لی نے مجھے لے لیا مجھ سے مری بہتِ عالی نے مجھے کر دیا کافر۔ اہاں ہمنامِ حیا لی نے مجھے عجب آماجہ دیا۔ بے پروا لی نے مجھے
کارِ گواہی میں۔ لالہ۔ دماغِ سماں ہو	برقِ خرمینِ احت۔ خونِ گرمِ بقال ہو

یہ کھینچا جائے ہو۔ کرکڑا جائے ہو۔ جو جو ہزار  
 عہ شکلِ خالی کو دیکھ کر مجھے مشق کی یاد آئی اہم میں گرم فریاد ہو گیا اور اس گرمی فریاد کے سبب مجھے  
 شب ہائے ہجر کی سرنہی سے امان ملی۔  
 یہ مطلب یہ جو کہ میری ہمت اس قدر بلند ہو کہ اُس نے نقد دینا اور تسبیہ و تقدیر کے عوین میں مجھے  
 فروخت کرنا گوارا نہ کیا اس لیے میں اپنی ہمتِ خالی کے پاس رہا۔ یعنی خالی ہمتی کے سبب میرا دقتِ سر  
 دو نول عالم سے اتر ہو ۱۲۔

مجھ مرزا غالب نے ان تینوں شعروں کی شرح لکھتے ہوئے عروہ ہندی میں لکھا ہو کہ "قبلا حدیث  
 فکر سخن میں بیدل صاحبِ مشرک کے طرز پر بیعت لکھا تھا۔ چنانچہ ایک غزل کا مطلع یہ تھا۔  
 عروہ بیدل میں رنج نہ لکھا + اسدِ شفاں قیامت ہو"



باوجود کجی خواب گل پریشاں ہو  
دماغ پرست دست بجز پلٹنے نہیں ہو

مغنیہ ہاشگفتن با برگو عافیت معلوم  
ہم سے بچ بے تابی کس طرح اٹھایا جائے؟

ہم ہٹا ہاں ہیں ہیں انگڑی ہمارا آئی ہو

اُن رہا ہو دود دیوار سے بنزہ غالب

سادگی پر اس کی مچلتے کی حسرت دل میں ہو  
بس نہیں چٹا کہ پھر خورکِ قاتل میں ہو  
کوئی تفریق کی لذت کہ جو اس نے کہا  
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میر دل میں ہو  
گرچہ ہو کس کس برائی سے دے بائیں ہمہ  
ذکر میرا ہم سے بہتر ہو کہ اُس نخل میں ہو  
میں جو ہم نا اسیدی خاک میں مل جائے گی  
یہ جو اک لذت ہماری سچی حاصل میں ہو

چند روز اس کی عمر سے پچیس برس کی عمر تک مضامین خفا لکھا کہ اس برس میں بڑا دماغی صدمہ ہوا۔ آخر جب میر  
اک آقا صاحب کو دیکھا کہ ایک قلم چاک کئے دس چند رو شعروا سنے نوٹے کے وہاں حال میں رہتے  
تھے۔ یہ ایک تینویں شریک تھیں دس چند رو اخبار میں سے ہر جن کی طرف ملاحظہ فرمیں اخبار دیکھا گیا ہو  
جن کا صاحب مرزا تھے ایک خط میں جو مولوی عبدالرزاق شاہ کے نام جو دہندہ ہی میں بھیجا ہوا اس طرح لکھا ہوا  
کہ ایک دوستی میں آج ۱۰ روغ ملان شل اکبر بخمن وہ شخص کہ روغ میں کامیاب و سامان ہو۔ سو جو دیت لاکر کی ضرورت  
تھی شل روغ ہر دو روغ تو دیکھو لوں کا بھی دل ہوتا ہو پھر کچھ ٹھیکے کہ بھول کا دوست یا غلام کچھ ہوا جا ہو  
وہ بھائی کو جوتے بننے پانی مینے میں مشقت کرنی پڑتی جو اندر راحت میں لوگرم ہو جاتا ہو قصود خاطر کا



سچ رہ کیوں کہنے بیچے؟ واما ان کی کر عشق ہو  
 اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم۔ منزل میں ہو  
 جلوہ زارِ آتشِ دوزخ۔ ہمارا دل سہی  
 قندِ شہرِ قیامت کس کی آب و گل میں ہو  
 ہو دلِ خسوفِ غائبِ طلسمِ سچِ قاتل  
 رحم کر۔ اپنی تنہا پر کہ کس مشکل میں ہو

دونوں کو ایک ادا میں رضا مند کر گئی  
 تکلیف پر وہ داری زخمِ جگر گئی

دل سے قری نگاہِ جگر یک اُتر گئی  
 شق ہو گیا جو سینہ۔ خوشالذاتِ فراغ

ہو کہ دو دھن رنج دہنا جو ناز کا وہ لہو جو کشتِ کار میں گرم ہوا ہو وہی اسے کی راحت کی خبر کا  
 برق ہو۔ حالِ سوچ ویتِ حق اور صغیرِ خلعت راحت اور صورتِ رنج و شعور (۱)۔ سچ۔ کل جب نئی نکلے  
 بصورتِ قلبِ صوفیِ نقرائے عجیب تک پہنچے برگِ حاجتِ معلوم یاں معلوم بہ معنی معلوم ہو وہ  
 برگِ حاجت بہ معنی لایہ آمِ معرکہ "برگِ چھٹے کو زخویش فرست" برگِ دورِ سرور برگِ چھٹے سارِ دستان  
 خوابِ شخصیت گل اعتبارِ خوشی ویرانہ کی پڑنا لیا ہوا ہو نئی شکل دہی چو ل کی پتھر پوں کا کھرا ہوا ہوا  
 غفرِ بصورتِ دل ہے ہو۔ (۱) وصفِ جمیتِ دل گل کی خواب پڑنا ہو۔

دشمنِ سویم (۱) ہم سے رنج (۲) پشتِ دستِ صورتِ غرورِ شمس بہ دھڑلے دکا وہ دھڑلے گزشت بھی احوالِ نظر ہو۔  
 ہیں جس عالم میں کہ وہ نے پشتِ زمین پر کہ وہی ہو وہ شعلے نے نکلا دھڑلے میں لایا ہو ہم سے رنج و دشمنِ اب  
 کا گل کس طرح ہو "مطلب یہ کہ اس رنج کے برداشت کرنے کی ہم میں تاب و طاقت نہیں ہو وہ ہم سے  
 ہلاک کر دے گا۔"

لے ناظرانِ ہر کہ "اما ان کی کہ ہمارے قدم سے عشق ہو گیا ہو اس سے جسے ہمارا قدم منزل کے رہتے ہیں ہو  
 و منزل سے وہ منزل ہو ہی، آگے نہیں بڑھ سکا اس لیے ہم رائے کی تکلیف کیڑا کر گواہ نہیں ہو۔" غالب نے اس



اُٹھے بیل بکہ ذبِ خواب سحر گئی  
 بجٹے ب۔ اے بوا۔ ہرے بال و پر کئی  
 سحر خوام یا رب بھی کیا گل کستر گئی!  
 اب ابروئے شیوہ اہل نظر گئی  
 سستی سے ہر نگہ تھکن پر بکھر گئی  
 کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

وہ بادہ شہباز کی سرستیاں کہاں؟  
 اٹتی پھرے جو خاک مری کوئے اپیں  
 دیکھو تو دل فریبی اذانیہ نقش پا  
 ہر اہوس نے حسن پرستی شمار کی  
 نقاشی نے بھی کام کیا وہاں نقاب کا  
 قرعہ دسی کا تفرقہ یک! ریمٹ گئی

اما زمانے نے اس را خداں نہیں  
 وہ دلوے کہاں؟ وہ جوانی کدھر گئی؟

شعر میں مشرق سے اپنے ارمان نکالنے کی درخواست نہایت انوکھے طریقے سے کی ہے وہ کہتا ہے کہ تمام  
 کا شہر ویدہ دل میں تیری نقاشی ہوئی تو کیسے بیچ و تاب کاظم ہو تو انہی نقاب پر دم کرو اور میرا ارمان  
 نکل جائے گا ۱۲

لے لے لے لے جوانی مر رہی اور میرے پیر کی طرف اشارہ ہو کر مطلب ہے کہ جو بڑھا چلے میں جوانی کہہ دوس  
 پہاڑ ہو گئی ہو ۱۳

۱۴ کل کراہی میں شکوہ فرمایا کہ کوئی فدا کی بات کہے کہ آپ جلیلہ ہو جانا ۱۵

۱۶ شاعر مشرق کو مخاطب کہہ رہا ہے کہ تیرے رخ پر پہنچ کر عطا ہو ایسی مست و خود فرست ہوئی کہ دیکھنے والے  
 لذت و مسے محروم ہو گئے ۱۷

۱۸ وہ دیو میں کی گزشتہ فرما میں کل آنے والا ملک اور مجھے حشر سے بھی مراد مل جاتی ہو قیامت گزار  
 نہایت سخی گزارنا خود قیامت کا آجنا مطلب ہے کہ کل گزشتہ کہیں وقت تم جہان سے پاس سے رخصت  
 ہوئے ایسی خود فراموشی اور خود فراموشی ہوئی کہ کچھ اور کل (یعنی اسی دور مستقبل) کی تیز باتی

۱۹ کہی ۲۰



تسکین کو ہم نہ روئیں۔ جو ذوق نظر لے

حورانِ خلد میں تری صورت گر لے  
اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعد قتل

میرے پتے سے غن کر گئیں تیرا گھر لے  
ساقی گری کی سسہم کرو گنج۔ درد ہم

ہر شب پایا ہی کرتے ہیں۔ تجھ میں قدر لے  
تجھ سے ترکچہ کلام نہیں لیکن اسے ندیم

میرا سلام کہتو۔ اگر نامہ ہر لے  
تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا

فرصت کشاکشِ غم پنہاں سے گر لے  
لازم نہیں۔ کہ خضر کی ہم چہرہ دی کریں

جانا۔ کہ ایک بزرگ ہیں ہم سفر لے  
اے ساکنانِ کوچہ دلدار و کینا!

تم کو کہیں جو خالِ آشفۃ سر لے

۱۔ تسکین کو ہم نہ روئیں۔ ۲۔ تسکین دل کا غم نہ کریں۔

۳۔ میرے پتے سے۔ ۴۔ میرے غن کے پتے سے۔ ۵۔

۶۔ ساقی گری کی سسہم کرو۔ ۷۔ جھکا کر دلو۔ ۸۔

۹۔ کچھ کلام نہیں۔ ۱۰۔ کچھ شکایت نہیں۔ ۱۱۔ سنی مسدوم سکودہ، پہنچو اس شعر کا مطلب خود بخود ملے گا۔  
۱۲۔ ایک خلد میں کتا جو ہم نہایت دلچسپ ہوتا ہے، غریب، انہیں کے اللہ کا پس اس کو خط کریں۔ ۱۳۔ شاعر کو ایک



کوئی دن گرد زنگانی اور ہو  
آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں  
بار بار دیکھی ہیں اُن کی ریشیں  
پسے کے خطہ منہ دیکھتا ہوا نہر  
تالچے اعمار میں اکشد نجوم

اپنے ہی میں ہم نے ٹھانی اور ہو  
سوزِ غم ہائے نسانی اور ہو  
پر کچھ اب کے سہرگانی اور ہو  
کچھ تو پچھنا م تر بانی اور ہو  
وہ بلائے آسمانی اور ہو

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام  
ایک مرگ ناگسانی اور ہو

کوئی امید بر نہیں آتی کوئی صورتِ قلم نہیں آتی

تاکہ صد کی غزوت ہوئی گر کھٹکا یہ کہ تا صد کی عشق و عاشق نہ ہو جائے ایک دوست اس عاشق کا ایک شمع  
لا ابراہیم نے عاشق سے کہا کہ یہ آدمی دھندلا رہا ہے تو طے ہو کہ میں شام میں ہوں کہ میں حرکت نہ کر چکا ہوں اس کے  
بالہ خدا بھیجا تھا تھا را عاشق کو گداز کا ہوا تاکہ کہ تو بے پروا کو کہہ کر حالِ عشق نہ ہو گیا۔ کیا خاکسار  
وہاں بن کر نہ بھاڑ لگن کو چھاپ عاشق اس واقعہ کے وقوع کے بعد نرم سے کہتا ہوں کہ غیبِ دال تو خدا کو کچھ  
بلائی کی کمی کو کو طرے تو ہم تجھ سے کچھ کام نہیں لیکن اگر اندر کہیں لے جائے تو اس کو یہ رسم کہہ کر کہیں صاحب  
تم کیا کیا جوئے عاشق سوئے کے کر گئے تھے اور اتمام کا کیا ہوا ہے

ملہ میرزا اپنے ایک خواب میں شوکِ عشق لگے ہیں اس میں کوئی اشکال نہیں۔ لفظ ہیں وہی معنی شاعر اپنا  
کہوں جاسے کہ میں کیا کروں گا۔ بہم کشا ہو کہچہ کروں گا خدا جانے خرم میں یا غم خرم میں تجھ بنا کر خرم کہہ رہے  
یا میرزا گوہر میں چاہ جائے

تاکہ یہ گری کہاں اس ختم ہوا رہی ہو

تاکہ اعمار اس طرح مطلب یہ ہو کہ نجوم کے مستاروں کے اثر سے بھی عربی غلط ہو جاتی ہیں لیکن



نہیں کیوں رات بھر نہیں آتی  
 اب کسی بات پر نہیں آتی  
 پر طبیعت دھڑک نہیں آتی  
 درد کیا بات کر نہیں آتی  
 میری آواز گر نہیں آتی  
 پوچھی سے چارہ گر نہیں آتی  
 کچھ ہماری خبر نہیں آتی  
 موت آتی۔ ہو۔ نہیں آتی

موت کا ایک دن مسیت ہو  
 آگے آتی تھی حال دل پہ نہیں  
 جانتا ہوں ثواب طاعت و نہ ہر  
 ہو کھامیسی ہی بات جو چپ ہوں  
 کیوں نہ چوں؟ کہ یاد کرتے ہیں  
 دایع دل گر نظر نہیں آتا  
 ہم ہاں ہیں۔ جہاں سے ہم کو بھی  
 مرنے ہیں آرزو میں مرنے کی

کبے کس منہ سے جاؤ گے غالب  
 شہم تم کو مگر نہیں آتی

آخر اس درد کی دوا کیا ہو؟

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہو؟

جیسے آسمانی اس سے کیسے بڑھ کر ہو۔ آسمان کے تباہیتِ ظلم کی طرف اشارہ ہو ۱۲  
 ۱۳ دوسرے مصرعے میں تینہ کے لفظ کو درد سے کرپٹ ہونے سے مطلب صاف ہو جاتا ہو ۱۴  
 ۱۵ دوسرے مصرعے میں مستقام افروزی ہو چارہ گر کی نامی پیشانی کی گئی ہو کہ اگر تجھے دایع دل نظر  
 نہیں آتا تو کیا بڑے سوخت بھی نہیں آتی۔ یعنی ہوسے سوخت کو مزید آنا نہیں ہے ۱۶  
 ۱۷ مصرعہ اول میں مرنے ہیں بہ معنی دل و جان سے جا رہے ہیں آنا ہو۔ ۱۸ سب سے مصرعے کا مطلب ہے  
 کہ موت ہماری پاس تک تو آتی ہو لیکن ہم پر اپنا عمل نہیں کرتی یعنی ہماری جان نہیں بیتی ۱۹



یا الہی یہ ماجسا کیا ہو؟  
 کاش پوچھو کہ دعا کیا ہو؟  
 پھر یہ ہنگامہ سے خدا کیا ہو؟  
 غمزدہ و عشوہ واد کیا ہو؟  
 نگاہ چشمِ سدا کیا ہو؟  
 ابر کیا چیز ہو؟ ہوا کیا ہو؟  
 جو نہیں جانتے۔ وفا کیا ہو؟  
 ادا و ویش کی صدا کیا ہو؟  
 میں نہیں جانتا۔ دعا کیا ہو؟

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار  
 میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں  
 جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود  
 یہ پڑی چہرہ لوگ کیسے ہیں؟  
 شکن زلفِ عنبریں کیوں ہو؟  
 سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟  
 ہم کو ان سے وفا کی جو امید  
 ہاں بھلا کر۔ ترا بھلا ہوگا  
 جانِ تم پر نشانہ کرتا ہوں

میں نے اناکر۔ کچھ نہیں۔ غالب  
 صفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہو؟

کہتے تو ہو تم سب کہ بہتِ غالبیہ مواتے  
 اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وواتے  
 ہوں کشمکشِ نزع میں۔ ہاں جذبِ محبت  
 کچھ کہہ نہ سکوں۔ پردہ مرے پوچھے کو آئے  
 ہر صاعقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم  
 آنا ہی۔ مجھ میں مری آنا نہیں۔ گو آئے



نظارہ ہو کر گھبرا کے نہ بھائیں گے نیکہ دین

ہاں منہ سے گرا بادہ دوشینہ کی بو آئے

جلاد سے ڈرتے ہیں۔ نہ خط سے بچھڑتے

ہم کچھ ہوئے ہیں اُسے جس بھیس میں جو آئے

ہاں اہل طلب۔ کون مٹنے طعنہ دایا فٹ

دیکھا کہ۔ وہ ملتا نہیں۔ اپنے ہی کو کھو آئے

اپنا نہیں وہ مشیوہ کہ آرام سے ٹھیس

اُس در پہ نہیں بار۔ تو کہے ہی کہ ہو آئے

کی ہم نفسوں نے اثر گرہ میں تغیر

اپنے رہے آپ اُس سے۔ گر کچھ کو ڈبو آئے

اُس انجمنِ اذکی کیا بات ہو اقبال

ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

پھر کچھ ایک دل کو بے قراری ہو

پھر جگر کھودنے لگا تا سخن

قبلہ مقصد نگاہِ نیا نہ

سینہ جو یائے زخم کا رسی ہو

آہِ فصلِ لالہ کار سی ہو

پھر دہی پر وہ عمار سی ہو

اسے شاعر نے اس نسخے میں سکہ کی طرف اشارہ کیا ہو کہ فتح اذ کلین سب خدا کی طرف سے ہو۔ حالانکہ  
اس شعر کے سرور میں بھی جیس کی جگہ رنگ کا لفظ مقدر دیاں حال میں ہستال کیا ہو مگر یہ کہ جی بھیج  
تھے اثر گرہ۔ راثر گرہ کے باب میں کچھ کو ڈبو آئے۔ میری ذلت کر گئے۔



ق

دل خریدارِ ذوقِ خواری ہو  
 وہی صد گونہ انگِ باری ہو  
 محشرِ ستانِ بے قراری ہو  
 رونہ بازارِ جاں سپاری ہو  
 پھر وہی زندگی ہماری ہو

چشمِ دلّالِ جنسِ رُسوائی  
 وہی صدرِ نگِ نالِ مہرِ سائی  
 دلِ ہوائے خرامِ ناز سے پھر  
 جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہو  
 پھر اُنسی بے وفا چمکتے ہیں

ق

گرم بازارِ فوجِ داری ہو  
 زلف کی پھر شہِ داری ہو  
 ایک فریادِ آہ و زاری ہو  
 انگِ باری کا حکمِ جاری ہو  
 آج پھر اُس کی رو بکاری ہو

پھر کُلا ہو درِ عدالتِ ناز  
 ہو رہا ہو جہان میں اندھیر  
 پھر دیا پارہ جسکے سوال  
 پھر ہوئے ہیں گواہِ عشقِ طلب  
 دل و فرنگاں کا جو مستِ دمِ تھا

بے خودی بے سبب نہیں غالب  
 کچھ تو ہو جس کی پردہ داری ہو



جنوں تہمت کشِ شکس نہ ہو۔ گر شادمانی کی  
 نیک پاشِ خراشِ دل ہو۔ لذتِ زندگانی کی  
 کشِ کش ہے ہستی سے کرے کیاسی آزادی  
 ہوئی زنجیرِ بیچ آب کو۔ فرصتِ روانی کی  
 پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہ و قطعاں ہو  
 شرارِ رنگ نے تربت پہ میری گلِ نشانی کی

نکو ہمیش جو سزا فریادی بے داد و دل بر کی  
 سبدا خندہ و دناں نہا ہو صبح۔ محشر کی  
 رگِ بیل کو۔ خاکِ دشتِ جنوں۔ رنگی بننے  
 اگر ہو دے بجائے دانہ۔ دہقان۔ نوکِ شر کی

لے شادمانی کی :- شادمانی محال کی۔ یہ حرکت ہو کہ اگر تھوڑی سی دیر کو دل نے خوشی محال کی تو اس کے  
 ہمارے جنوں پر شکس محال کوئے کی تہمت نہیں لگ سکتی کیوں کہ اس عارضی خوشی نے تو زخمِ دل پر اس  
 بھی نیک چھڑک دیا۔ شاعر نے اس شعر میں اس کلیہ کو نظر کیا ہو کہ تکلیف کی حالت میں اگر تھوڑی سی دیر کو رست  
 ل جائے تو انسان کو تکلیف و صدمت کے مقابلہ کرنے کا موقع مل جاتا ہو اور اس وجہ سے اس کو تکلیف کا احساس  
 اور بھی زیادہ ہو جاتا ہو۔

عہ آزاد ہو کیسی ہی کوشش کہہ کر پہنچے سے کچھ کوئی آزاد نہیں ہو سکتا۔ مثلاً صبح آب ہو کہ اس کی روانی  
 سے بنا وڑھس کی آزادی کا خیال ہوتا ہو۔ لیکن فی حوالے اس کے پاؤں میں زنجیر پڑی ہوئی ہو شاعر نے اس کی  
 لہر لکھ کر زنجیر سے تہمت لگا دی جو مطلب یہ ہو کہ خدا کے تقاضے کی کشِ کش سے جس جو رانا د ہوئے کی کوشش  
 کی جائے۔ اتنی ہی گرفتاری بردہتی جاتی ہو۔

عہ دلچسپی ہو سنی گئی کہ زخمی ہوا۔ اس شعر میں مصنف نے اس مشہور قیاس کی طرف اشارہ کیا ہو کہ بیل کی



پروانہ۔ شاید باوان کشتی مڑتا

ہوئی۔ مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی

گروں بے داد و ذوق پر نشانی عرض کیا قوت؟

کرهاقت اڑ گئی۔ اڑنے سے پہلے میسہ پر کی

کسان تک روؤں اس کے خیمے کے چیمے قیامت ہو

برری قیمت میں لارب کیا نہ تھی دیوارِ پتھر کی

بے اعتدالیوں سے۔ محبک سب میں ہم بے

جتنے زیادہ ہو گئے۔ اتنے ہی کم ہوئے

پہاں تھا دامِ تختِ قریب آشیان کے

اڑنے نہ پایا ہے تھے گرفتار ہم بے

فصد کے ساتھ مجنوں کی فصد خود پر خود کل گئی تھی مطلب یہ کہ اگر خاکِ دشت مجنوں میں کسان دانے کی  
جگہ نشتر ہے تو من و ہنر کے اتحاد کا یہ اثر ہو کہ اس سے رنگ بڑھ جائے ۱۲

۱۳ جب مجلس گرم ہوئی تو شمع جلتی ہو اور شمع کے لیے پردے کا ہوا تھادی ہو مجلس کی گرمی روانی ساغر کا سبب ہو

اس لیے کشتی کو کا باوان پر پردہ نہ کہ قشر یا تھوڑا بھگت ہو نہ کہ مجلس میں دور ساغر کو کشتی پر پردہ نہ ہی کی بہ دلت جلتی ہو  
۱۴ یہ شعر پہلے پیش ہو چکا تھا کہ اڑنے سے پہلے ہی میسہ پر کی تو بہ ہوا اڑ گئی و زائل ہو گئی،

اب ادنیٰ پر نشانی کی ہے دریاں سے اب ہر کو کہ چرکنا مانتا ہوں لیکن بڑکی میں سکتا ۱۵  
۱۶ جتنے زیادہ ہو گئے۔ جتنے ہم اپنی حد سے بڑھے ۱۷

۱۸ سخت قریب۔ زیادہ قریب۔ اس شعر میں شاعر نے انسان کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہو  
کہ آہی نے جہاں جوشِ سنبھالا اور تعلقاتِ دنیوی میں جھنس گیا ۱۹



بستی ہماری۔ اپنی خاطر وکیل ہو

یاں تک بیٹے کہ۔ آپ ہی اپنی قسم ہوے

سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہو کہا خبر؟

وہ لوگ رفتہ رفتہ سدا پا الم ہوے

تیری دعا سے کیا ہو تلافی ہو کہ دہر میں

تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے قسم ہوے

کھتے رہے جنوں کی حکایاتِ غل چکاں

ہر چند اس میں اٹھ ہمارے قلم ہوے

اقتدری تیری تندیِ غم سے کیم سے

اجزائے نالہ۔ دل میں کسے رزقِ ہم ہوے

ہلّ ہو س کی فتح ہو۔ ترکِ نبردِ عشق

جو پاؤں اٹھ گئے۔ وہی اُن کے علم ہوے

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے

جرمِ اہلِ نہ کھنچ سکے۔ سوہ دیاں آکے دم ہوئے

۱۔ شاعر اس شعر میں اپنی بستی کو بے حقیقت بنا کر تاہم کہ وہ ہرے نام صرف قسم کھانے کو یہی درجہ  
فی الواقعہ انسانی بستی کا کھربہ ہو ۱۲

۲۔ رزقِ ہم۔ ایک دوسرے کا رزق ۱۳

۳۔ اہلِ ہوس۔ رقیب۔ پاؤں اٹھنا۔ جاگ اٹھنا۔ کلم ہوے۔ رنج کا جھنڈا ہوے ۱۴



چوڑی اس۔ نہ ہم نے گدائی میں لگی

سائل ہوئے تو۔ عاشقِ اہل کرم ہوئے

جو نہ نقدِ داغِ دل کی۔ کرے شعلہٴ اسبانی

تو فرس وگی نہاں ہو۔ کہیں بے زبانی

مجھے اُس سے کیا توقع ہے؟ زمانہٴ جوانی

کبھی کوہی میں جس نے۔ نہ سستی مری کمانی

نہیں دُکھ کسی کو دینا نہیں خوب۔ وہ نہ کتا

کر مرے عدو کو یارب! ملے میری زندگانی

ظلمت کرے میں بہرے شبِ غم کا جوش ہے

اک شمع ہی دلیلِ سحر۔ سو خاموش ہے

نئے مرثوہ وصال نہ نظارہٴ جمال

میت ہوئی کہ آتشِ چشمِ دگوش ہے

ملہ کہتے ہیں کہ شعلہٴ محبت (جو میرے نقدِ داغِ دل کی محبت کا فرض اٹکوا ہو) چونکہ داغِ کوا شرفی سے خاصیت دیتے ہیں۔ اس لیے نقدِ داغِ دل کوا اگر ایسا نہ کرے یعنی اسے ٹھنڈا ہو جانے دے تو اس فرس وگی نہاں خاموشی جو کھردری سے پیدا ہوتی ہو اسے شادے۔ شعلے کی رعایت سے بے زبانی کا لفظ کہا گیا ہے اور عہ نہیں اس لفظ کا دلا بعض یوں ہی اور بعض نہیں سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ جو وہ جالے دی کر جالے۔ "نہیں" کہتے ہیں اس کے معنی کوا دے جس لیے سبب کے ہیں اور۔

تھ شبِ غم کا جوش ہے۔ انصیرا ہی انصیرا۔ اس شعر کی طرح بھی خود مرثوہ غالبہ ہی کر گئے ہیں جس کو ہم کہتے عودِ جندی کے نقش کیے دیتے ہیں۔

وہ مرثوہ و غبرو پہا مصرعہ جتنا۔ شبِ غم کا جوش یعنی انصیرا ہی انصیرا (ظلمتِ غلبہ) سحرنا پہا گویا







ساتی بہ جلوہ۔ دشمن ایمان و آگہی  
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بہا  
لطفِ خرامِ ساتی و۔ ذوقِ صلہ چنگ  
یا بیج دم جو دیکھتے۔ اگر۔ تو زرم میں  
دوغِ فراقِ صحبتِ شب کی جل ہوئی  
آئے ہیں غیب سے یہ مفاہیم خیال میں

مضطرب بہ غم۔ رہن بیکسین دوش  
دلان باغبان و کفِ گل فروش ہو  
یہ جنتِ نگاہ۔ وہ فردوسِ گوش ہو  
نے وہ سرور و شور نہ جوئی خوش ہو  
اک شمع رہ گئی ہو سودہ تجلی خوش ہو  
غالب۔ صریح خامہ۔ نوے دوش ہو

نہ ہونی اگر سے مرنے سے تسلی نہ سہی  
خارِ خارِ المِ حسرتِ دیدار تو ہو  
یہ پرستانِ غم کی منہ سے لگا ہی بنی  
نفسِ قیس کہ ہر چشم و چراغ صفا  
ایک ہنگامے پہ قوف ہو گم کی راق  
نہ سنا کش کی تہا۔ نہ میلے کی پروا  
عشرتِ صحبتِ خواں ہی غنیمت سمجھو

استحصالِ نور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی  
شوق۔ گل چینِ گلستانِ تسلی نہ سہی  
ایک دن گرنہ ہوا زرم میں ساتی نہ سہی  
گر نہیں۔ شمعِ سیاہ خانہ لیلی نہ سہی  
نورِ غم ہی سہی۔ فتنہ و شادی نہ سہی  
گر نہیں ہیں مرے اشار میں معنی نہ سہی  
نہ ہونی غالب۔ اگر غیرِ طبعی نہ سہی

عجب نشاط سے جلاہ کے چلوں ہم آگے

کلاچے سے سے سبز پاؤں سے ہی دو قدم آگے

فضل نے تھامے جا با خراب بادۃ الفت

فقط۔ خراب، لکھا۔ بس نہ چل سکا ظم آگے



غم زانے جماڑی نشا طِ عشق کی سستی  
 مگر وہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے  
 خدا کے واسطے۔ داد اس جنونِ شوق کی دینا  
 کہ اس کے وہ پہنچتے ہیں نامبر سے ہم آگے  
 یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے  
 تھکے آئے۔ اسے مکر و بے خرم، خرم آگے  
 دل و جگر میں برفاں جو ایک موجِ نوحوں جو  
 ہم اپنے زعم میں بکھے ہوئے تھے ایک دم آگے  
 قسمِ خازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب!  
 ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

شکوے کے نام سے بے مرخا ہوتا ہے  
 یہ بھی مت کہہ۔ کہ جو کہتے زکلا ہوتا ہے  
 پڑھوں میں۔ شکوے سے یوں۔ رگ سے بے پایا  
 ایک ذرا چیر لڑیے۔ پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے  
 اگر تھکتا نہیں۔ بد حسنِ تلائی و لکھو  
 شکوہ جو سے سرگرم جفا ہوتا ہے

یہ جماڑی نشا طِ عشق کی سستی، سب نشے آتا رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب سے دنیا کا غم ہمارا سہاگے  
 کہہ گیا ہے ہم غمِ عشق کا درد بھول گئے ہیں۔ اس لیے جب ہم مستحق سے اس کے جوہر کا شکوہ کرتے ہیں اگرچہ



عشق کی راہ میں ہو چنچ کوکب کی وہ چال  
 سست رو۔ جیسے کوئی ابلہ پا ہوتا ہو  
 کیوں نہ ٹھہریں وہ ناوکب بے داد؟ کہ ہم  
 آپ اٹھاتے ہیں مگر تیر خطا ہوتا ہو  
 خوب تھا۔ پہلے سے ہوتے۔ جو ہم اپنے بدخواہ  
 کہ بھلا پاس تھے ہیں اور بُرا ہوتا ہو  
 مالہ جاتا تھا پسے عرش سے میرا۔ اداب  
 لب تک آتا ہو۔ جو ایسا ہی رسا ہوتا ہو

### قطعہ

شاہ کی صج میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہو  
 تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہو  
 تو وہ لشکر کا ترے۔ نفل بہا ہوتا ہو  
 آستان پہ ترے۔ منہ نہامیسا ہوتا ہو  
 بے بھی تیرا ہی کرم۔ ذوق فزا ہوتا ہو

خامد میرا۔ کہ وہ ہو بار پیر بزم سخن  
 اچھا شہنشاہ کو اکب سپہ۔ ذ۔ مہر عظم  
 سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے  
 ہر پینے میں جو یہ پرے سے ہوتا ہو چل  
 میں جو کستان ہوں آئینِ غزل خوانی میں

بہت نہیں مگر یہ حسنِ ثنائی کا بلی دیدی کہ وہ ظلمِ براہ۔ بھی آلودہ ہو جاتا ہو۔ ۱۲۔

ملا چنچ کوکب۔ آسان سے ۱۰۔ چنچ کوکب کہہ کر اس کو آبلہ بنانا ہو گیا جو اگستہ دہل کو آبلوں سے تشبیہ

دی ہو۔ ۱۱۔



رکھو غالب۔ مجھے اس تلخ ذائقے میں صاف  
کچ کچ دردِ دمرے دل میں سوا ہوتا ہے

تھیں کوں کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟  
کوئی بتاؤ کہ وہ شیخِ تند خو کیا ہے؟  
وگرنہ خوفِ ہراسِ مزیِ عدو کیا ہے؟  
ہماری جیب کو۔ اب حاجتِ رُو کیا ہے؟  
کہہ دیتے ہو جوابِ راکھ۔ جستجو کیا ہے؟  
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا۔ تو پھر لو کیا ہے؟  
سولے بادلوں کا دمِ مشک ہو کیا ہے؟  
یہ شیشہِ وقیع و کوڑا و سبزو کیا ہے؟  
تو کس اسد؟ کیسے کہہ آرزو کیا ہے؟

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ "تو کیا ہے؟"  
نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا  
یہ رفک ہو کہ وہ ہوتا ہے ہم سخنِ تم سے  
چپک رہا ہو بدن پر لہو سے پیرا ہن  
جہاں جسم جہاں۔ دل بھی مل گیا ہو گا  
رگہاں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل  
"پیر جس کے لیے ہم کو ہر بہشتِ علانیہ  
بیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں وہ چار  
سہی نہ طاقتِ گفتار۔ اور اگر ہو بھی

ہوا بکوشہ کا مصائب بھرے ہو اترانا  
وگرنہ شہر میں غالب کی آہ و کیا ہے؟

چل نکلتے جوڑ پے جوڑ تے  
کاسکے۔ تم مے لیے ہوتے  
دل بھی یارب! کئی دے ہوتے

میں انہیں پھیر دل۔ اد کچ نہ کہیں  
قمر ہو یا بلبل ہو جو کچھ ہو  
میری قسمت میں غمِ گراستنا تھا



آہی جاتا۔ وہ راہ پر غالب  
کوئی دن اور بھی بیٹھے ہوئے

طاقت بے داد انتظار نہیں ہو  
نقشہ بہ اندازہ حسرت نہیں ہو  
ہائے اکر رونے پہ اختیار نہیں ہو  
خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہو  
غیر گل آئینہ ہنسنا نہیں ہو  
دلے! اگر عہد استوار نہیں ہو

ا۔ کمری جان کو قرار نہیں ہو  
دیتے ہیں جنت۔ حیات دہر کے بدلے  
گر یہ نکالے ہو تری نرم سے مجھ کو  
ہم سے عبث ہو۔ گمانِ رنجش خاطر  
دل سے اٹھا! لطفِ جلوہ ہائے مانی  
قتل کا میرے عہد تو کیا ہو بارے

تو نے قسم کشی کی کھائی ہو غالب  
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہو

ملہ حیات دہر میں شاعری کی طرف اشارہ کیا ہے اور انسان کو اس دنیا کی زندگی میں اٹھانا  
پڑتی ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ اہلِ حیات کے ہلکے جنت کا فنا انسان کے حق میں ایسا ہے جیسے کسی کو  
بیماری کی زیادہ تکلیف اٹھانے کے بعد بخوبی ہی خوب حال ملے گا۔  
تو نے لطف اٹھا، لطف حاصل کر۔ اس شعر میں شاعر نے ہمارے دل کی تلامذہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کہتا ہے کہ  
دل سے جلوہ ہائے مانی کا مزہ یعنی لطف سن چکاں کر دے یہ مزاں ہو، کیونکہ آئینہ ہمارے گل کے سوا اور  
کچھ نہیں ہو اور گل کی تلامذہ ہی تھوڑے ہیں۔



ہجوم غم ہے۔ یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہو  
 کہ تا بہ دامن دتا بہ نظر میں فرق مشکل ہو  
 رفو سے زخم ہے۔ مطلب ہر لذت بنیم ہونن کی  
 سمجھو مت کہ پاس درو سے دیوانہ غافل ہو  
 وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب  
 چٹکنا غنچہ دل کا صدائے خندہ دل ہو

پا بہ دامن ہو رہا ہوں بس کہ میں صوفائے نور و  
 خارِ پا۔ میں جو ہر آئینہ زانو مجھے  
 دیکھتا حالت مرے دل کی۔ ہم آغوشی کے وقت  
 جو نگاہ آشنا۔ تیرا سر ہر سو مجھے  
 ہوں سراپا سا زآہنگ شکایت کچھ نہ پوچھ  
 ہو یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ پھیرے تو مجھے

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے  
 جاں کا بہ صورتِ دلجو ا ر میں آوے

لہ گفتار میں آوے ز خارجی کا وہ کاترچہ ہو۔ اردو میں نہیں بولتے۔ اس کے معنی ہیں بانہیت  
 کرے ۱۲۔



لئے کی طح ساتھ پھر یہ سہرہ و صندور  
 تو اس قدر دل کش سے جو گلزار میں آوے  
 تب نازکراں مانگی اشک بجا ہو  
 جب لخت جگر دیدہ خون بار میں آوے  
 دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ سنگرا  
 کچھ تجھ کو مزہ بھی مرے آزار میں آوے  
 اس چشم فوں گر کا اگر پائے اشارہ  
 طوطی کی طح آئینہ گفتار میں آوے  
 کانٹوں کی دباں سو کھٹکی پیاس سے یارب  
 ایک آبلہ پا داوی پرخسار میں آوے  
 مرجاؤں نہ کیوں رشک سے؟ جب وہ بن نازک  
 آغوشِ خیمِ خلعت زنتار میں آوے  
 خمارت گزناموس نہ ہو گر ہو کس زر  
 کیوں شاہِ گلِ باغ سے بازار میں آوے  
 تب چاکِ گریباں کا مزہ ہو۔ دلِ نالاں  
 جب۔ اک ٹکس اُبھا ہوا ہزار میں آوے  
 آتشِ کدہ ہو سینہ بڑا۔ رازِ نہاں سے  
 اے دے! اگر مرضِ اظہار میں آوے



گنجینہٴ معنی کا طلسم اس کو سمجھے  
جو لفظ کہ - غالب - مرے اشار میں آئے

مُن نہ - گرچہ یہ ہنگام کمال - اچھا ہو  
اُس سے میرا مدد و رشید جمال اچھا ہو  
بوسہ دیتے نہیں - اور دل پہ ہو ہر لحظہ نگاہ  
جی میں کہتے ہیں کہ "مفت آئے تو ال اچھا ہو"  
اور بازار سے لے آئے - اگر ٹوٹ گیا  
ساغرِ حرم سے مراجیمِ شفال اچھا ہو  
بے غلب دیں - تو مزا اُس میں سوا ملتا ہو  
وہ گدا - جس کو نہ ہو غلے سوال - اچھا ہو  
اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہو نُسہ پر رونق  
وہ بگھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہو  
دیکھئے - پاتے ہیں عشاق تیرے کیا فیض؟  
اک برہمن نے کہا کہ یہ سال اچھا ہو  
ہم سخنِ تیشے نے فراد کو شیریں سے کیا  
جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال - اچھا ہو  
قطرہ دہلا میں جو بلِ جانے تو دہلا ہو جائے  
کام اچھا ہو وہ جس کا کہ آ ل اچھا ہو



خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز  
 شام کے باغ میں یہ تازہ نال اچھا ہو  
 ہم کو معلوم ہو جنت کی حقیقت۔ لیکن  
 دل کے خوش رکھنے کو غالب۔ یہ خیال بھلا ہو

<p>ہم رہیں یوں تشناب پیغام کے          ہتھکنڈے ہیں چھ مٹیلی خام کے          ہم تو عاشق ہیں تہا سے نام کے          دھوے دھبے بارہ اسد ام کے          یہ بھی حلقے ہیں تہا سے دام کے          دیکھیے کب دن پھریں حسام کے؟</p>	<p>غیر میں مغل میں بوسے جام کے          خشک کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ          خط لکھیں گے۔ گرچہ مطلب کچھ نہ ہو          رات پنی زرم ہلے ہو۔ اور صبح دم          دل کو آنکھوں نے پھنسا کیا ہو کر          شاہ کے جو غسل صحت کی خبر</p>
--	--

عشق نے غالب نکمت کر دیا  
 ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

۱۲۔ خضر سلطان شاہ ابو ظفر کے شہزادے کا نام جو ان کے لیے شاعر نے اس شعر میں دیا وہی ۱۲  
 ۱۳۔ شاعر نے اپنے فلسفیانہ عقیدے کے مطابق دو جن اور جنت کے وجود کو غازی سمجھا جو اس کا  
 مطلب یہ ہو کہ جنت کا اعتقاد رکھنا احمقانہ قلب کے لیے ضروری ہو ۱۴۔

۱۵۔ غسل سے مشق کی غسل پیش مراد ہو اور پیغام سے پیغام طلب ۱۶۔

۱۷۔ ان بھرتا ارتقا پر کامواں جو تا ۱۸۔



کہ ہرے ہرے وہ تماشا

پہر اس انداز ہے بہا ر آئی

ق

اس کو کہتے ہیں عالم آرائی  
رُکوشِ سحرِ چہرہ رخِ بینائی  
بن گیا روئے آب پر کائی  
چشمِ نرگس کو دی ہو بینائی  
بادِ خوشی ہو بادِ مہیا ئی

دیکھو اے ساکنانِ خطہٴ خاک  
کہ زمیں ہو گئی ہو سدا سر  
بہرے کو جب کہیں جگہ نہ ملی  
بہرہٴ گل کے دیکھنے کے لیے  
ہو ہو ایس شہاب کی تاثیر

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب  
شاہِ دیں دار نے شفا پائی

تفاضلِ دوست ہوں - میرا داغِ بختِ عالی ہو  
اگر پہلو تھی کیجے - تو جا میری بھی خالی ہو  
رہا آبادِ عالم - اہلِ ہیئت کے نہ رہنے سے

بھرے ہیں جس قدر دھار و ستیو - موخانہٴ خالی ہو

عہدِ بہار کی وجہ سے جب ہوا اس شراب کی تاثیر پیدا ہو گئی تو قلوبِ بینا غفلت ہو کر اٹھانے ہی سے خراب کا  
لطفِ فنا ہو کر عہدِ کائنات کو دوست رکھنا نہ رہی میرا بچہ دار نکھار اس قدر بڑھا ہوا کہ گھٹے بے توڑی ہی  
پہنہ ہو اگر آپ مجھ سے پہلو تھی یا بے انتہائی کریں گے تو گویا میرے لیے جگہ نہ ملی کریں گے کیونکہ انھوں کو  
میں انصاف سمجھتا ہوں عہدِ اہلِ بہت عہدِ اہلِ ابدال اللہ سے ہو مکمل یا مضمون ہو شاہِ کریم ہو کہ مراد



اوپر پھر وہ بھی - زبانی میری  
دیکھ - خوں تاپہ نشا فی میری  
گروہ آشفہ سیا فی میری  
بھول جانا ہونشا فی میری  
تھک گیا - دیکھ روا فی میری  
سخت ارزاں ہو گلا فی میری  
صرصر شوق ہو با فی میری  
کل گئی ہیسچ ما فی میری

کب وہ سنتا ہو کسا فی میری  
خلش غمزدہ خوں ریز نہ پوچھ  
کیا بیاں کر کے مارو میں گے یا؟  
ہوں زخود رفتہ بیدائے خیال  
متقابل ہو مقابل میرا  
تدیر شگب سہرہ رکھتا ہوں  
گردباد رو بے تابانی ہوں  
دہن اُس کا جو نہ معلوم ہوا

اہل ہمت کے نہ ہونے سے اس دنیا کی پہل پہل بانی ہو کہیز نکلی ہمت دنیا کو فانی سمجھ کر اس کی جانب عدم متوجہ  
کرتے اور دنیا پر ابرام ہوجاتی ۱۰۔ سرے سرے میں اسی مفہوم کو مثال سے سمجھایا گیا ہے ۱۱۔  
لہذا اُس کے غمزدہ کی خوں ریزی نے جو خلش دل میں پیدا کر دی ہے اس کا اندازہ میرے خوں کے آنسوؤں سے  
بخوبی ہوتا ہے ۱۲۔  
لہذا اس شعر میں کیا کہے بدروصف کا لفظ کھڑوٹ ہو اور بہر حذف ثابت پر لطف ہے ۱۳۔

۱۴۔ بیدار بافتح یعنی بیاں بدوشت - بیدائے خیال اور صحوئے خیال میں صحوئے خیال کا ازخود رفتہ  
ہوں یعنی دوستوں کے خیال سے نکل جانا ہوں اور صہاب کے خیال سے فراموش ہو جانا اسی سیر پر پہچان ہو  
۱۵۔ اس شعر کے معنی مصنف نے خود اپنی زندگی میں مولوی عبد الحزاق صاحب شاکر اپنے ایک شاگرد کو  
ایک خط میں لکھ کر بھیجے تھے جو انھیں کے الفاظ میں یہ ہیں : "تقابل و تفاؤد کو کون نہ جانتے گا - تو وہ  
خلقت - شادی و غم - راحت و غم - عدم - فنا مقابل اس شعر میں یعنی رنج جو جیسے عمر بھر کر  
یعنی دوست کے بھی مستقل ہو - مفہوم شعر یہ ہو کہ ہم اور دوست دروے خود عبادت عند ہم دیگر ہیں ۱۶۔  
میری طرح کی روانی کو دیکھ کر کہ گیا ۱۷۔ خود ہندی ہے کہ باور ہو گا ۱۸۔

۱۹۔ دہن مستحق کو شاعر ہیج جانتے ہیں اور مصنف میں یہ شخصیت شاعر ہونے کے ہیج جاننے والوں کے



کرد یا صنف نے عاجز غالب  
تنگ پیری ہو جوانی پسہ سی

نقشِ نازِ بختِ طاقہ ہر آغوشِ رقیب  
پائے طاقس پر خامہ مانی مانگے  
تو وہ بد خو کہ تھیکہ کو تماشا جانے  
غم وہ افسانہ کہ آشفہ بیانی مانگے  
وہ تپ عشق تما ہو کہ پھر صورتِ شمع  
شعلہ تا نبضِ جگر۔ ریشہ دوانی مانگے

گلشن کو تری صحبت۔ ادبس کہ خوش آئی ہو  
ہر خنچے کا گل ہوا۔ آغوش کشتائی ہو  
واں گلگیرِ استغنا۔ ہر دم ہو بلند سی پر  
یاں نالے کو ادا اٹا دھولے رسائی ہو

زمرے میں ہی اس نے اپنے کو بیچ ڈال لیا ۱۰  
۱۱ شاعر کو اس شعر میں رقیب کی جھوٹا تصور ہو رہا تھا جو کہ رقیب ایسا بد صورت ہو کہ جب عشق کی  
تصور اس کی ہر آغوش کی حالت میں کھینچی جائے تو وہ بھی بوجہ و مشوق کے صین ہونے کے بدلتا معلوم  
ہوئی ہو وہ سونے قریب جگہ مصر کی یہ خواہش ہوتی ہو کہ اس کے ہاتھ میں پائے طاقس کا نظم اس کی وجہ  
نہا ہو کہ طاقس کے سب اعضا صین ہو گئے ہیں لیکن اس کے پاؤں بہت بد صورت ہوتے ہیں ۱۲



از بس کہ سکھاتا ہو غم۔ ضبط کے اناڑے  
جوداغ نظر آیا اک چشمِ سنائی ہو

جس زخم کی ہو سکتی ہو تیرد فو کی اچھا ہو سرگشتِ سنائی کا تصور کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے وصلگی سے دشمن نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو	لکھو یہو یارب! اُسے قسمت میں عدد کی دل میں نظر آتی تو ہو۔ اک بوند سو کی یاں تو کوئی سنتا نہیں فریادِ کسو کی خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی
--	--

صد حیف! وہ ناکام۔ کہ اک عمر سے غالب  
سرت میں ہے ایک بُتِ عربہ جو کی

تشیابِ پشت گرمی آئینہ دے ہو۔ ہم  
حیراں کیے ہوے ہیں دلِ بے قرار کے  
آغوشِ گل۔ کشودہ برائے وداع ہو  
اے حذیب! چل کر چلے دنِ بہار کے

اے غمِ عشق ضبط کی تعلیم کر رہا ہو۔ دل میں جو نیا نیا نظر آتا ہو وہ استہضی غمِ عشق کا طرہ سے چشمِ سنائی ہو قی  
ذراغ کو اک سے نسبت دینے کی دھینکا ہر ہو۔

عہ سرِ اعشیت۔ نہ اٹھل کے پورا۔ اس شعریں شاعر نے عشق کی انگشتِ سنائی کی غمِ بھورتی اور نکلتا ہی  
کے پوروں کو سو کی جو خوں سے شہادت سے کہ ثابت کی جو عجیب و غریب تشبیہ ہو۔ عہ پشت کر ہو۔



مشتوق شوق و عاشق دیوانہ چاہیے  
شوقِ فضول و جزا رندانہ چاہیے

ہو وصل - ہجر - عالمِ نکین و ضبطیں  
اُس بے مل ہی جائیگا برکبختی میں

یہ اگر چاہیں - تو پھر کیا چاہیئے ؟  
جلے کر اپنے کو کھینچا چاہیئے  
بارے اب اس سے بھی نکھلا چاہیئے  
کچھ ادھر کا بھی اسٹا را چاہیئے  
منہ چھپا تا ہم سے چھوڑا چاہیئے  
کس قدر دشمن ہو؟ دیکھا چاہیئے  
یار ہی ہنگامہ آرا چاہیئے  
نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیئے  
جانے والا بھی اچھا چاہیئے

چاہیئے انہوں کو جتنا چاہیئے  
صحبتِ رنداں سے واجب ہو حذر  
چاہئے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل ؟  
چاکر مت کر جیب بے اتا یا ہم گل  
دوستی کا پردہ ہو بیگانگی ؟  
دشمنی نے میری - کھو یا غمیر کو  
اپنی - رسوائی میں - کیا چلتی ہو سعی  
شخص مرتنے ہے ہو جس کی اُمید  
غیاظ - ابنِ مرہ ظلمتوں کے واسطے

چاہتے ہیں خوب رویوں کو - ا

آپ کی صورت تو دیکھا چاہیئے

ہمیں پشتِ باقی و اعانتِ ہمیں جس طرح بارے کی غلطی نے شیشے کو اکلب بانادیا ہو - اسی طرح ہمارے دل  
بے قرار ہے ہمارے حیرانی کو بیدار دیا ہو اس شعر میں شاعر نے اپنے دل بے قرار کو سمجھا ہے اور اپنی  
حیرانی کا انداز سے تشبیہ دی ہو۔

عالمِ غالب نے اس شعر میں کھینچا وہ معنی میں لکھا ہو ایک کو کھینچا جو کشیدہ کا ترجمہ ہو معنی شربِ دنیا  
اس معنی میں کھینچا استعمال کرنا غالب کے لیے مخصوص تھا - اور وہیں علویا دیبا نہیں بولا جاتا - وہ سب سے  
سنی اختر کو گرا ۱۵، عالمِ ادھر کا اشارہ ۱۵۵، شاعر کے اشارے سے مطلب ہو ۱۲۔



ہر قدم دوری منزل جو نمایاں مجھ سے

میری رفتار سے بھاگے ہو یا باں مجھ سے  
درس عنوان تماشا۔ یہ تفاعل۔ خوش تر

یونگ۔ ہشتہ شیرازہ خرگاہاں مجھ سے  
دھشت آتش دل سے شپ تمنائی میں

صورت دور داسا یہ۔ گریزاں مجھ سے  
غم عشاق نہ ہو سادگی آموز بہتاں

کس قدر خاند آئینہ ہو دیراں مجھ سے  
اثر آبلے۔ جادو صحرے جنوں

صورت دشتہ گوہر چرخاں مجھ سے

یہ اس شعر میں شاعر نے اپنی ناکامی کا بیان نہ ٹوکا جو وہ کہتا ہو کہ میں جس قدر چھتا ہوں  
اُنہی قدر منزل بعد ہوتی جاتی ہو۔ دوسرے مصرعے میں منزل کے دور ہوتے چلتے کا سبب  
ہے بیان کیا ہو کہ میری رفتار ایسی جھوٹا نہ ہو کہ یا باں اس سے گد کہ آگے کو بھاگت ہو ۱۰

یہ پہلے مصرعے میں عوام سمجھیں گے شاعر نے ہمدردی کا اظہار کیا ہے یہ خواہش کی ہو کہ خدا کرے  
کہ وہ غم عشاق میں سوگوار ہو کہ غنا و شگھار ترک کر دیں دوسرے مصرعے میں اس واقعہ کا بیان ہو جس سے  
تاثیر ہو کہ اس کے دل میں ہم جذبہ ہمدردی پیدا ہوا ہو ۱۱

یہ مصرعے کو کہ پاؤں کے آبلے کے اثر سے جینی آبلوں سے جو لہو لپکا ہو اُس سے جادو صورت دشتہ گوہر  
کی طرح چرخاں ہو گیا۔ جادو کو ہشتہ سے تشبیہ دی ہو ۱۲



بنے خودی بہتر تہید فراغت ہو جو  
 پُر ہو۔ سائے کی طرح میرا شبستان مجھ سے  
 شوق دیدار میں گرتو مجھے گردن مار سے  
 ہونگہ شلِ گلِ شمع پریشاں مجھ سے  
 بے کسی ہے شبِ بھر کی حسرت ہو جو  
 سایہ خورشیدِ قیامت میں ہی نہاں مجھ سے  
 گردشِ سانپِ صد جلدِ رنگیں تجھ سے  
 آئینہ داریِ یک دیدِ ہامیہ ان مجھ سے  
 گہ گرم سے اک اُگ پکتی ہو۔ اسد  
 ہو چہ اناںِ جنسِ دشا شاگِ گلستاں مجھ سے

نکتہ چیر ہو۔ غمِ دل اُس کو سنا سے نہ بنے  
 کیا بنے بات۔ جہاں بات بنائے نہ بنے  
 میں بناتا تو ہوں اُس کو۔ گرم سے جذبِ دل  
 اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

لہ دو جو۔۔۔ جو بچہ کا خوف اور محبت ہے جو کہ میرا چھ شبستان، ایک سے بھر ہوا، جو ابھی میرا  
 شبستان میرے وجود سے رہا۔ اب یہ اچھل پھلکے نہ ہے خودی تہید فراغت کا میرے چھ شبستان میں عام ہے خودی  
 میں تمام ہے پُر ارجوں۔ فرط کے لہو میں غلی ہوئے ہیں بھلاں میں راحت مراد ہو۔ تہید فراغت کی کہ  
 لہ ہو جو۔۔۔ جلدِ رنگیں سے جلدِ امن اور یہ جلدوں سے حسرت عشق کی فرط لہا ہو جو۔۔۔ کہ بہت کا بہت۔۔۔ تہید فراغت  
 بات کا بنانا، اس بات کو تو فرود کر کے سب مطلب الفاظ میں کہنا، کہ کسی نہ کہنا،۔۔۔ رعیت میں تہید فراغت



کہیں سمجھا ہو۔ کہیں سمجھ نہ دے۔ بھول نہ جا  
 کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے  
 غیر بھرتا ہو۔ پیسے یوں۔ ترے خط کو کہ۔ اگر  
 کوئی پہچنے کہ یہ کیا ہو؟ تو چھپائے نہ بنے  
 اس نزاکت کا بڑا ہو۔ وہ بھلے ہیں۔ تو کیا  
 ناتوا آئیں۔ تو انھیں ناتوا لگائے نہ بنے  
 کہہ سکے کون۔ کہ یہ جلوہ گری کس کی ہو؟  
 پردہ چھوٹا ہو وہ اُس نے کڑاٹھائے نہ بنے  
 موت کی راہ نہ دیکھوں؟ کہ بن آئے نہ رہے  
 تم کو چاہوں؟ کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے  
 ہر جہ وہ سرے گرا ہو کڑاٹھائے نہ آٹھے  
 کام وہ آن پڑا ہو کہ بتائے نہ بنے  
 عشق پر زور نہیں۔ ہو یہ وہ آتش غالب  
 کہ لگائے نہ لگے۔ اور بھجائے نہ بنے

چاک کی خواہش اگر دشت بہ عریانی کرے  
 صبح کے مانند زخمِ دل۔ گریبانِ کرے

اس شعرِ حرکت کو دہشت کی ماہیوں نے دیکھا کہ اس کا لہو زکام کو تو کہوں چاہوں کہ اگر نہ تو میں بلا لکھ بھی  
 جرات نہیں کر سکتا، صوفی نے اس شعر میں عشقِ مستوفی پر موت کو تو چھپا دیا۔ یہ عہ عریانی کی حالت میں اگر دشت کو



جلوے کا ترے وہ عالم جو کہ گر کیجے خیال  
 دیدہ نادر کو۔ زیارت گاہ و سہرائی کرے  
 جو شکستن سے بھی دل فرسید۔ یارب کب تک  
 آب گینہ کوہ پر عرضِ گراں جانی کرے  
 جو کہ اگر چشمِ مستِ ناز سے پائے شکست  
 موے شیشہ۔ دیدہ ساغر کی شرابی کرے  
 تر عارض کو دکھا ہو۔ زلف کو الفت نے حمد  
 یک قلم منقول ہو جو کچھ پریشانی کرے

وہ آکے خواب میں تشکین اضطراب تو دے  
 دے مجھے تپشِ دل مجالِ خواب تو دے

چاک گریاں کی آواز و پیدا ہو تو میرا خیمِ دل گنج کی شل چاک بر کر گریاں میں جاے گا۔ یعنی حالتِ عروانی کی  
 وجہ سے جب چاک کرنے کو تھی پکڑا نہ بچھا تو قدرتی طور پر یہ خواہش وہ سب طرح سے ہو۔ تاکہ کئی چھپے گی۔ ۱۰  
 ہے آب گینہ۔ یعنی شیشہ۔ دل سے مراد یہی کہ وہ استعارہ کی مشق کی سنگلی کی ہو۔ مطلب یہ کہ وہ ہمہ تن ہر  
 خواہش کریں کہ مشرقِ سنگِ دل ہمارے دل کو توڑ دے جس سے اس سے امید ہو کہ وہ ہمارے دل کو کھینچے ہو خواہ  
 یہ ۱۱۔

جس سے شیشہ۔ شیشے میں جہاں ڈوبتے ہیں۔ وہ قہر سا لگتا ہے۔ وہ قہر سا لگتا ہے۔ ۱۲  
 ہے عارضی اس پر غلط طور پر وہ ایک خدا مری جو امت کے زلف کے نام لگتا ہے اس میں کام لگتا ہے کہ میرے حق میں  
 جو کچھ پریشانی کرنا ہو کرے مجھے بے شکور و قبول ہو۔ ۱۳

تو تشکینِ اضطراب تو دے۔ یعنی اضطراب میں اس کا تشکین دینا ممکن ہو۔ مجالِ خواب تو دے یعنی خواب کا آواز دے  
 ات ۱۴۔



کرے ہو قتل۔ گھاٹ میں تیرا زو دینا

تو ہی طع کئی تیغ نگہ کو آب تو دے

دکھا کے جنبش لب ہی۔ تمام کہ ہم کو

نہ دے جو دوس تو منہ سے کہیں جواب دے

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہو

پیالہ گر نہیں دیتا۔ نہ دے۔ شراب تو دے

اسد۔ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھل گئے

کسا جو اُس نے "ذرا میرے ہانوں دا تپ دے"

تپش سے میری۔ وقع کشکش۔ ہزار بستر ہو

ماسرینچا بالیں ہو۔ مراتن بار بستر ہو

سر تک سر بہ صحرا دادہ۔ نور لعین دامن ہو

دل بے دست و پا افتادہ۔ برخو ز فادہ بستر ہو

خوشا اقبال ریخوی۔ عیادت کو تم آئے ہو

فروع شمع بالیں۔ طالع بیدار بستر ہو

۱۔ کہیں جواب تو دے۔ کسی نہ کسی طع جواب تو دے۔ ۲۔

۳۔ اس شعر میں شاعر نے اپنی ناکامی اور ناچارسی کا بیان کیا ہے کہ اس کا آئندہ اس کا نور لعین اور اس کا دل مجبور بستر مرض کا برخو ز فادہ یعنی آئندہ اس کے دل کو بستر پر ڈالے رہنے سے محنت ہوگی



یہ طوفان مگاہ جو شیشِ اضطرابِ شامِ تنہائی  
 خنجرِ آفتابِ صبحِ معشرہ تارِ بسترِ ہو  
 ابھی آتی ہو تو باریش سے اُس کی زلفِ بھگیں کی  
 ہمارے دیکھو خوابِ زلیخا۔ عابرِ بسترِ ہو  
 کون کیا دل کی کیا حالت ہو۔ ہجرِ یار میں لبِ لباب  
 کہ بے تابی سے۔ ہرگز تارِ بسترِ خارِ بسترِ ہو

خطرِ ہر شے اُلفت۔ رنگِ گردنِ نہ ہو جلے  
 غرورِ دوستی۔ آفتِ ہو۔ تو دشمن نہ ہو جاے  
 سمجھ اس فصل میں کوئی نہ ہو فنا غالب  
 اگر گُل۔ سرِ دے قامت پہ پیرا ہن نہ ہو جاے

غریب کی کوئی ڈ نہیں ہو	نالہ۔ پابند ڈ نہیں ہو
------------------------	-----------------------

طلب ہے جو کراہم تنہائی میں ایسا اضطراب اور تاریکی جو کہ گویا ہر گھٹا اور بسترِ آفتابِ معشرہ کی کرن  
 بن گیا ہو۔  
 افسانہ شہ کوکنا جو کہ ابھی ہمارے بھگیوں سے مشوق کے زلفِ بھگیں کی خوشبو گئی نہیں جو بھنی رہی ہیں دُش کا  
 اُلفتِ فزونی نہیں ہو ابھی ایسی حالت میں دعا کی طرح عرقِ خواب میں دیرِ راز کا حاصل ہو جائے ہمارے بستر  
 کے بے رنگ ہو۔

تکِ ظہورِ یہاں "سورہ" متحد ہو۔ رنگِ گردنِ افراسیابِ خونِ انا ہو غرور سے اذیتِ غضب سے رنگِ گردن  
 پھول جاتی جو تک پہنچا معروضات ہو۔ "سورہ" مصرعہ کا مطلب ہے جو کہ ہمارے شیخ اسے کہ اس قدر نونہ ہو







ہست دونوں میں تنازع نے تیرے پیدا کی  
وہ ایک نگہ کر بظاہر نگاہ سے کم ہو

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے  
مرتے ہیں۔ وے اُن کی تمنا نہیں کرتے  
در پردہ اُنھیں۔ غیر بے جو ریلو سنانی  
نظارہ کا یہ پردہ جو کہ پردا نہیں کرتے  
یہ باعثِ نوحہ دہی ار باپ ہو کس ہو  
غالب کو بُرا کہتے ہو۔ اچھا نہیں کرتے

گرتے ہو بادہ ترے لب سے کسپِ ننگِ فروغ  
خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گل ہیں  
کبھی تو اس دل شوریدہ کی بھی داد ملے  
کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہو  
بچہ ہو۔ گرنے سننے نامت بلبلِ زار  
گر کو ششِ گل۔ زم شبنم سے نہ آئیں ہو

نوجوان قوت اپنے گریہ کو چھوڑے۔

لہذا باپ ہوں۔ سر تن ہوں کی طرف اشارہ ہو۔

نہ شرب کو گل ہیں۔ لبِ مستوی کو بھول۔ خطِ نوحہ کو گل ہیں سے نسبت دینی ہو۔



اسد بنو نضہ میں چلے دے وفا ! برائے خدا  
مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں ہو

کیوں نہ ہو؟ چشمِ تہاں مجھ تھا فل۔ کیوں نہ ہو؟  
یعنی اُس بیمار کو نظارے سے پرہیز ہو  
مرتے مرتے۔ دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی  
ہائے ناکامی کہ اُس کا زکا خجستہ تیز ہو  
عارضی محل دیکھ روے یا یاد آیا اسد  
بوششِ فضلِ باری اشتیاق انگیز ہو

وہاں دل اگر اُس کو۔ بشر ہو۔ کیا کہیے ؟  
ہوا رقیب تو ہو۔ نامہ بر ہو۔ کیا کہیے ؟  
یہ ضد کہ آج نہ کہے۔ اور آئے ہیں نہ رہے  
تھکے تھکے ہیں کس قدر ہو؟ کیا کہیے ؟  
رہے ہو ہیں کہ رہے کہ کوئے دوست کو اب  
مگر نہ کہتے کہ دشمن کا گھر ہو کیا کہیے ؟

لکھنا لکھنا۔ دیکھ کر۔

تھا تو دل اس کا نام نہ ہو۔ اس کو محبوب کو ہو۔



زہر کرشمہ کہیں دے رکھا ہو ہم کو قریب  
 کہ بن کہے ہی انہیں سب خبر ہو۔ کیا کیسے؟  
 سمجھ کے کرتے ہیں! زاریں وہ بہشتِ حال  
 کہ یہ کہے کہ سسرورہ گزر ہو۔ کیا کیسے؟  
 نہیں نہیں جو سرِ رشتہ وفا کا خیال  
 ہمارے ہاتھ میں کچھ ہو، مگر ہو۔ کیا کیسے؟  
 انہیں سوا حل پہ زعم جنوں ہو کیوں (ٹھیکے؟  
 ہیں جواب سے قطع نظر ہو۔ کیا کیسے؟  
 حسد۔ سزا کے کمالِ سخن ہو۔ کیا کیسے؟  
 ستم۔ ہمارے متلاع ہنر ہو۔ کیا کیسے؟  
 کہا ہو کس نے کہ غالب بُرا نہیں لیکن  
 سوائے اس کے کہ آشفٹہ سر ہو کیا کیسے؟

دیکھ کر وہ پردہ گرم دامن افشانی بنے  
 کر گئی دابستہ تن میری عُریانی بنے

نے مگر جو کیا ہدیا چیز جو سسرورشتہ دھوکہ خاں ایک محسوس شو فرض کر کے کہتا ہو، ہمارے اندر میں کچھ ہو۔  
 اپنی سسرورشتہ وفا ہو۔ اسی شعر میں یہ شریفی ہو کہ شاعر بوجھتا بھی ہو کہ ہماری شہمی میں کیا چیز ہو اور پھر معنوں  
 سنوں میں اگلی چیز کا نام بھی لے دیا ہے۔  
 عہد دامن افشانی اس رنگِ تعلقات و دلیوں کی مطلب ہے جو کہ تعلقات و دنیا سے جھٹکا نامکمل ہی نہیں۔ اگر انسان عُریانی



بن گیا تیغ بھگوان کا سنجہ فناں

مرجا میں کیا مبارک ہو گراں جانی مجھے !

کیوں نہ ہو بے اتفاقی ؟ اس کی خاطر جمع ہو

جاغا ہو پور پرش اسے پھانی مجھے

تیرے غم خانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی

کھ دیا۔ من جہاں اسباب ویرانی مجھے

برگیاں ہوتا ہو وہ کافر۔ نہ ہوتا کا شے

اس قدر ذوق نواسے منج بستا نی مجھے

داسے واس میں شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا

لے گیا خاکو میں ذوقِ تن آسانی مجھے

وعدہ آنے کا وفا کیجے ، یہ کیہ انداز ہو

تم نے کیوں سوچی ہو میرے گھر کی دہانی مجھے

۱۔ حق پرست تو جس کی ہندسی ذاتی رہتی ہو

۲۔ سب فناں ۔۔۔ وہ تو جس پر کوار و کوار گھس کر دھار رکھتا ہو

۳۔ پور پرش اسے پھانی سے سوا اس مطلب کے جہاں صاف ہے اپنی شے میں کھا ہو دیکھ لکھ میں نہیں آتا

۴۔ کھنے میں کہ پرش اسے نہانی سے مصدق کا یہی کہ کبھی تصور میں اگر نہ کبھی خواب میں اگرچہ صورت و کھا

۵۔ جانا جاتا اس کے لئے نقد آئے جو جاتا میرا جو نہ ہی ہو جس واسی میں ہو جوں ، وہی سے اس کے لئے جاتا جو جاتا

۶۔ یہی کہ

۷۔ بے ادب میں میرے گھر کی قسمت کا حال کھا جا رہا تھا ، اس وقت تقدیر نے خود لگی کو میرے گھر کی دہانی کا بہا

۸۔ قرآن : اے اللہ میرے گھر کی دہانی سے وعدہ نہ کرنا



ہاں نشاط آمدِ فصلِ بہار سی، واہ! واہ!!

پھر ہوا ہوتا وہ سوداے غزلِ خوانی مجھے  
دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی  
میرزا یوسف جو غالب یوسف ثانی مجھے

یا دوشادہی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے  
سجھنا زاہد ہوا جو خندہ زیر لب مجھے  
ہو کشت و خاطرِ دلبستہ - در رہن سخن  
حقا طسیرِ قفلِ ابجد - خاندانِ کتب مجھے  
یارب! اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیے؟  
رشتہ، آسائش پہ جو زندانیوں کی لب مجھے

لے ہنگامہ یارب سے مراد ہنگامہ فرادہ جو کہ ”یارب“ کے معنی فارسی محاورے میں خدا کی دعا کی دینے کو ہے۔ دانا ہائے تسبیح، جو صورتِ خندہ نمایاں ہوتے ہیں ان سے خندہ زیر لب سے تشبیہ دی، جو مطلب یہ کہ شادی میں بھی مجھے یارب یارب کا ناکہ بھولا نہیں ہے، اس سے مجھے زاہد کا چمکے چمکے تسبیح پر یارب یارب پڑھنا جیسی کی بات معلوم ہوتا ہوگا۔

تو اس شعر میں خندہ ”دانا ہے دلبستہ کا رنگ“ غالب کر دیا جو۔ مطلب یہ جو میرے دلی لبستہ کی کشتِ سخن کی قید میں جو میں میری دل بہشت دلبستہ رہتا ہوں وہ اگر شکلی ہو تو سخن سے جس میں قفلِ بھر کے کھلنے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کی حرکتیں جن پر غفلتِ حواس کندہ ہوتے ہیں گھبرا کر اس وضع پر کر دی، میں کہ وہ حواسِ زیرِ سربہ قیدِ دھندہ میں ہیں۔ اس طرح ازل سے میرے دل کو یہ قیسم ملی ہو کہ ادبِ سخن سے کسی کی دہائی اور جو اس سے کہہ کس سے چاہیے، دیکھ کے ”اب مجھے“ سے غافل ہو گئے ہوتے ہیں کہ جب زندہ میں تھا، مگر خندہ صورتِ خودی کا شوق تھا کہ مہو اس لذتِ لذتِ لذتِ لذتِ لذت پر دشتِ آفتاب



لٹی ہو شائق لذت اے حسرت۔ کیا کروں؟

آرزو سے ہر شکست آرزو و مطلب مجھے

دل لٹکا کر آپ بھی غالب بھی سے ہو گئے

عشق سے آتے تھے ان میرزا صاحب مجھے

حضور شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہو

چمن میں خوش نوابان چمن کی آزمائش ہو

قدو گیسو میں۔ قیس و کوہ کن کی آزمائش ہو

جہاں ہم ہیں وہاں دلدور سن کی آزمائش ہو

کریں گے کوہ کن کے حوصلے کا امتحان آخر

ہنوز اس خستہ کے نیروے تن کی آزمائش ہو

۱۔ میری طبیعت کو حسرت و یاس کی لذت کا مزا پڑا ہو۔ اس لیے آرزو کرنے سے میری یہ غرض ہوتی ہو کہ وہاں نہ ہو کہ آرزو کے قیل ہو جانے سے لذت حسرت حاصل ہوتی ہو ۲

۳۔ آپ بھی، خود بھی۔ میرزا صاحب سے غالب مراد ہو۔ اس شعر میں دوسرے کی زبان سے مضمون شہزادہ ۱

کہا ہو ۲

۴۔ شہزادہ کے مشہور قصے کی ہون اخبار ہو۔ مطلب یہ ہو کہ ابھی تو اس کی طاقت مہمانی ہوا امتحان ہو کہ کبھی ہوا مہمان کہ جسے لیر کمال سکتا ہو یا نہیں اس کے بعد وہ وقت بھی آنے والا ہو جبکہ ایک بڑھیا شیریں کے مرجانے کی

غیر مسئلہ گی، وہ مگر اس کے حوصلے کے امتحان کا وقت ہوگا اور وہ ایسا کم حوصلہ لکھتا ہو کہ سر ہم ہر کو جان دیو بچا



نسیم مصر کو کیا پھر کسناں کی ہوا خواہی؟  
 اُسے یوسف کی پوسے پیرہن کی آزمائش ہو  
 وہ آیا بزم میں، دیکھو! نہ کیتو پھر کہ غافل تھے  
 شکیب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہو  
 راجہ دل ہی میں حیرا اچھا۔ جگر کے پار ہو۔ ہتر  
 غرض شستہ بُت تاوک نکلن کی آزمائش ہو  
 نہیں کچھ شجر زنا رکے پھندے میں، گیرانی  
 وفاداری میں شیخ و برہن کی آزمائش ہو  
 چارہ۔ اسے دل وابستہ دینے تابی سے کیا نکل؟  
 مگر پھر تاپ اُلفت پر شکن کی آزمائش ہو  
 لگ وپے میں جب آئے نہر غم تب دیکھئے کیا ہو؟  
 ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش ہو  
 وہ آئیں گے مرے گھر؟ وعدہ کیسا؟ دیکھنا غالب  
 نیکو ختوں میں اب چنچے کس کی آزمائش ہو

لعل پر کس۔ حضرت یعقوب سے مراد ہے۔ اس وقت کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت یعقوب نے کوسوں سے  
 حضرت یوسف علیہ السلام کو بوسے پر اپنی کوثر نیکر کر لیا تھا۔  
 لعل وہ آیا۔ عشق کی طرف اشارہ ہے۔ دیکھو ہوشیار ہو جاؤ  
 سچا مستقام آکا رہی وہ ہرگز ناخوش گئے نہ انھیں وعدے کا کچھ خیال ہے۔ اب دیکھئے ان کے نہ گئے سے  
 چنچے غم نہ از ہو کیا نئی صحبت نازل کی ہے۔



کبھی تنگی بھی اُس کے ہی بس گرا جائے ہو مجھ سے  
 جفا میں کر کے اپنی یاد شرمنا جائے ہو مجھ سے  
 خدا یا جذبہ دل کی۔ مگر تاثیر اُلٹی ہو  
 کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھینچتا جائے ہو مجھ سے  
 وہ بدخوا اور میری داستانِ عشق طویلانی  
 عبارت مختصر۔ قاصد بھی گمراہ جائے ہو مجھ سے  
 اور وہ بدگمانی ہو۔ اور وہ یہ ناتوانی ہو  
 نہ پوچھا جائے ہو اُس سے نہ بولا جائے ہو مجھ سے  
 سننے دے مجھے نہ امید کی کیا قیامت ہو؟  
 کہ دامنِ خیال یا پھوٹا جائے ہو مجھ سے  
 تکلف برطرف تھا رگی میں بھی سہی۔ لیکن  
 وہ دیکھا جائے۔ کب یہ ظلم دیکھا جائے ہو مجھ سے؟

۱۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اُس کو کبھی پرہیز بھی آجائے اور کبھی مجھ سے مل بھی میرا جانا ہو وہ بھی میرے بے شکل  
 سے خالی نہیں کیوں کہ اس وقت بھی وہ اپنی گرفت جفا میں کرنا کہ شرمنا جانا ہو اس کی بیشرم لطف وصل میں  
 خالی انداز میں ہو ۱۲  
 ۲۔ کہ کبھی جاسے ہو مجھ سے، مجھ سے آدرہ ہو جانا ہو ۱۳  
 ۳۔ عبارت مختصر۔ قصہ مختصر۔ القرض مطلب یہ کہ جب قاصد میری طولِ دست ی سے گمراہ جاتا، جو تو وہ دستِ  
 چاک ہو جو کب مٹا کر دے کر گیا ۱۴  
 ۴۔ شاعر کہتا ہے کہ جذبہ اس میں مطلب ادا سے جانا دیتا ہو ۱۵  
 ۵۔ خدا کی راہ کیجئے وہ ۱۶۔ دیکھا جاسے۔ یعنی احیاء اس کا نظارہ کریں کہ یہ ظلم کیا جاسے ہو مجھ سے۔ لے لے یہ



ہوے ہیں باتوں ہی پہلے۔ نبرد عشق میں خمی

نہ بجایا جائے ہو مجھ سے۔ نہ ٹھہرا جائے ہو مجھ سے

قیامت ہو کہ ہر دے معی کا ہم سفر غالب

وہ کا فرزند خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہو مجھ سے

زمیں کہ مشق تماشا۔ جنوں علامت ہو

کشتاد و بیت شرہ۔ سیلی قیامت ہو

نہ جانوں۔ کیوں کہ ٹٹے داغ طعن بہ عہدی؟

تجھے کہ آستہ بھی در طہ علامت ہو

ہر پنج و تاب ہوس، سلک عافیت مت توڑ

نگاہ و عجز۔ سر رشتہ سلامت ہو

وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد

جنوں ساختہ و فصل گل قیامت ہو

ظلم کہ گویا ہو سکتا ہو۔

۱۔ جنوں علامت۔ جنوں کی علامت ۲۔ کشتاد و بیت شرہ۔ بکوں کا کٹنا اور منہ لایلی قیامت ۳۔

قیامت کی بات سے سزا کا قہر۔

۴۔ تو فکرا آرائش و زیبائش کے لیکن تیرا داغ بہ عہدی ٹٹے وہاں نہیں ہو یعنی تو جب رقیب کی خاطر

بناؤ سنگی رک کے آئینہ نہ کہت ہو تو وہ بھی تیرے بے وعدہ علامت ہیں جتنا کہ میں ہم سے بہ عہدی کہ کے قیاب

کے پاس جسے کی تیار ہی ہو تجھے "مت کہنا ہو"

۵۔ اس شعر میں رقیب کے کھٹے عشق کا ذکر ہو طوطی کہ گیا بڑا بہتہ بڑا کہ بڑا غضب بڑا کہ شوق آواز ۶۔ نگاہ و عجز کا



لاغرا تھا ہوں کہ گر۔ تو بزم میں جا۔ دے مجھے  
 میرا دم۔ دیکھ کر۔ گر کوئی بتلا دے مجھے  
 کیا تعجب ہے کہ اُس کو دیکھ کر آجسے رحم  
 واں تنگ۔ کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے  
 منہ نہ دکھلا دے نہ دکھلا۔ پر یہ اندازِ عتاب  
 کھول کر پر وہ۔ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے  
 یاں تنگ میری گرفتاری سے وہ خوش ہو کریں  
 زلف گر بن جاؤں۔ تو شلنے میں الجھا دے مجھے

باز بچنے اطفال ہو دیا۔ مرے آگے  
 ہوتا ہی شب و روز تماشا مرے آگے  
 اک کھیل ہی اور تنگ ٹیلیماں مرنے نزدیک  
 اک بات ہی اعجازِ مہیا مرے آگے  
 جزا نام۔ نہیں صورتِ عالم مجھے منظور  
 جزو ہم۔ نہیں ہستی اشیا مرے آگے

دہریہ جھوٹا جو یہ تو دہریہ منالہ جو اگر فصل ہوا تو دلفی آئی ہو اور جنون بنا دلی ہو ۱۲  
 لعل آکھو دیکھا۔ سخت ہوا ۱۳۔



ہوتا ہی نہاں گرد میں صمرا - مرے ہوتے  
 گھستا ہو جیسے - خاک پہ دریا مرے آگے  
 منت پر چمک کیا حال ہو میرا ترے چمکے  
 تودیکھ کر کیا رنگ ہو تیرا مرے آگے  
 سج کہتے ہو - خود دین و خود آرا ہوں - نیکوئی میں  
 بیٹھا ہی بُت آئینہ سیما مرے آگے  
 پھر دیکھیے اندازِ گل افشا فی گفتار  
 رکھ دے کوئی پیانا و صہبا مرے آگے  
 نفرت کا گماں گزرے ہو میں رشک سے گزرا  
 کیوں کر کہوں : لوام نہ اُن کا مرے آگے  
 ایماں مجھے روکے ہو جو کہنے سے ہو مجھے کفر  
 کعبہ مرے پیچھے ہو - کلیسا مرے آگے  
 عاشق ہوں - پہ عشقِ فریبی ہو مرا کام  
 بھنوں کو بُرا کستی ہو لیلا مرے آگے

مرے ہوتے :- چھوڑا گرد کے ہوتے ، مرے آگے :- راجہ اشکبار کے مقابل میں صمرا کا ذکر کر کے اپنی  
 صمراوردی کی قدرت اور ذکاوت لکھ کر اپنی اشکباری کی شدت دکھائی ہو۔  
 عہدِ فراق میں جو میری نہت ہوتی تھی اس کے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ صحت اپنی اُمس حالت کو دیکھ کر جو  
 وصل میں پیدا ہوتی ہو تو میری حالتِ درق کو تھاس کرے۔ یعنی میں طے تو وصل میں جانا و خوشی کی کشتی  
 کے سبب پریشان نہ ہوں تاہم آج جو ایسے ہی مجھ کی ہیں۔ اہلِ شب اور چہ نشان رہتا ہوں۔  
 عہدِ کعبہ میرے پیچھے ہو۔ کعبہ میرے پیچھے چلا رہا ہو۔ یعنی اصل کو رہا ہو کلیسا۔



خوش ہوتے ہیں پر۔ وصل میں یوں نہیں جاتے

آئی شہب چراں کی تنہا مرے آگے

جو سوزن ایک تلزم خوں۔ کاش ہی ہو

آتا ہوا بھی دیکھے کیا کیا مرے آگے

گواہ کو جنبش نہیں۔ انگلیوں میں تو دم ہو

رہنے دو۔ ابھی ساغر و نیامرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہوا میرا

غالب کو برا کیوں کہو۔ اچھا مرے آگے

کوں جو حال تو کہتے ہو۔ "دعا کہیے"

تہیں کہو۔ کہ جو تم یوں کہو۔ تو کیا کہیے؟

نہ کیوں عین سے پھر تم۔ کہ "ہم سنگر ہیں"

مجھے تو خودی۔ کہ جو کچھ کہو "بجا" کہیے

وہ بیشتر سہی بہر دل میں جب اتر جاوے

نکا و ناز کو پھر کیوں نہ آستانہ کہیے؟

اسے بار بار جو کہ ادھر آتا

"نہا مرے آگے آئی ہوا بول میرے سے کیا یہ شہر ساری غزل کی جان ہو"

ذہن کے آئینوں کی کثرت کا طوفان اشارہ ہو"



نہیں ذریعہ راحت - جراحتِ پیکاں

وہ زخمِ تیغ ہو جس کو کہ دل کشا کیے  
جو مدعی بنے اُس کے نہ مدعی سپہ

جوتا سزا کیے - اُس کو ذنا سزا کیے  
کہیں حقیقت جاں کا ہی مرض کیے

کہیں مصیبتِ ناسازی دہا کیے  
کہیں شکایتِ رنجِ گراں نشیں کیے

کہیں حکایتِ صبرِ گر نہ پا کیے

رہے نہ جان - تو قاتل کو خوں بہا دیے

کے زبان تو خنجر - ر کو مر جا کیے  
نہیں بھار کو گفت - نہ ہو نگار تو ہو

روانی روشن و مستی ادا کیے  
نہیں بہار کو فرصت نہ ہو - بہار تو ہو

طراوتِ بہن و خوبی ہوا کیے

لہ خوں بہا دیے نہ مراد خوں بہا بخش دینے سے ہو ۱۲

عہ روشن - ۱۲ رفتار ۱۲

۱۲ فرصت نہ تو وہا استقلال ۱۲



سفینہ جب کہ کنارے پہ آگیا غالب !  
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا لہجئے؟

رونے سے اور عشق میں میناک ہو گئے  
دھوئے گئے ہم تنے کہ میں پاک ہو گئے  
صفتِ بہائے نئی ہوئے آلاتِ کُشتی  
تھے یہ ہی دو حساب۔ سویریں پاک ہو گئے  
رُسولے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم  
بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے  
کہتا ہو کون نالہ بلبل کو بے اثر؟  
پردے میں گل کے لاکھ جگر جاک ہو گئے  
پہنچے ہو کیا وجود و عدم۔ اہلِ شوق کا؟  
آپ اپنی آگ کے حس و خاشاک ہو گئے

نہ شاد و نہ غمناک نہ ہوا نہ بے ہوش نہ جاگے لیکن خدا کا حکم ایسا وقت اور باوجودِ غلطی کو مشق کے جبکہ ہمارے کشتی کنارے آگئی تو وہی خدا سے اس کی شکایت، غمناک ہو مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میں نقصان پہنچانے کو مشق کرے اور اچھی کو کامیابی نہ ہو تو اچھی وقت کو بھول جانا پس یہی اس کی شکست، ناکامی ہے۔

مٹے نورِ یہاں پہنقی دنیا مٹی استعمال ہوا ہو۔ دھوئے گئے، شرم و حجاب سب دھو گیا پاک ہو گئے، لیکن خستہ بن گئے پاک شمع سے گھرا ہوا یعنی خامس شمع سے، قاصر، اور کب تک انسان عشق و محبت کو چھپاتا ہو گا ہرگز؟ تاں کلامِ خدا تھا جو کہیں جب رازِ کمال بنا تو پھر اس کو کسی سے شرم باقی نہیں رہتی نہ مٹے شرم کی



کرنے گئے تھے۔ اُس سے بغاقل کا ہم گد  
 کی ایک ہی نگاہ۔ کہ بس خاک ہو گئے  
 اس رنگ سے اٹھائی کل اُس نے اسد کی نش  
 دشمن بھی جس کو دیکھ کے غناک ہو گئے

نقشہ اشاد پ رنگ۔ ورساز ہست طرب  
 شیشہ می۔ سرو بہر جو سے بار نقہ ہر  
 ہم نشیں ست کہہ۔ کہ ”برہم کو نہ بزم عیش ہست“  
 وال تو میرے نامے کو بھی اعتبار نقہ ہر

عرض ناز شوخی و ذال۔ ہلے خندہ ہر  
 دعویٰ جمعیت احباب جلے خندہ ہر

قیمت کی ہم رسائی اور اہل کی کشش کی مخالفت ہی وہ حساب تھے جس سے وہ فکر پر نہیں سوان سے ہوں  
 جتنا دانا کا اہل کی کشش کو بچ کر شراب پلاں  
 ملے اس شعر میں شاعر نے مشرق کی بزم عیش کا سماں دکھا دیا وہ اہل جو حالہ سرو میں نقشہ رنگ  
 سے شاداب ہیں اور باجہ چونک رہے ہیں وہ نقشہ طرب سے سرشار ہیں اور شیشہ می جو شاداب ہو گیا ہے  
 سرو ہو نہ گئے کوہ اعتبار وانی آواز جو سے بارگاہی ہو یہ تشبیہ نئی اصح لطف ہو اور سبب تشبیہ کو بہانہ  
 سبزی کش جو سے بارگاہ سرو سبز قہر ہو ہر ۱۰

۱۱۔ اہل کو چہ چشمت تجوی دی شوخی و ذال ہر ناز جو تو اس کا اظہار صرف نہیں ہی کے موقع ہر  
 کرنا جو۔ جس دوستوں کے ایک جا ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کئے قال ہو گئے کہ میں تجی بکری میں ۱۲



جو عدم میں غنچہ محو عبرتِ انجیا یہ محل

یک جہاں زانو بتاقل۔ در تھلے خندہ ہو

گلتفِ افسردگی کو۔ عیشِ بے تاباں حرام

ورنہ۔ وذاں در دل افشردن۔ بنائے خندہ ہو

تسوزشِ باطن کے ہیں احبابِ منکر۔ وندیاں

دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہو

ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں اسی طرح یا رہن صحبت میں بھی جڑائی ہو جاتی ہو ۱۰

۱۱۔ جو عدم میں غنچہ۔ یعنی کھیلنے کے بعد۔ غنچہ غنچہ میں رہا کج گلی ہو گیا مطلب یہ ہے کہ غنچہ بچھنے میں کھیلنے کے بعد اس کو نہیں ہو کہ گل کا انجام کیا ہوگا۔ لیکن اس سرچ کی مقدار مرزا زبیر نے، دل اور سرچ کا چھانہ مقدار زانو کو ٹھہراتے ہیں مصنف نے اس بات کو ٹھکانہ رکھا جو کاشاں تالی اور سرچ میں سرہ زانو ہو جاتا ہو ۱۲

۱۳۔ وذاں در دل افشردن یہ فارسی اصطلاح جو اس کے معنی میں مصائب کا برداشت کرنا شاعر کا مطلب ہے کہ جو کہ افسردہ دل کے مطلب میں ہم ایک کلفت ہو وہ دنیا بانی عیش کا غم رکھتی ہو۔ واندہ یہ ہے کہ حجاب ہو نامہ مصائب کا برداشت کرنا ہی صحبت میں پہلے عیش ہو۔ ۱۴

۱۵۔ عیش کے فعلی معنی لکھتے والے کے ہونے کا معنی ہے کہ اس کے کہتے ہیں کہ وہ بر اعظم کو گھیرے ہوئے ہو۔ عیش سے پہلے لفظ بھر کھولنے سے فارسی شاعر دل نہ یہ دھڑکا کہ یا ہونے سے کسی خاص معنی کا نام لکھنے لگے جیسے بھروسہ بھر قلم بکرا کر دیکھو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ محیط کو بہ عطف لفظ بھروسہ یا ہونے سے ہیں۔ آخند پر ایک کو کہتے ہیں اس لیے محبہ کی خاصیت سے آشنائے لفظ خوب ہو۔ شاعر کا مطلب یہ ہے جو کہ دل کی اندر رہی جن سے آندہ شک ہو جاتے ہیں۔ اور دل کا محیط گریہ ہونا ظاہر نہیں ہوتا اس لیے احباب کو موقع حاصل ہوتا ہے کہ وہ جو اس طرز کے کہ میرے دل کی دینی حالت کیا ہے مجھے نہیں پتا ہے۔ وہ نہ حالت تو یہ کہ دل محیط گریہ ہو اور لب آشنائے خندہ ہو یعنی اگرچہ لب ہر خوش نظر آتا ہو لیکن باطن میں سراپا ظلم بنا ہوا ہوں ۱۶



حسن بے پروا خریدارِ مستلح جلوہ ہی  
آئندہ۔ زانو سے کبرا خستہ راع جلوہ ہی  
تا کجا۔ اسی آگہی! رنگ تماشا با حق؟  
چشم و اگر دیدہ۔ آغوش و دواع جلوہ ہی

مب تک و ابنِ زحمت نہ پیدا کرے کوئی  
مشکل۔ کہ تجھ سے راو سخن۔ واکرے کوئی  
عالم۔ عبا و حشیت مجنوں ہی سر بہ سر  
کب تک خیالِ طوطا لیسہ کرے کوئی

لے جس بے پروا میں ہے ناد۔ ایک شاعر نے حسن بے پروا کو ذرا جو غلط جو طے نہ تیرا جلوہ۔  
خواستہ جلوہ افروزی۔ نکرا خزان جلوہ دستے جا دستگیر کی فکر۔ کیجئے کو نکرا خزان جلوہ کا زانو  
اس بے قرار دنیا کو نہ کرنا دستگیر رکے وقت آئینہ استعمال کیا جاتا ہو۔ مطلب یہ ہو کہ میں، جو دے کر  
ہے پر داور ہے کیا نہ ہوتا ہو۔ لیکن تاؤ دستگیر راہ جلوہ افروزی کا وہاں بھی خواستہ۔ رہتا ہو۔ ۱۲۔  
عہ آگہی۔ نہ خبر دہی و ہوشیاری ضد ہوشی۔ رنگ تماشا با حق۔ رنگ با حق رنگ برائے کے  
میں استعمال ہوتا ہو۔ تماشا سے تماشا سے عالم مراد ہو چشم و اگر دیدہ، کھلی ہوئی آنکھ۔ اگر دین  
کو اس سے علیحدہ کر کے، است کھا دے تو یہ ضرور کُل فارسی ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہو کہ اگلی  
کو کب تک رنگ تماشا کو بے لگی میں تماشا سے عالم کی موجودہ کیفیت میں کب تک محو رہے گی۔ ۱۳۔ سر  
سہ سے کا ترجمہ یہ ہو۔ کھلی ہوئی آنکھ جو بے کے رخصت کرنے کے لیے آغوش و دواع جو بین عالم  
بے شاعر پر لگے کون گواہی کی رخصت کرتے کے لیے آغوش کو کون ہو۔ ۱۴۔



افسردگی نہیں۔ طرب انشاء التفات  
 اس دردِ بین کے۔ دل میں۔ مگر جا کرے کوئی  
 رونے سے اے ندیمِ اہمات نہ کر مجھے  
 آخر۔ کبھی تو عقدہ دل داکرے کوئی  
 چاکِ جگر سے۔ جب رو پر کش نہ پائی  
 کیا فائدہ ہے کہ جیب کو رسوا کرے کوئی  
 محنتِ جگر سے جو رگِ ہر خار۔ شاخِ گل  
 باچند؟ بغیانی صحرارے کوئی  
 ناکا ہی نگاہ ہی برقِ نظارہ سوز  
 تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی  
 ہر شک و خشت ہی صدفِ گوہرِ شکست  
 نقصان نہیں۔ جنوں سے جو سوداگر کوئی

طرب انشاء : خوشی پیدا کرنے والی، مطلب یہ کہ دل کی افسردگی کے دکھانے سے مشوق  
 کے التفات کی خوشی حال نہیں ہو سکتی۔ مراد وہ ہیں جہاں سے اگر مشوق کے دل میں گور کیا جائے  
 تو البتہ ممکن ہو گا ۱۲

طرب مطلب یہ کہ جب چاکِ جگر کرنے پر ساقِ حال نہ ہوا۔ تو اب جیب کو بھاٹنے سے بچو سوائے  
 اور کیا حال ہو گا ۱۳

محنتِ جگر سے مراد غلہ جگر جو مطلب یہ کہ میرے غلہ جگر کی آبیاری سے رگِ ہر خار شاخ  
 گل بن گئی جو مصرعہ ثانی میں شاخِ گل ہو کہ کب تک کوئی صحرائی بغیانی کرے یعنی غلہ جگر روئے اور  
 اس سے آبیاری کے ہر شاخ کو سرسبز و شاداب ہے ۱۴ محنتِ شک و خشت : اینٹ اور خمر۔ گوہر شکست



سر رہی نہ دودھ صبر آدما سے۔ عمر  
 فرصت کہاں؟ کہ تیری تمنا کرے کوئی  
 ہو وحشتِ طبیعتِ ایجاد۔ یاں خیز  
 یہ دودھ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی  
 بیکا رہی جنوں کو جو سر پیٹنے کا شغل  
 جب ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ تو پھر کیا کرے کوئی  
 حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہو اسد  
 پہلے دل گراختہ پیدا کرے کوئی

میرے دکھ کی دوا کرے کوئی  
 ایسے قاتل کیا کرے کوئی  
 دل میں ایسے کے جا کرے کوئی  
 وہ کہیں۔ اور سنا کرے کوئی

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی  
 شمعِ وائین پر مار سہی  
 چال جیسے کڑی کمان کا تیر  
 بات پر وال زبان کشتی ہو

مادہ گوہر شکست سر ہو۔ شاعر کہتا ہو کہ ہر سنگ وحشت و جبرائیل کے دیوانوں کو راستے ہیں، ایک  
 صدف ہو جس سے گوہر شکست سر حاصل ہوتا ہو اس لیے جنوں سے معاملہ کرنے میں  
 نقصان نہیں ۳

ملہ ایسے قاتل کا۔ اس قاتل کی طرف اشارہ ہو جو اپنے تلوار کے قتل کرتا ہو ۴  
 عہ کڑی کمان کا تیر۔ بہت تیزی کے ساتھ اٹھنے والا ہوتا ہو۔ شاعر نے معشوق کی بے ہمتی کی  
 کی چال کو اس سے تشبیہ دی ہو وجہ مشابہت ظاہر ہو ۵



کچھ نہ بچے خدا کرے۔ کوئی  
 نہ کہو۔ گر بُرا کرے کوئی  
 بخش دو۔ مگر خطا کرے کوئی  
 کس کی حاجت روا کرے کوئی  
 اب کسے دُعا کرے کوئی

بکرا ہوں جنور میں کیا کیا کچھ؟  
 نہ منو۔ گر بُرا کہے کوئی  
 روک دو۔ مگر غلط چلے کوئی  
 کون جو نہیں ہے حاجت مند؟  
 کیا کیا خضر نے سکندر سے؟

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب  
 کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی؟

بہت سہی۔ غم گیتی۔ شراب کم کیا ہے؟  
 غلام ساقی کو تو ہوں مجھ کو غم کیا ہے؟  
 تھاری طرزِ روش جلتے ہیں ہم کیا ہے؟  
 رقیب پر ہو اگر لطف۔ تو ستم کیا ہے؟  
 سخن میں۔ غامِ غالب کی آتش افشانی  
 یقین ہی ہم کو بھی۔ لیکن اب اس میں م کیا ہے؟

سہ تو ستم کیا ہے۔ تو ستم اور کسے کہتے ہیں منی رقیب پر لطف تو ابھی مجھ پر ستم کرنا ہے۔



باغ - پارہستانی - یہ داتا ہی مجھے  
 چلے برتنج ہر چہرہ دیگر - معلوم  
 مرقا - جو تماشا کے شکست دل ہو  
 تالہ - سرمایہ یک عالم - و عالم کو خاک  
 زندگی میں تو وہ مجھ سے اٹھا دیتے تھے

سایہ شمع گل - افسی نظر آتا ہی مجھے  
 ہوں میں وہ سبز - کہ زہر کا گلاب ہو مجھے  
 آئینہ خلیے میں کوئی لیے جاتا ہو مجھے  
 آسمان - بیفہ قری نظر آتا ہی مجھے  
 دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھا آج مجھے

رزدہ سی ہوئی جو کو کبہ شہر اسکی  
 جب اس کے دیکھنے کے لیے آئیں بادشاہ  
 بھوکے نہیں میں سرگستاں کے ہم ملے

اترائے کیوں نہ خاک میرہ گر ز کی  
 لوگوں میں - کہیں خود نہ ہوا لہ زار کی  
 کیوں کرتے کھائیے - کہ ہوا ہی بجا اسکی

اس میں طرح طرح کا جو ہر صفت و ہر آب میں بکھائے ہی سے نمودار ہوتا ہے اسی طرح میں وہ سبز ہوں  
 جس کی نشو و نما صفت ظم او شمس سے ہوئی جو یعنی میری سرشت میں ظم و صبر جو نہ ہر آب سے مراد ظم  
 اور صبر سے جو -

یہ قادیانی افد توں کو اور کر کے اس شہر کو وہ دہش میں اس طرح بڑھ چکے کہ امیر امداد شکستہ دل کے  
 تہذیب میں جو ہو - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مجھے آئوں کے ٹھوس ہے نہ ہو - جو اسباب یہ کہ حصول و عا  
 سے نا اہل ہی اور اس میں جو بانی کے حسب اسرار دل ٹوٹ گئے ہو اور تو دماغی دل کے ٹوٹے ہوئے ہو گئے ہو  
 ہوا شاد کہ رہا ہو - دل آئینہ نقاب وہ ٹوٹا تو بہت سے پہلے پیدا ہو گئے اور آئینہ ظہر بن گیا - طلبا طبا  
 تہ شاہ کو کہتا ہے کہ تالہ کی ایک عالم سرمایہ جو اوچو و عالم بن دیا ایک مشت خاک جو اس آسمانی عین قری  
 مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں اسے کے سر اچکے نہیں ہو - دنیا دارا میں کو اس آسمانی نے لکھ دیا کہ نہ والا جو صفت و دنیا میں  
 جو کھا لین پیدا ہوئی ہیں اس کا سرشت آسمان ہو - آسمان کو عین قری اس مناسبت سے کہا کہ جو کہ قری کا  
 رنگ خانی ہوتا ہو ۱۲

یہ کو کبہ - جماعت خادمان شاہی ۱۳



ہزاروں خدا بیشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے  
 بہت نکلے مے اران یکن پھر بھی کم نکلے  
 دوسے کیوں سیر قافل؟ کیا رہے گا اس کی گردن پر؟  
 وہ خون جو چشم تر سے عمر بھر یوں دم بدم نکلے  
 نکلنا خند سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن  
 بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے جہ نکلے  
 بھرم کھل جلتے ظالم تیرے قاسم کی دلازدی کا  
 اگر بس قرۃ پہنچ دشمن کا بیچ دشمن نکلے  
 مگر۔ نکلوئے کوئی اُس کو خط۔ تو ہم سے نکلوئے  
 ہوئی صبح۔ اور گھر سے کان پر رگڑ کر قلم نکلے  
 ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادۂ آشنائی  
 پھر آیا وہ زمانہ۔ جو جہاں میں جامِ جم نکلے  
 ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی۔  
 وہ ہم سے بھی زیادہ خشک تنج ستم نکلے  
 صبت میں نہیں جو فرق جینے اور مرنے کا  
 اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فرج دم نکلے

لہ زلف کا بیچ دم نکلے۔ یعنی زلف کھل جلتے ۱۲



ذما کر دور سینے پر کہ تیر پُستِ نکلے  
جو وہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو وہ نکلے  
خدا کے واسطے پر وہ نہ کعبہ سے اٹھا ظالم  
کہیں ایسا نہ ہو۔ یاں میں وہی کافر صغیر نکلے  
کہاں میخانہ کا دوزخہ؟ غالب او کیسا واعظ؟  
پرانا جانتے ہیں۔ نکل دو جانا تھا کہ ہم نکلے

توہ کے ہوں! بارِ خاطر گر صدا ہو جاوے  
بے تکلف اسے شرابِ مست کیا ہو جاوے؟  
بیضہ آسا۔ تنگ بال و پر ہی۔ کنجِ نفس  
از سر نو زندگی ہو۔ گرا ہو جاوے

۱۔ شرابِ مست را بعد تمام بطور ۱۰۰ دہن میں نہیں ہی قیامِ علیٰ ذکر سے بے گئے ہیں۔  
۲۔ شاعر شراب سے دھو پھرے لکھتا ہے، سوال کرتا ہے کہ اگر ہم صدا ہو جائیں گے تو کہے اور غلط ہو جائیں گے  
۳۔ بارِ خاطر اس وجہ سے کہ آواز پہاڑ سے نکل کر وہیں پہل آتی ہے، تو بے تکلف جادے کہ ہم کہا ہو جائیں  
۴۔ صدا ہو کہ سال اپنے مخاطب سے جو سوال کرتا ہے تو یہ لکھ کر سوال کرتا ہے کہ اس سے وہی مستور ہو جاتا  
۵۔ جس کا بجز جو کہ شرعاً میں کہہ دیتے کا بجز۔ لکھتا ہے۔ اس بے شاعر بھی اس سے اسی جواب کی  
توق لکھتا ہے ۱۱

۱۲۔ وہ ناکونجِ نفس سے نسبت دہی ہو شاہ لکھتا ہے کہ ہم اس دنیا سے تنگ آ گئے ہیں اگر اس کی زندگی ہے  
خیرت مل جائے تو گو از سر نو زندگی مل جائے جس طرح پر زندگی اندھے سے نکلے کے بعد نئی زندگی نہ  
ہوتی ہے ۱۳۔



مستی بہ ذوقِ غفلتِ ساقی - ہلاک ہو  
 سوچ شراب - یک شرابِ خوابِ ناک ہو  
 جرزِ نیم تیغِ ناز - نہیں دل میں آرزو  
 جیبِ خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہو  
 جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد  
 صحرایِ آئینہ میں یک مشت خاک ہو

تپِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہو گوارہ جنبانی  
 قیامتِ رکشہ پہلِ تار کا خوابِ سنگس ہو

آج سچا پطوفانِ صدا سے آب ہو  
 نقشِ پا جھکان میں رکنا ہو انگلی - جاہ سے

۱۔ ساقی کی غفلتِ شکاری کے ذوق نے مستی کر بھی چاک کر دیا ہو - یعنی مست وہ بے خود بنا رکھا ہو  
 ۲۔ سر سے صفر میں ساقی کی اونٹے غفلتِ شکاری کا ہوا نہ کھلا ہو کہ سوچ شراب چشمِ ساز  
 ۳۔ شرابِ طوب آلود ہیں گئی جو یعنی شراب خود سرشار ہوا اور خود رفتہ ہو رہی ہو ۱۰  
 ۴۔ عملِ جاں - پہلِ لبِ محبوباں - مطلب یہ جو کہ گشتہ پہلِ لبِ جنوں کی تیند قیامت کی تیند جو کلاب  
 عیسیٰ کی جنبش بھی اس کو زندہ نہیں کر سکتی زندہ کرنا تو رہنما اس کی جنبش سے ان کی غفلت  
 بھی ترقی کرتی جاتی ہو -

۵۔ طوفانِ صدمے آپ کو کٹ کر نقشِ پا جاوے در دستہ سے کانوں میں انگلی دے ہوئے ہو یعنی  
 خوفِ زہر ہو کہ سچا لب جب آنے لگا تو اس کو فنا کر دے گا - مولا علیؑ لبائی نے اپنی شرح میں



بزمِ مود - دشتِ کدہ جو کس کی چشمِ مست کا؟

شیشے میں نبضِ پری پنہاں ہو سچا دے

ہوں میں بھی تماشا ئی نیز گبِ تننا	مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی پرکا
-----------------------------------	-------------------------------------

سیاہی جیسے گرجے دُورِ تحریر کا غنڈ پر  
مری قسمت میں یوں تصویر ہو شبِ بکجراں کی

بہجوں نالہ - حیرتِ عاجزِ عرض کی لہغاں ہو  
خوشی - ریشہ صدیفتاں کے جس مہناں ہو  
مختلف بر طرف - ہو جاں - تاں تر لطفِ بختیاں  
نگاہ بے حجابِ ناز - تیغِ تیز عریاں ہو

اس شعر کا اصل یہ لکھا ہوا ہے کہ میں صبحِ سلیم ہوتا ہوں کہ عالم میں ہر شخص کو خدا کا کھٹکا لگے ہوا ہو۔  
نہ اس شعر میں بھی ! کہ وہ نبضِ پری سے نسبت دی گئی ہو۔ وہ نسبت یہ ہو کہ یہی میں مشتِ مود کی  
مطلب یہ ہو کہ مشتِ چشم کے آئینے شیشے میں سچا یا دھجی اُچھل رہی ہو۔  
نہ حیرتِ عاجز - عاجز حیرت۔ مطلب یہ ہو کہ بہجوں نالہ بات سے عاجز ہو کہ حیرت کی وجہ سے  
آہ و فغانی نامکن ہو چنانچہ خوشی جو لازمِ حیرت ہو اس نظر کا اظہار کر رہی ہو جس سے دماغ ہونے  
سے اظہارِ نظر ہوا ہو کہ شیشہِ نیتاں اس لحاظ سے آرا ہو کہ نیتاں کی بھی بستیہ یہی حالت ہوتی ہو  
یا جو دے کہ اس سے زیادہ انساں بن سکتی ہیں اور اس لیے اس کو زیادہ انساں نہ کہ شیشے  
کشیدہ کا بھی کہہ سکتے ہیں لیکن صورتِ ظاہر ریشہ ہائے نیتاں مشابہت میں ہوتے ہیں اور خوشی



ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی  
 کہ صبحِ غید۔ مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہو  
 دل و دیں نقد لا ساقی سے گرسودا کیا جا ہے  
 کہ اس باد میں ساغرِ تلخ دستِ گرماں ہو  
 غم۔ آنکھ میں بل میں پرورش دیتا ہو عاشق کو  
 چراغِ روشن اپنا۔ قلمِ مصرعہ کا مرچاں ہو

خوشیوں میں تماشا ادا۔ نکلتی ہو  
 بھگا دل سے تری سرا سا نکلتی ہو  
 فشا پر تنگیِ خلوت سے بنتی ہو شبنم  
 صبا جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہو

نیشاںِ خس یہ و نماںِ فکر آتی ہو ۱۱  
 ملے ستارے دستِ گرواں سے وہ بالِ مراد جو نقد فروخت ہو کیا خوب سودا نقد ہے اس اتارے کہا  
 ہاتھ لے ۱۲

عند شاعر کہتا ہے کہ اگرچہ بادِ مصرعہ چراغِ روشنی کو بجھا دیتی ہو۔ لیکن چونکہ غم سے عاشق کی زندگی ہو  
 اس لیے عشاق کا چراغِ روشنی مصرعہ کی آفت میں نہیں کھتا ۱۳  
 کہ "مسا سفا" نگاہ کی صفت ہے یعنی تماشا دکھانے والی۔ سرِ مکہ نے سے انسان کی آواز  
 بٹھ جاتی ہے اس لیے سرور کو عاشق سے نسبت ہو۔ یعنی ایسی نگاہ نکلتی ہے جس میں افکار اور کئی رنگ نہیں  
 اور یہ اب بھی عاشق کو بھلی معلوم ہوتی ہو ۱۴

تک غنچہ مگر تنگ اور خلوت پسند ہو۔ اس لیے وہ بادِ صبا کو تنگ میں اگر ایسا بٹھاتا ہو کہ وہ خرم سے  
 پیسے پیسے ہو جاتی ہو اور اس پیسے کا نام شبنم ہو ۱۵



نہ پوچھ سینگے عاشق سے آپ تیغِ گھاہ  
کہ زخمِ روزِ نِ در سے - ہوا مسکتی ہو

عجب جانیسم - شانہ کشِ زلفِ یاسر  
نافہ - داغِ آہوے دشتِ تارا ہو  
کس کا سرِ رخِ جلوہ ہو حیرت کو؟ ای خدا!  
آئینہ - فرشِ ششِ جہتِ انتظار ہو  
ہو ذرہ ذرہ تنگی جا سے غبارِ شوق  
گر دام ہے ہو - وسعتِ صحرا شکار ہو  
دلِ قمری و دیدہ بنا تو عا علیہ  
نظارہ کا مستندہ پھر رو بکار ہو  
چتر کے جو شبنم آئینہ برگِ گل پر - آب  
اسے عذیبِ اوقیت و دایعِ بہار ہو

ملہ جی جس ۱۰۰۰ سے وہ بھانپا ہو اُس میں روزِ نِ در کھو لکھ تیغِ گھاہ نے زخمِ زوال دیا ہو  
اور زخمِ جی ایسا گہرا جس میں سے ہوا نکلتی ہو - پھر سینگے عاشق کی کوا حقیقت ہو میں زخم سے ہوا نکلتے ۱۰۰۰  
سانس دینے لگے ۱۰۰۰ مژدہ مک ہو ۱۰۰۰

عجب عجب ہو کہ نسیم سے بڑے ذلت دار کو لے کر آہوے تارا کوا داغ ۱۰۰۰ فرس گوا ہو یعنی آہوے تارا کوا  
بڑے ذلت دار سے فیض اٹھانے کی امتیاز رکھا ہو - ۱۰۰۰ کہ حیرت کس کے سرِ رخِ جلوہ میں سر و تن کو کوا خند  
ششِ جہت تھا میں فرش ۱۰۰۰ ہوا کوا عجب ۱۰۰۰ حیرت کس کے سرِ رخِ جلوہ میں سر و تن کو کوا حیرت ۱۰۰۰  
عجب لگے کی لگی کی دم عجب عاشق کا غبارِ شوق ۱۰۰۰ ذرہ ہو کوا کوا ۱۰۰۰ ہوا کوا ۱۰۰۰ ہوا کوا ۱۰۰۰ ہوا کوا ۱۰۰۰ ہوا کوا ۱۰۰۰



پنج آپڑی ہو دلعز دل دار کی مجھے

وہ آئے یا نہ آئے۔ یہاں منتظر رہو

بے پردہ۔ سوئے دادی عجیبوں گزر نہ کر

ہر ذرے کے نقاب میں دل بے قرار ہو

اے عندلیب۔ یک کفِ خن بہر آشاں

طوفان آمد آمدِ فصلِ بہار ہو

دل مت گنوا۔ خبر نہ سہی۔ سیر ہی سہی

اے بے دماغ تائید تمثالِ دار ہو

غفلت کفیلِ عمر و اسدِ ضامنِ نشاط

اے مرگِ ناگساں تجھے کیا انتظار ہو

آئینہ کیوں نہ دوئی کہ تماشا کیوں ہے

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کیوں ہے

ایک رسم پر کرشکون کے لیے وقت و ضمت کیسے برپا ہی تھرتے ہیں اسی رسم سے آب ہر

آئینہ نہ بھینکا تارسی بخارہ چمکا ہوا ہو جس کے معنی ہیں کسی کو نصرت کرنا۔

لے خبر نہ سہی۔ یعنی دل یا خبر نہ سہی خبر سے مطلب معرفت الہی سے ہو۔ آئینہ تمثالِ دل ہو اشارہ

ہو دل کی طرف جو سرتوں سے بھرا ہوا ہو مطلب یہ ہو کہ میرے دل کو ہاتھ سے نہ دے گیونکہ اس میں

بہت سی مصرتیں بھری ہوئی ہیں۔ مگر وہ معرفت الہی سے مصفا نہیں ہو۔ لیکن مصرتوں کی تصور برتو

اس میں سرحد ہو۔ اس کی بھرتی ہو۔



حسرت نے لارکھا - تری بزم خیال میں  
 گل دستہ نگاہ ہو یا کہیں جسے  
 پھونکا ہو کس نے گوشِ محبت میں لے خدا!  
 افزون انتظار - تنہا کہیں جسے  
 سر پہ جیوم درو غریب سے - ڈالیے  
 وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے  
 جو چشمِ تری حسرتِ دیدار سے شاں  
 شوقِ عناں گسیختہ - دریا کہیں جسے  
 دریا ہو شگفتہ گلِ اے عیش کو  
 میج بہار - پنہا میسنا کہیں جسے  
 غالب - بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے  
 ایسا بھی کوئی ہو کہ سب بچا کہیں جسے

۱۔ لارکھا کا مفہول "گل دستہ نگاہ" ہو جو دوسرے مصرع میں واقع ہوا ہو۔ تری بزم خیال  
 میں مستغرق کی بزم خیال اشارہ ہو دلِ عاشق کی طرف میں میں شوقِ ہر وقت مبرا رہتا ہو  
 سو عیا دل کا سیاہ نقطہ مطلب ہے جو حسرتِ نظر نے میوے دل میں ایک گل دستہ نگاہ  
 لاکر رکھ دیا جو جیسے لگ سوز لگھتے ہیں دوسرے الفاظ میں سمجھنا چاہیے کہ میرے دل میں سیاہ  
 نقطہ نہیں ہو۔ بلکہ حسرتِ تلوؤنگا ہوں کا گل دستہ ہو ۱۲  
 ۲۔ شوقِ عناں گسیختہ: معنی جوشِ انگ ۱۳۔



شبنم - پہ گل لالہ - نہ خالی نہ ادا ہو  
 داغ دل پہ درد - نظر گاہ حیا ہو  
 دل - خوں شدہ کشمکش حسرت دیدار  
 آئینہ بہ دست بہت بدست حنا ہو  
 شعلے سے نہ جوتی - ہویں شعلہ نے جو کی  
 جی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہو؟  
 تمثال میں تیری ہو وہ شوقی کہ بعدِ فوق  
 آئینہ بہ اندازِ گل - آغوشِ کُٹ ہو  
 تری کفِ خاکستر و بلبلِ قفسِ رنگ  
 اے نالہ - نشانِ حشر سوختہ کیا ہو؟

لعل شاہ حرکت ہو کر گل لالہ پہ شبنم کے قطرے پڑے ہیں اس میں بھی ایک ادا کھینچی ہوئی ہے وہ ایک  
 مطلب کو ادا کر رہے ہیں گوڑہ وہ چٹا ہر کہے ہیں کہ قلم میں دن تو ہو کر وہ نہیں جہاں آتے اس  
 کے لیے باعثِ شرم ہو۔ اور اسی شرم کی وجہ سے شبنم کے قطرے عرقِ شرم بن گئے ہیں ۱۲  
 لعل مطلب ہے جو جہاں دل کشمکش حسرت اور اسے خوں ہو کر بہت بدست حنا کے ہاتھ میں آئینہ بن گیا  
 ہو یعنی جہاں دل اس کا شغل نظر کر رہا ہو۔ بدست حنا - اس شوق سے ملایو جو حنا گھٹنے کے شوق میں بہت ہو  
 عہ جو کی - یعنی جو اتنی ہی جو ہو۔ ۱۔ دل کڑھا ہو۔ افسردگی دل سے دل کے شعلہ عشق سے خالی  
 ہونے کی حالت اشا ۱۲ جو ۱۲

لعل اس شعر کے معنی بعض شروحوں میں مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ ایک شاعر نے قفسِ رنگ کو خطہ بتلایا ہے  
 وہ کہتے ہیں کہ قفسِ رنگ صحیح ہو اور اسی کو صحیح اور کافروں نے شراب کی جو۔ لیکن یہ سی رائے میں جو معنی مولا  
 حسرت نے لکھے ہیں وہ قریباً نہیں وہ لکھتے ہیں - ہر سوختہ کا کوئی نشان سوا اس کے باقی میں جو پہلا  
 مصرعہ بطور قید لگا ہے کہ جس طرح تری عشق سرو میں ایک کفِ خاکستر اور بلبلِ عشق گل میں مرنے لگی ہے



خونے تری افسردہ کیا دھشتِ دل کو  
 مشرقی دے ہو مسلکی - طرہ بلا ہو  
 مجبور سی و دعوائے گرفتاری اُلفت  
 دستِ ترسنگ آمدہ پیمانِ وفا ہو  
 معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ  
 تیجِ مستم - آئینہ تصویرِ منا ہو  
 اسے بر تو خوشیاں جہاں تاب ادھر بھی  
 سائے کی فرخ ہم پر عجب وقت پڑا ہو  
 ناکرہ دہنا ہوں کی بھی حسرت کی - مے دار  
 یارب ! اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہو  
 بے گانگی خلق سے بے دل ہو غالب  
 کوئی نہیں تیرا - تو - مری جان خلدی

نکد رہ جاتی ہو۔ اسی طرح ہمارے گھر پر سختے کا کوئی نشان : جز تھکے کے نہیں ہو ۱۱۔

خونے تری خونے، تیری پردہ جھڑنے، دھشت، دل، دھشت، دل کے سن پاستال ہوا ہو ۱۲۔

یہ مطلب : جو کہ ہم چو کہ مجبور سے محبت نہا۔ ہے ہیں، اس نے ہمارے پیمان و ناکہ نشانی میں جو کہ بچہ کے لیے اقدار سمجھا ہو اور نہ نکال سکتے ہوں ۱۳۔

اسکے مشرق کی تیجِ مستم کہ آئینہ تصویرِ زمانہ روا کہی کہ جس کو اسے اس نے اپنے پہلے چاہئے دلوں کو کشیدہ کر کے  
 وہیں اب عشاق موج، اسکے گلے پر چل رہی ہو اور اس کی موجہ تیری، نکاح کو کہنے سے یہ بخوبی نرازا، مرنے کو کہ  
 جو نظم اس وقت کے جاری ہے ہیں وہی شہیدانِ گزشتہ کو بھیجنے کے ہوں گے ۱۴۔



منظور تھی یہ شکل۔ تجلی کو نور کی  
 اک خوں چکان کفن میں کروں بنائیں  
 واعظ نہ تم پیو۔ نہ کسی کو پاس کو  
 روتا ہو مجھ سے حشر میں قال کہ کیوں ٹھہرا؟  
 آمد مبارکی ہو جو بلبل ہو نفس رنج  
 گوہاں نہیں۔ پرواں کو نکالے ہو تو میں  
 کیا عرض ہو؟ کہ سب کو ملے ایک سا جواب  
 مگر تھی یہی کلام میں۔ لیکن نہ اس قدر

قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی  
 بڑتی ہو آکھ تیرے شہیدوں پر۔ جو رکی  
 کیا بات ہو! تمہاری شرابِ طور کی  
 گویا۔ ابھی سستی نہیں آوازِ صور کی  
 اڑتی سی اک خبر ہو۔ زبانی طور کی  
 کیسے سان تہوں کو بھی نسبت ہو وہ کی  
 آؤ۔ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی  
 کی جس سے بات اُس نے شکایت ضرور کی

غالب۔ گراں سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں  
 حج کا ثواب۔ نذر کروں گا۔ حضور کی

غم کھانے میں بول اولیٰ اکام بہت ہو  
 یہ پہلے کہ کم ہو محوِ گلغام۔ بہت ہو

۱۔ تجلی سے تجلی آگئی مراد ہو اور یہ شہرِ منت میں کہ گیا ہو ۱۰  
 ۲۔ شاہِ عرکتا ہو کہ آدمی کو اس قدر خوفزدہ بانی نہیں چاہیے کہ ہر کافِ شکایت کو سے ۱۱



کہنے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہو وہ نہ  
 ہو یوں۔ کب مجھے دُروِ تہ جام۔ بہت ہو  
 نے تیر کماں میں ہو۔ نہ صیاد کیوں میں  
 گوشے میں قفس کے۔ مجھے آرام بہت ہو  
 کیا وہ کو انوں۔ کہ۔ نہ ہو گرچہ ریائی  
 پاداشِ عمل کی۔ طبعِ خام بہت ہو  
 ہیں اہلِ خرد۔ کس روشِ خاص پہ نازاں  
 پابستگی رسم و رواج۔ بہت ہو  
 نازم ہی پہ چھوڑو۔ مجھے کیا خوفِ حرم ہے؟  
 آلودہ پتھر۔ جامہٴ ابرام بہت ہو  
 ہو قمر کرباب بھی خبیثے بات کہ اُن کو  
 انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہو  
 خوں ہو کے جگر آنکھ سے چپکا نہیں اے مرگ!  
 رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کاظم ہو  
 ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے  
 شاعر تو وہ اچھا ہو چہ بدنام بہت ہو

کہ شاعر نے اس شعر میں قصہ و فن کے اس نکتہ کو بیان کیا ہو کہ گوشتِ فشنیورس کوئی غلو نہیں ہو وہ کہتا ہو کہ ایچ  
 آئی وی جی جس میں غلو ہو قبضہ میں پڑا رہا بہتر ہو +  
 عہ ابرام کہن شد کر ۱۲۱۔



مدت ہوئی ہو یا رکھساں کیے ہوے  
 جو من قبح سے بزم چراغاں کیے ہوے  
 کرتا ہوں حج بھر جگر نعت نعت کو  
 عرصہ ہوا ہو دعوتِ مرگاہ کیے ہوے  
 پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہو دم  
 برسوں ہوئے ہیں چاکِ گریباں کیے ہوے  
 پھر کریم نالہ اسے شرابا رہو - نفس  
 مدت ہوئی ہو کسیر چراغاں کیے ہوے  
 پھر پیشِ جراحت دل کو چلا ہو - عشق  
 سالان صد ہزار تمسکداں - کیے ہوے  
 پھر جبربا ہی خامہ مرگاہ - بہ خونِ دل  
 سانچہ چمن طراز ہی دامان کیے ہوے

۱۔ جو من قبح سے بزم چراغاں کہہ کر خاغنے شرابِ آشیں کے جام کو جلیق سے لے لیتا ہے ۱۰  
 ۲۔ وضع احتیاط وہ گریباں ہانڈنے میں احتیاط کرنے کی عادت سے مراد ہے  
 ۳۔ مرگاہ کا معنی ہے اندھونِ دل کی روشنائی جو اس سالان سے صفحہ دامنِ پرگیں کا ریاں کرتا  
 ۴۔ جگر نعت ۱۰



باہم دگر ہوئے ہیں دل و دویہ پھر رقیب

نظارہ و خیال کا ساں کیے ہوئے

دل پھر طواف کوئے طامت کو جاے ہی

پندار کا صنم کردہ ویراں کیے ہوئے

پھر شوق کر رہا ہی خدیوہ کی طلب

عرض متاع عقل و دل دجاں کیے ہوئے

دوڑے ہی پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال

صد گلستاں نگاہ کا ساں کیے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامہ دلدار کھولنا

جاں - نذیرِ دل فریبی عنوان کیے ہوئے

مانگے ہی پھر کسی کو لبِ باہم پر ہو کس

زلف سیاہ خچ پہ پریشاں کیے ہوئے

چاہے ہی پھر کسی کو مقابل میں آئے و

سُرمے سے نیز و شہ ترگاں کیے ہوئے

اک نو بہارِ ناز کو تاکے ہی پھر چنگا

چہرہ فرغِ مئی سے گلستاں کیے ہوئے

پھرتی ہیں جو کہ در پہ کسی کے پڑے ہیں

سوزِ زیرِ بادِ پشت دریاں کیے ہوئے



جی دھونڈھتا ہو پھر وہی فرصت۔ کہ بات دل  
 بیٹھے رہیں تصورِ جانناں کیے ہوئے  
 غالب۔ ہیں نہ چھوڑ کہ پھر جو پیشِ اشک سے  
 بیٹھے ہیں ہم۔ تہیہ طوفاں کیے ہوئے

نورِ ایمان ہو بے داؤد دوست۔ جاں کے لیے  
 رہی نہ طرزِ مستہ کوئی آسماں کے لیے  
 بلا سے گرژہ یار۔ تشنہ فوں جو  
 کھوں کچھ اپنی بی شرکائیِ خال کیلئے  
 وہ زندہ ہم میں۔ کہ ہیں روشناسِ خلق۔ اور خضر  
 نہ تم۔ کہ چو رہنے عمر جاوداں کے لیے  
 رہا بلا میں بھی میں مبتلا سے آفتِ رشک  
 بلا سے جاں ہو۔ ادا تیر سی۔ اک جہاں کے لیے  
 خاک! نہ دور رکھا اس سے مجھے۔ کہ میں جی نہیں  
 دراز دوستی قاتل کے امتحاں کے لیے

۱۔ مطلب۔ کہ وہ مست نے اس وجہ سے دلوں کو آسمان کے لیے کوئی علم نہ دیا جو اس نے  
 اب آسمان کے طور پر مست سے جان کر کوئی ٹھکانہ نہیں رہا ۱۲  
 ۲۔ اس شعر میں رشک کا اظہار کیا گیا ہے کہ مشرق کی ادالگر جم بلا ہو۔ لیکن وہ دوسروں کے لیے بلا بھی  
 کیوں ہو ۱۳



مثال یہ مری کوشش کی ہو کہ بیخ اسیر  
 کرے نفس میں فراہم خس۔ آشیاں کے لیے  
 گناہ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے  
 اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاس کے لیے  
 ہر قدر شوق نہیں۔ غنم ٹگناے غزل  
 کچھ اور چاہیے وسعت۔ مریاں کے لیے  
 دیا ہو خلق کو بھی۔ تائے نظر نہ لگے  
 بنا ہو عیش۔ تجل حسین خاں کے لیے  
 وہاں ہے ہمار خدا! کس کا نام آیا؟  
 کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لیے  
 نصیر دولت دیں۔ اور عین بیت و ملک  
 بنا ہو چنچ بریں جس کے آستان کے لیے

۱۔ اپنی کوشش کو بیخ اسیر کی اسی کوشش سے جمہ غرض ہیں آشتیاں بنانے کے لیے کہ جو شامت  
 دے کے گفتگو اور بے تادم ثابت کیا ہو ۱۰  
 ۲۔ اس شعر میں شاعر نے ایک بہت بڑے معنوں کو دو مصرعوں میں اس خوبی سے نظم کیا کہ اس کی مثال  
 سہارے شاو کے کلام میں ملے گی۔ یہ شاو کہتا ہے کہ میں جو عشق کے مکان پر پہنچا تو اول تو چپ کھڑا رہا  
 پس بیان نے سائل کچھ نہ کہا جب خاموشی کھڑے ہوئے کچھ دیر گزشتی وہ عشق کے خوں نے جاب کو دیا  
 تو بے مری کے ساتھ وہ سبھی کے قدموں پر گر پڑا اس وقت وہ کچھ کہ اس کا مطلب کچھ اور ہے اور اس نے  
 میرے ساتھ وہ سلوک کیا کہ میرا انکار نہ کر رہی میری ۱۱



زیادہ عہد میں اُس کے۔ جو محو آرائش  
 نہیں گئے اہل ستارے۔ اب۔ آسمان کے لیے  
 ورتق تمام ہوا اور طبع باقی ہو  
 سفینہ چاہیے۔ اس بحر بے کراں کے لیے  
 اورے خاص سے غالب ہوا ہو نکتہ سرا  
 صلا سے عام ہو یا راں نکتہ دار کے لیے

## غزلیات تمام ہوئیں

لے سفینہ ہستی کشتی لیکن میاں بہ امن یا دہوان مراد ہو ۱۱۔



# قصائد

## قصیدہ اول

منقبت میں

سائے لالہ رہے داغ سوید اسے بہار  
ریشہ شیشہ کی جو ہر تیج کسار  
تازہ دھو۔ ریشہ تاریخ صفت۔ ہر دھڑار

سائیک ذرہ نہیں فیض میں سے بکھا  
مشتی بار صبا سے ہو بہر من سبز  
سبز ہو جاویم زمر کی طرح۔ داغ چنگ

لہ مطلب ہے جو کہ فیض میں سے جن کا ایک ذرہ بھی بچے گا نہیں اور جہاں تک کہ الہیے داغ کا سا ہو جو زمین پر پڑا ہے وہ دل بہار کا سویدا (قطرہ افعال) میں گیا ہو لیکن وہ بچے گا نہیں ہو گا۔  
تہ تیج کوہ پیا ٹوٹی چوٹی کو چھتے ہیں اس لیے سبز ہو گا کوسا کہ جو ہر تیج کسا ہو مطلب ہے جو کہ بادشاہ کی مستی کے اثر سے وہ سبز ہو جو ہر تیج کسا رہا ہے ذیل سے کہیں گیا عین جو ہر کی شاہ سبت کی وجہ سے اسی الفاظ کو شاعر نے جمع کیا ہو۔

تہ ہمار کی تاثیر سے چھتے کے داغ جو سیاہ ہوتے ہیں، مثل جاویم زمر و سبزیں گئے ہیں خراہو کا تہ نہیں ہوتا لیکن تاریخی کی طرح ترقی کا تہ ہو گیا ہو۔



مستی ابر کے گلچین طرب ہو۔ مسرت  
کوہ و صحرا۔ ہمہ معمور ہی شوق بلبل  
تشریف ہو فیض ہوا چھوڑتے مرگاہن نیم  
کاٹ کر پھینکے ناخن۔ تو بہانہ زبانی  
کفیت ہر خاک پر گردوں شدہ قمری پروا  
کوکہ میں ہو اگر آرزو سے گل چینی  
سج کل ڈھونڈتے بہ خلوت کوہ شہر باغ  
کھینچے گرانی اندیشہ۔ چمن کی تصویر  
نعل سے کی ہو ڈی زمرئہ رحمت شاہ

کہ اس آغوش میں کچھ۔ دو عالم کا فشاہ  
راہ خواہید۔ ہونی آخذہ گل کے بیدار  
سروشت دو جہاں ابر۔ پر یک سطح با  
قوتِ نامید اس کو بھی نہ چھوڑے بجھا  
دام ہر کاغذ آتش زدہ۔ طائوس شکار  
بھول جا۔ یک قہج بادہ بہ طاق گل زار  
گم کرے گوشہ سم غلے میں گر تو ستار  
سبز شل خط زنجیر ہو۔ خط پر کار  
طوطی سبز کسار سے پیدا احتقار

لہ آغوش میں، رکشیت میں۔ مکن جو دو عالم کا فشاہ۔ اس میں دو تہ کے غنوں کا فرسوش ہو جا سکے جو۔

راہ خواہید وہ ماہ میں پرکشی کی آدورقت نہ تھی مستحسان چڑی ہوئی تھی۔

تو دو جہاں پر۔ وہ صلیب پر کثیر و شب۔ دو طین ہوا سے مثل نیم کے مرگاہن خاک آلود کے جس سے۔ دونوں دنیا  
شک جاری رہتا ہو۔ تو اس سے خواب میں بھی ایک کثیر ہو۔ جو۔

یہ مطلب، یہ جو کہ باطل ہر چیز میں جان و دل دھو کر کھانک فری میں گئی ہو ہر شہر طاعون میں گیا ہو۔ قریب  
رنگ خاک کو تھوڑا۔ اس لیے کون خاک سے مٹا ہوتی ہو اس کا خیر گاہ سے جل کر خاک ہو جاتا ہو اس لیے سے  
دام سے نسبت دی ہو۔

شہ کتا ہو اگر نیاغ کو کوکہ جلا چاہتا ہو نیاغ میں ایک جام غراب کو کہ بھول غنوں بنا دے ایک جام کے ہزار  
جام پیدا ہو جائیں گے۔

شد غنوں کا غنہ اپنے غنہ خود باغ دامانہ طائی ہو اس گل سے گل کا کثرت سے پیدا ہونا مراد ہو۔

لہ اس شعر میں سبز کو ہمار کو طویل کوچ پر اٹوں سے ٹھنڈی و شفا طوطی کی گیا ہو۔ رحمت شاہ گلاہ  
دعوت حضرت علی کریم اللہ وجہ ہو۔



وہ شمشاد کہ جس کی پڑ تقسیم رسوا  
 فلک العرش - جہوم خیم دوشن منور  
 سہرؤ نہ ہمیں دیک خط پخت لب بام  
 دال کے خاشاک محال ہو جسے کائے کا  
 خاک مچھو اے بخت - جو ہر سیر عرفا  
 دہرہ اُس گرد کا - خورشید کو آئینہ ناز  
 آفرینش کو ہر وال سے طلب مستی ناز

چشم جبریل - ہوائی - قالبِ خشت دیوا  
 رشتہ فیض ازل سازِ طلب رسوا  
 رفعتِ ہمت صد عارف و کائناتِ حصا  
 وہ رہے مروحہ بال پری سے بے زار  
 چشم نقش قدم - آئینہ بخت بیدار  
 گرد اُس دشت کی - امید کو احرام بار  
 عرضِ نمایا زہ ایجاد ہو ہر سحرِ غبار

## مطلع ثانی

دل پروانہ چراغِ خال - پر لبِ گل ناز

فیض سے تیرے ہو اے شمعِ خستہ آبِ ناز

۱۔ جہوم کا لفظ کثرتِ تمید کی بنا پر کہنے کے لیے آیا ہو۔ دوسرے مصرعے میں ساز پر معنی سازان ملتا ہے  
 سوار کی کہ ہوائی جس سے سوار دیوار کی کچی رہا سستی کو اچھا ہو۔ اس شخصِ روشنی کی فہمی و راستی کا  
 نیا ہی ہو ۱۲

۲۔ سہرؤ نہ ہمیں، رنوا سافلی کی طرف اشارہ ہو اور حرفِ عطف جو دونوں مصرعوں میں استعمال ہوا ہے اس کے  
 دو چیزوں کا مقابلہ کے ساتھ دیکھائی ہو ۱۳

۳۔ مروحہ بال ہمیں نہ وہ جنگجو پری کے بانڈوں سے بنایا گیا ہو ۱۴۔  
 ۴۔ بخت کے گرد کے ہر ذرے سے خطاب کو از ہوا اس کے جنگ کی گردا گرد کے لیے فصلِ مبارک کا اشارہ ہوا ہے  
 ۵۔ ہر سحرِ غبار سازِ ایجاد کی آواز ہے۔ یعنی شمس کے ارتعاش پر غبارِ نورِ ناز کی ہر ضرب ہو۔ مطلب یہ کہ  
 سرزمینِ بخت پیدا کر کے آفرینش کو بار بار ناز پہتا ہو ۱۵



شکل طاس کرے آئینہ خانہ - پروانہ  
 تیری اولاد کے غم سے ہو برے گروہ  
 ہم عبادت کو ترا پیش قدم - مختار ناز  
 دج میں تیری - نہاں - زفر نہ لفت نبی  
 جوہر دست و آئینہ یعنی تا شیر  
 مراد سے ہو عز خانہ اقبال نگاہ  
 دشمن آل نبی کو بظرب خانہ دسر

ذوق میں جلوے کے تیرے - بہو یاد  
 سبک اختر میں مدد - شرف گو ہزار  
 ہم ریاضت کو ترے حوصلے انتظار  
 جام سے تیرے - عیاں - بادہ جوش ہزار  
 ایک طرف ناز میں شمعان و دیگر سر غدا  
 خاک دس کی تری چشم نہ میرا آئینہ دار  
 عرض خیا نہ سیلاب ہو - طاق دیوار

دیشہ نادل اس آئینہ یک پر تو شون  
 نفیس معنی سے خط سب غریبا تم سرشار

۱۵ اس شعر میں مراد کو غزوہ ہند سے روئے کو سبک اشک قرار دیا ہے گو ہزار یعنی گو ہر ہند  
 دلی - اشک کو گو ہزار سے لے کر کہ غم حسین علیہم السلام میں آنکھوں سے جو آنسو نکلتے ہیں وہ موتی  
 کا رتبہ رکھتے ہیں - ۱۶

۱۷ مہربانہ مسجد گاہ - استیلا و بہشت پناہ جونا - مرگنا و ہونا -

۱۸ دست دعا آئینہ و قلب اخلاقت آئینہ دست دعا - مدد کے دست دعا کی طرف اشارہ ہے جو ہر  
 اور مدد کی دعا کی تاثیر کو ہر پناہ دینا - آئینہ کو جو ہر ہے جو نسبت ہو پناہ ہو مطلب ہے ہو کہ مدد کی  
 کی دعا کی تاثیر جو ہمیشہ شرف قبولیت پاتی ہو شمعان کے لیے جو دعا کے تحت اشک بار بھی باعث امان  
 اور فاضل کے لیے موجب مسرت ہو - ۱۹

۲۰ جو آئینہ تیرے - دس کی آئینہ ہو وہ اقبال نگاہ کا آئینہ نہ ہو چلے یعنی دس ہو جائے آئینہ کی  
 تکی میں سیاہی ہو تو اس لیے آئینہ کو عز خانہ کہا - ۲۱

۲۲ خیا نہ سیلاب میں سیلاب کا استعارہ ہو ۱۱ آئینہ اس آئینہ سے لے کر دل تک ایک پر تو



# قصیدہ دوم

## منقبت میں

ہم کہاں ہوتے؟ اگر سخن ہوتا خود  
 بی کسی ہاے تنہا کہ نہ دنیا ہو نہ دیں  
 لعل کو آئینہ فرق حسنوں و نکلیں  
 سخن حق ہمہ پیمانہ ذوق تحسین  
 در و گیک ساغر عقلت ہر چہ دنیا و چڑیں

دبر جز جلوہ کیا فی مشوق نہیں  
 بے ولی اے شاگردِ عبرت ہونہ نون  
 تیرا نہ ہو نغمہ زیر ہم ہستی و عدم  
 نقش معنی ہمہ نمایا نہ عرض صورت  
 لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم

شوق کا آئینہ کو یعنی وہ بہترین شوق بنا ہوا ہو اور فیض معنی سے راقم حروف کا ساغور شاہ ہو  
 یعنی اس کی تحریر بیضاً میں منقبت کے بہترین ہو ۱۲  
 غلط اس شعر میں تقووف کے میل ہمہ اوست کی طرف اشارہ کیا گیا ہو ۱۳  
 غلط زیر و ہم اور ہستی و عدم میں افع و فاعل غیر مرتب ہو زیر کے عدم اور ہم کے ہستی مراد ہو جنوں  
 و نکلیں ۱۴ دیوانگی اور جو کشادگی ۱۵  
 جملہ جو لوگ جو شناسائی کے درجے ہیں ان کو محض صورت شناسی مقصود ہو اور جو لوگ حق کوئی کسم  
 اظہار میں بے باکی نہ کر سکتے ہیں وہ صرف تحسین اور ستائش کے خواہشمند ہیں ۱۶



مثلاً مضمون وفا باور دست تسلیم  
 عشق بے ریل شیرازہ اجڑے ہیں  
 کہ کن۔ گر سنے مزد و طرب گاہ و تب  
 کس نے دیکھا نقشِ اہل وفا آتشِ شیر  
 ساحِ زمرہ اہل جہاں ہوں۔ لیکن  
 کس قدر ہرزہ سرا ہوں! کہ عیانِ باطن  
 نقشِ لاجل کہ۔ اسے غلامِ ہڈیاںِ خیر  
 منظرِ فیضِ خدا جانِ دلی ختمِ رسل  
 ہو وہ سرا یہ ایسا دجہاں۔ گرمِ خوام  
 جلوہ پرداز ہو نقشِ قدمِ اس کا جس جا  
 نسبتِ نام سے اس کی ہو رقیہ کہ ہے  
 فیضِ خلق اس کا ہی شال کہ ہوتا ہوا  
 برشِ تیج کا اس کی ہو جہاں میں چچا

صورتِ نقشِ قدمِ خاک بہ فرق نہیں  
 وصل۔ زنگارِ بیخ آئے حسنِ پیش  
 بے ستوں۔ آئے خوابِ گرائِ شیریں  
 کس نے پایا اثرِ نالہ دل اسے حزیں؟  
 نہ سو برگِ ستائش۔ نہ دانِ قرب  
 یک کلمہ۔ غایبِ آفتابِ وقار و تمکین  
 یا علی! عمرِ کن کے نصرتِ دوسریں  
 قبلہ آئی نبی۔ کبیرہ ایجا رقیں  
 ہر کفِ خاک ہو ہاں گرد و تصویرِ نہیں  
 وہ کفِ خاک۔ ہوا موس و وہ عالم کی ہیں  
 ابدِ پشتِ ملک۔ خم شدہ ناز میں  
 بوے گل سے نفسِ باوصا عطرِ گیس  
 قطع ہو جاے نہ سرِ کشتہ ایجا۔ کہیں

ملہ باور دست سے سہائی اور خرابی اور خاک بہ فرق یعنی خاک بہ سرو نہ سے ذلت و پریشانی مراد ہو۔  
 مطلب یہ کہ اس دنیا میں دنیا کی طرح تسلیم و رضا سے کچھ قائم نہیں اور نقشِ پا کی طرح تکین و خود مداری سے  
 ذلت ہی کا ساخا ہوتا ہو ۱۲

یہ اہل مزد و خیر اس کو عشق کہتے ہیں اور وصل زنگار ہو جن نعین کے آئے کا یعنی اگر نعین کامل ہو تو  
 وصل تک ہر کی عزت ہوتی نہیں ۱۳

تہ گرد و تصویر زمیں۔ کہہ زمین سے مراد ہو ۱۴



کفر سزا اُس کا وہ جلوہ ہو کہ جس سے نور  
جاں پناہ اہل و جاہل فہم سانا اِشا  
جبر اظہر کو ترے۔ دوش پیمبر بہتر  
کس سے ممکن ہے تری مع بغیر از وہ جب؟  
آستان پہن کو ترے۔ جو ہر آئینہ رنگ  
تیرے دیکھے اسبابِ ثارِ آمادہ  
تیری رحمت کے لیے مژاں اِج جاہلِ مہذباں  
کس سے ہو سکتی ہے عامی مروجِ خدا؟  
جنسِ انارِ معاصی اسدا شد  
شوقِ عزمِ مطالب میں جو گشتِ غلب  
وے دعا کو مری۔ وہ مرتبہ حسن قبول  
غمِ شبیر کے ہر سینہ بیاں تک لہر نہ  
حجج کو اُفتِ دلائل میں یہ سرِ مرغی شوق  
دلِ الفتِ نسب و سنیہ توحید و فضا  
صرف اعدا۔ اثرِ شعلہ دہ و دوزخ

زنجب عاشق کی طرح۔ زلفِ بہتِ خفا میں  
وہی ختمِ رسل تو ہو بہو تو اے یقیں  
نامِ نامی کو ترے۔ ناصیہ عرشِ نگین  
شعلہ شمع مگر شمع ۷ باذ سے آئیں  
رقمِ بندگی حضرتِ جبریل میں  
خاکوں کو جو خدا نے دیے جانِ دل دیا  
تیری تسکین کو میں لوح و قلم دستِ جمیں  
کس سے ہو سکتی ہے کمالِ شکرِ فردوسِ بریں  
کہ سوا تیرے کوئی اُس کا خرمیا نہیں  
ہو تو سے حوصلہ فضل پرانہ اس کرتیں  
کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سوا تا مین  
کہ رہیں خونِ جگر سے مری نکمیں نکمیں  
کہ جہاں ٹھک چلے اُس سے قدم و لہجہ نکمیں  
بگر جلوہ پرست و نفسِ صدق گزریں  
وقفِ احباب۔ گل و سنبلِ قزوین میں

۱۲۔ اس سے قدام اولیٰ ہے حسین فارسی کا وہ کاتر جہر جو مینی اُس کا قدم جو دوسری سیمین جو ۱۲  
عہ دلِ الفتِ نسب و الفت سے نسبت رکھنے والا دل۔ سنیہ توحید و فضا اس سے توحید سے سمورج



# قصیدہ سویم

شاہِ ظفر کی بیج میں عید الفطر کے موقع پر لکھا گیا

جس کو تو جھکے کر رہا ہو سلام  
یہی انداز اور یہی اندام  
بندہ عاجز ہو گردشِ ایام  
آسمان نے بھار کھا تھا دام  
حبذا اے نشاطِ عام عوام  
لے کے آیا ہو عید کا ہنیام  
صبح جو جاے اور آئے شام  
تیرا آغاز اور ترا انجام  
مجھ کو سمجھا ہو کیا کہیں تمام؟

اُس مہنوسین ہم اُس کا نام  
دو دین کیا ہو تو لفظِ دویم صبح  
باسے دو دین کہاں رہا غائب  
اُس کے جاتا کہاں کہ تاروں کا  
مرجبا اے سرورِ خاص خواص  
عذر میں تین دن نہ آنے کے  
اُس کو بھولنا چاہیے کتنا  
ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا  
رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہو؟

لے ہلالِ عید سے مراد ہو ۱۲

عہ تمام : جنیل خور ۱۶



جاننا ہوں کہ آج دنیا میں  
میں نے نا۔ کہ تو ہی حلقہ گوش  
جاننا ہوں کہ جانتا ہی تو  
سرتاباں کو ہو تو ہو۔ اے ماہ

ایک ہی ہو امید گاؤ نام  
غالب اُس کا گز نہیں ہو غلام  
تب کہا ہی بہ طرزِ استفہام  
قریب ہر روزہ بہ سبیلِ دوام

ق

تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا  
جاننا ہوں کہ اُس کے فیض سے تو  
ماہِ بین۔ ماہِ تابِ بین۔ میں کون؟  
میرا اپنا جبرِ اِمعالمہ ہی  
ہو مجھے آرزوئے بخششِ خاص  
جو کہ بخشے گا تجھ کو فستِ فروغ  
جبکہ چودہ من ازلِ خلکی ہے  
تیرے پر تو سے ہوں فروغِ پذیر  
دیکھنا میرے ہاتھ میں لہریز  
پھر غزل کی روشنی پہ چل نکلا

جز بہ تقریبِ عیدِ ماہِ صیام  
پھر بنا چاہتا ہی ماہِ تمام  
تجھ کو کیا بانٹ دے گا تو افہام؟  
اویس کے یمنِ دین سے کیا کام؟  
گر تجھے ہو امیدِ رحمتِ عام  
کیا نہ دے گا تجھے ہر گلفام؟  
کر چکی قطع۔ تیری تیری محاسن  
کوئے و مشکوئے و سخن و مستردِ اِدام  
اپنی صورت کا ایک بلوریں جام  
تو سن طبع چاہتا تھا لکھام

غزل

تجھ کو کس نے کہا کہ "ہو بہ نام"؟

زہرِ غم کر چکا تھا پسندِ کام



غم سے جب ہو گئی ہوز سیت حلام  
کرنہ تجھیں وہ لذتِ دشنام  
اب تو باز صاف ہو دیر میں احرام  
چنچ نے لی ہے جس سے گردشِ دام  
دل کے لینے میں جن کو تھا اہلام

وہی بھر کیوں نہیں پیے جاؤں؟  
بوسہ کیسا؟ یہی غنیمت ہو!  
کعبے میں جا بجائیں گے ناقوس  
اُس قیج کا ہو نور مجھ کو نفت  
بوسہ دینے میں اُن کو ہو انکار

چھڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے  
کیوں رکھوں؟ حد غالب اپنا نام

اے پرسی چہرہ اپیک تیز خرام!  
ہیں۔ مہ و مہر و نہیر و بہرام؟  
نامِ شامِ شمشیرِ بلند مقام  
منظرِ ذوالجلال والا کرام  
نوبہارِ حدیثِ اسلام  
جس کا ہر قول معنی الہام

کہہ چکائیں تو سب کچھ اب تو کہہ  
کون ہو جس کے در پہ ناصیب سا  
تو نہیں جانتا تو مجھ کے کسُن  
قبلِ چشمِ دول۔ بہادر شاہ  
شہسوارِ طریقہٗ انصاف  
جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز

۱۲۔ اہرام مندرکنا  
۱۳۔ اُن کے چھڑنے کے لیے غالب نام رکھا ہے۔



بزم میں میزبانِ قیصر و بزم  
 ای! ترا لطفِ زندگی افزا  
 چشم بہ دور - خسروانہ شکوہ  
 جاں نکھاروں میں تیرے قیصرِ روم  
 وارثِ ملک جانتے ہیں تجھے  
 دوبر بازو میں لٹتے ہیں تجھے  
 مرجا مو شگافیِ نادر و ک  
 تیر کو تیرے تیر غیر بد ف

بزم میں اوستا درستم و سام  
 ای! ترا حمدِ فرخنی فرجام  
 لوحِ اشد عارفانہ کلام  
 جرعتِ خواروں میں تیرے شدِ جام  
 ایچ و تور و خسرو و بہرام  
 گیو و گودرز و بیسن و رام  
 آفریں آب واری صمصام  
 تیج کو تیری تیجِ خضم نیام

ق

رعد کا کر رہی ہو کیا دم بند  
 تیرے فیل گراں جسد کی صدا

برق کو دے رہا ہو کیا الزام  
 تیرے زخمِ سبک عیاں کا خرام

ق

فنِ صورت گری میں تیرا گزر

گر نہ رکھتا ہو دستِ شکارِ تمام

لے لوحِ اشد، ر فادریں، اشد کی جگہ پر تے ہیں لیکن عربی میں اس کا استعمال نہیں۔  
 لوحِ کوئی عربی لفظ ۱۲۔

لے مرشد جام، مرسلات جامی سے مراد ۱۳۔



ق

کیوں نمایاں ہو صورتِ ادغام؟

اُس کے مغزوب کے سروتن سے

ق

صفوہا سے لیسائی وادیام  
محبلاً مسندِ بچ ہوئے احکام  
کھڑا عاشقوں کو دشمنِ کام  
گنبدِ تیز گرد نیلی خام  
خال کو دانہ اور زلف کو دام  
وضع سوز و غم ورم و آرام  
ماوتاباں کا اسمِ شمعِ شام  
دسی بدستور صورتِ ارقام  
اُس رتم کو دیا طہرہ دوام  
ہو ابد تک رسائی انجام

جب اذل میں رتم پذیر ہوئے  
ادراگن اوراق میں ہر کلبِ تضا  
کھڑا شاہِ دل کو عاشقِ کس  
آسماں کو کہا گیا کہ کہیں  
حکمِ ناطق کہا گیا کہ کھنکھیں  
آتش و آب و باد و خاک نے لی  
مہرِ رخشاں کا نامِ خسرو روز  
تیرٹی توجہ سلطنت کو بھی  
مہتابِ حکم نے ہو جب حکم  
ہو اذل کے روائی آغاز

جلد نصف پندرہم باب ۱۲

جلد توجہ در زمانہ ۱۲



# قصیدہ پیام

صبح دم دروازہ خاور کھلا  
خسرو انجم کے آیا صرغ میں  
وہ بھی تھی اک سیما کی سی نمود  
ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ  
سج گردوں پر پڑا تھا رات کو  
صبح کیا جانب مشرق نظر  
تھی نظر بند ہی کیا جب رہا  
لاکے ساتی نے صبحی کے لیے  
بزم سلطانی ہوئی آراستہ  
سج دریں مہر تاباں سے سوا  
شاہ روکشندل بادشاہ کہہ دو  
وہ کہ جس کی صورت تکوین میں

مہر عالم تاب کا منتظر کھلا  
شب کو تھا بختیہ نگوہ کھلا  
صبح کو رازِ مہر و اخت کھلا  
دیتے ہیں دعو کا یہ بازی گر کھلا  
موتیوں کا ہر طرف زریہ کھلا  
اک نگار آتشیں صبح سر کھلا  
باد گل رنگ کا ساغر کھلا  
رکھ دیا ہوا ایک مہا بزم زریہ کھلا  
کعبہ امن و امان کا در کھلا  
خسرو آفاق کے منہ پر کھلا  
راہِ مہستی اس پر سزا سر کھلا  
مقصود نہ چرخ و نہفت اختر کھلا

۱۔ سیما ایک فن کا نام ہے جس کے ذریعہ سے اشکال و عیون بھی نظر آتے ہیں۔ ۱۱۔



وہ کہ جس کے ناخن تاویل سے  
پہلے دار کا نکل آیا ہو تاں  
روشناسوں کی جہاں فرست ہو

عقدہ احکام پیغمبر کھلا  
اُس کے سرنگوں کا جب تر کھلا  
واں لکھا ہو چہرہ قیصر کھلا

## قطعہ

توین شہر میں ہو وہ خوبی کہ جب  
نقش پاکی صورتیں وہ دلفریب  
مجھ پہ فیض تریت سے شاہ کے  
لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک  
تھا دل واپستہ۔ قفل بے کلید  
باغ معنی کی دکھاؤں گا بہار  
ہو جہاں گرم عزل خوانی۔ نفس

تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا  
تو کہے بت خانہ آذر کھلا  
منصب مہر و مہر و محور کھلا  
سیری حد و سع سے باہر کھلا  
کس نے کھولا؟ کب کھلا؟ کیونکر کھلا؟  
مجھ سے گر شاہ سخن گستر کھلا  
لوگ جانیں۔ طبلہ عینر کھلا

لہ واں لکھا ہو چہرہ قیصر کھلا۔ چہرہ قیصر کھلا کھلا کھلا یعنی صاف صاف صاف لکھا ہو ۱۲  
تہ بت خانہ آذر۔ یہاں آذر بت تراش سے مراد ہو اگر ذال سے آذر کھجا جائے تو اُس کے  
معنی نادرسی تھرم میں آگ کے ہیں اور بت خانہ آذر کے معنی آتشکدہ جوس کے ہو جائیں گے لیکن  
جوسہوں کے آتشکدہ میں بت نہیں ہوتے ۱۳  
تہ عور۔ یہ کہ عورت کے دھماکے میں ایک فرمیں اور سوہوم لکیر ۱۴۔



# غزل

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا  
ہم بکا یہ اودھ کھلے یوں کون جلتے؟  
ہم کو جو اس راز داری پر گھنٹ  
ہاتھی دل پر بھلا لگتا تھا داغ  
ہاتھ سے رکھ دی کب ابرو کمان؟  
سنت کا کس کو ہرما ہو بد رفتہ؟  
سو دہل کا کیا کرے باران اشک؟  
نامے کے ساتھ آگیا پینا ہم مرگ

کاشکے ہوتا قنس کا دہر کھلا  
یار کا دہر واندہ پائیں گر کھلا  
دوست کا ہر راز دشمن پر کھلا  
زخم - لیکن داغ سے بہتر کھلا  
کب کرے غم کی خنجر کھلا؟  
رہ روی میں بد وہ ترسیر کھلا  
آگ بھڑکی - رہ نہ اگر دم بھر کھلا!  
رہ گیا خط - میری جھاتی پر کھلا!

دیکھو غالب سے گر اُبھھا کوئی  
جو ولی پوشیدہ اور کافر کھلا!

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال  
خلعے نے پانیِ طبیعت سے مد  
مع سے مدوح کی دیکھی شکوہ  
مرکا نپا - چرخ چکر کھا گیا

پھر نہ دھو رشید کا دفتر کھلا!  
بادباں کے اُٹتے ہی لنگر کھلا!  
عرض سے یاں رتبہ جو سر کھلا!  
بادشہ کا رایتِ لشکر کھلا!



اب غلو پاؤں منبر کھلا  
 اب عیاں آبرو سے زور کھلا  
 اب مالِ سخی اسکند کھلا  
 اب فریبِ منزل و سفر کھلا  
 دفترِ مرجِ جہاں داور کھلا  
 بحرِ اعجازِ ستائش گر کھلا  
 تم چائے خاقانِ تام اور کھلا  
 ہو طلسمِ روز و شب کا در کھلا

بادشاہ کا نام لیتا ہو خطیب  
 سکہ شہ کا ہوا ہو روشناس  
 شاہ کے آگے دھرا ہو آئینہ  
 ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے  
 ہو سکے کیا معنی؟ ہاں اک نام ہو  
 فکر اچھی۔ پرستائش نام تمام  
 جانتا ہوں۔ جو خط۔ لوحِ ازل  
 تم کرو صاحبِ قرانی۔ جب ملک

ملکہ ملک کرنا شروع کا حق تھا شروع کو تخت شاہی پر دیکھ کر لوگوں کو نکلا ہر گویا کہ منزل و سفر  
 قریب سے بادشاہ بن چکے تھے ۱۰

۱۱ صاحبِ قرآن: نتائج اور جلیل القدر بادشاہ سے مراد جو عقلی سخی ہیں کہ وہ بادشاہ جو قرآنِ عظمیٰ  
 کے وقت پیدا ہوا ہو۔ علمِ نجوم میں قرآنِ عظمیٰ سببِ ارواں کا ایک ہیئت کہ کہتے ہیں ۴۰ وقت خلک  
 واقع ہوتی جو اس ساعت میں جو بادشاہ پیدا ہوتا ہو اس کی نصیب کیا جاتا ہو کہ اس کی صحت  
 بہت وسیع لاہیر ملکہ ساز کیا جائے دلی ہوتی ہو ۱۲۔



# منوی

## (آموں کی تعریف میں)

ہاں دل دو منہ ز فرمہ ساز  
خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا  
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا کہیے؟  
بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے  
آم کا کون مرد میدان ہے؟  
ناک کے جی میں کیوں رہے میدان؟  
آم کے آگے پیش جلے خاک  
نہ چلا جب کسی طرح مقدر  
یہ بھی ناچار جی کا کھوتا ہے  
مجھ سے پوچھو۔ تمہیں خبر کیا ہے؟  
نہ ٹھل اُس میں نہ شاخ و برگ نہ بار  
ہر دھڑا ہے قیاس کہاں؟

کیوں نہ کھولے درخزینہ راز  
شاخ گل کا ہو گلشن ہونا  
نکتہ ہائے بخروند اچھے  
خامہ۔ نخل رطب فشاں ہو جائے  
نرو شاخ۔ گوے دھوگاں ہو  
آئے یہ گوے اور یہ میدان  
پھوڑتا ہو جلے پھولے تاک  
بادشاہ بن گیا۔ انگور  
شرمے پانی پانی ہونا ہے  
آم کے آگے نہ شکر کیا ہے  
جب خزاں ہو تب آسے اُس کی بیاں  
جان شیریں میں یہ سٹھاس کہاں



جان میں ہوتی گر یہ شیرینی  
جان دینے میں اس کو کیت جان  
نظر آتا ہو یوں مجھے یہ شہ  
آتش گل پہ قند کا ہو قوام  
یا۔ یہ ہو گا کہ فرطِ رافت سے  
انجلیں گے ہر حکم رب الناس  
یا گلزار خضر نے شاخ نبات  
تپ ہوا ہو ٹمڑیاں یہ نخل  
تھا تھیں نہ ایک خسرو پاس  
آتم کو دیکھتا اگر اک بار  
دوئی کا رگ و برگ و نوا  
رہر و راہ حسد کا توشہ  
صاحب شاخ برگ و بار جو آم  
خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو

کہہ کن۔ با وجود غمگینی  
پر۔ وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان  
کہ دعا خانہ ازل میں مگر  
شیرے کے تار کا ہو ریشہ نام  
باغبانوں نے باغ حبت سے  
بھر کے بھیجے ہیں۔ سر پہ مہر گل اس  
مذوق تک دیا ہو آپ حیات  
ہم کہاں! وہ نہ؟ اور کہاں یہ نخل؟  
نگ کا نہ رو۔ پر کہاں ہو اس؟  
پھینک دیتا طلحے دست افشا  
نازش دو دمان آب و ہوا  
طوبی و سدہ کا حیر گوشہ  
ناز پروردہ ہمار ہو آم  
نور نخل باغ سلطان ہو

لے خسرو کا تیغ دامد کسرے کا سونے کا ساگ مشہور ہو۔ کہا جاتا ہے کہ خسرو پروردہ کے پاس اس  
سونا تھا کہ اتنے سے دبا کر جو چاہا ہو اس کی بنا لو۔ چنانچہ خسرو نے اس کا تیغ اور ہتھکڑی لے لی  
ساگ تیار کر لیا جو زہت و ستر خان کے لیے کمانے کے ساتھ چنا ہوتا تھا خسرو اور کسرے پاؤں  
نارس کے نام ہیں جو کچے ہندو کے تخت نشین ہوئے ۱۲۔ لے طلحے دست افشا سے اٹھی سونے  
کی طرف افشا ہو جس کو ہاتھ سے دبا کر جو چاہا ہو بنا لو ۱۳۔ اس شعر میں نور نخل باغ سلطان سے مراد



عدل سے اس کے ہو حمایتِ عہد  
زمینِ طینت و جمالِ کمال  
چہرہ کر ائے سلج و سند و تخت  
خلق پر وہ خدا کا سایہ ہو  
جب تک ہو نمودِ سایہ و نور  
و ادبِ گنج و تخت و انسر کو

دیکھ کر ہی والی ولایتِ عہد  
خیزیں حشرِ شان و عیاہِ جلال  
کارِ فراموشی دین و دولت و بخت  
سایہ اس کا ہما کا سایہ ہو  
اے منیف و جودِ سایہ و نور  
اس خداوندِ بندہ پرور کو

شاوہ دل شاوہ شادماں رکھیو،  
اور غالب ہمسراں رکھیو،

## قطعات

اے جہاں دارِ کرم شیوہ ہے شب و عدیل  
فرق سے تیرے کرے کسبِ سعادتِ کلیل

اے شمشادِ محکمِ نظرِ مثلِ تصویر  
پاؤں سے تیرے فرقِ امانتِ انور

مراد ہو ۱۲۔

اے پہلے شعر میں عہد یعنی عہد و چہاں منہیت دوسرے شعر میں یعنی دائرہ وقت مستقل ہوا ہے  
۱۲۔ خاکِ منظر۔ رموز کو خاکِ منظر کہنے سے یہ مطلب ہو کر شمشاد پر نظر کرنا گو! خاک پر نظر کرنا ہو



تیری رفا تظم جنبش بال جبریل  
تجہ سے دنیا میں بچا امداد بذر علیل  
بکرم۔ دماغ نہ ناصیہ تسلیم و ذلیل

تیرا انداز سخن۔ شانہ ذلعت الہام  
تجہ تھے عالم پہ کھلا رابطہ قرب کلیم  
پہ سخن۔ اوج دو مرتبہ معنی و لفظ

ق

ساترے عہد میں مہینچہ دا لم کی تقصیل  
زہر نے ترک کیا حوت سے کرا تحویل  
تیرنجی شیش مری اخلج مقاصد کی کفیل  
تیرا انداز کفائل مرے مرنے کی دلیل  
چنچ کبج باز نے چا اک کرے مجھ کو ذلیل

ساترے وقت میں ہوش و طرب کی بھر  
ماہ نے چھوڑ دیا نور سے جانا باہر  
تیری دانش مری اصلاح مفاسد کی بین  
تیرا قبالی ترحم مرے جینے کی نوید  
سخت ناساز نے چا اک کر دے مجھ کو انا

لہ قرب کلیم اور جذبل علیل ابھی تک لوگوں نے مت یوں اور دواتیوں میں سنا تھا لیکن چونکہ یہ  
دلوں باتیں تجھ کو بھی متعل ہیں اس لیے اب لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا  
تجہ تیرے سخن سے معنی و لفظ کا مترہ بلند ہوتا ہوا تیرا جنبش تظم و ذلیل کی پشائی پر مدح ڈالنے  
والی بیانی گن کو مترندہ کرنے والی ہو ۱۲

تجہ تو قیر الزامی۔ اس شعر کو شعرا اہل کے ساتھ پڑھنے سے پہلے نکلتے ہو کر تیس سے عہد میں ہمیشہ  
عیش و عشرت کا کم رہے ہیں تجھ کو نور سے اہر چا اچھوڑ دیا ہوا اند دھو نے حوت میں قیام کر لیا۔  
نور اور حوت علم نجوم کی اصطلاح میں مہول کے نام ہیں۔ ماہ کا برج نور اور ماہ کا برج حوت میں قیام  
مبارک ہوتا ہو ۱۳

تجہ دنیام ایک کٹش ۱۴۔

تجہ اقبال یاں لطافت ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہو ۱۵







میں اب بگڑے پکيا شرمنگی جگہ دل جاؤ

قسم لہم ے گر ہجلیں کیوں ہم نہ کرتے تھے

## قطرہ

کلکے سجا جو ذکر کیا۔ تو نے ہم شہین  
وہ سبزہ زار ہے مظر اکبر غضب  
صبر آزادہ اُن کی نگاہیں کہ شہت نظر  
وہ سیوہ ہے تازہ و شیریں۔ کراہو جاؤ

اک تیر میرے سینے میں اما کہ اے اے  
وہ نازنیں بتان خود آرا کہ اے اے  
طاقت ربا وہ اُن کا اشار کر اے اے  
وہ بادہ ہے تاب و گوارا کہ اے اے

## قطرہ

### چکنی ڈلی کی تشریف میں

ہر صاحب کے تیر دست پہ چپکلی ڈلی

زیب و تابا ہوا سے جس قدر اچھا کیجیے

یہاں پر یہاں کرنے کے محاسبے میں استعمال ہوا جو ۵۰ درجہ محاسبہ تھو کر دیا کا تیرہ کو ۱۲  
مظاہرہ نظر چشمہ وہ ۱۰۰ روکا محاسبہ جو اس کے پہلے محاسبے سے ملے اس کا اٹھایا محاسبہ  
جو ۱۰۰ کیوں کہ اس میں ۱۰۰ میں استعمال نہیں ہوتا۔ محاسبہ جو ۱۰۰ کو عام محاسبوں میں ہوتا ہے اس کی محاسبہ  
محاسبہ تیرہ کو ۱۲۔

اس خط کو کہہ دے لکھتے ہیں تشریف کیا تھا وہ تشریف خود مرزا نے اپنے ایک خط نام مرزا قاسم علی مرزا علی  
کھنڈی مولوی رحمت حسین بہت آگاہ و سہلے محاسبوں کے ایک مجلس میں چکنی ڈلی بہت آگاہ و سہلے لکھتے رہے



خاتم انگشت پندہاں کراسے کیا کیے  
 مہر کتب عزیزان گرامی کیے  
 کسی آلودہ سر انگشت حیناں کیے  
 خاتم دست سلیمان کے مشابہ کیے  
 اختر سوختہ قیس سے نسبت دیجے  
 جہرا سود و ہوا پر حرم کیے قدر میں  
 وضع میں اس کو اگر کیے قاف تریاق  
 صومے میں اسے ٹھہرائے گر مہر ناز  
 کیوں اسے فضل درگج محبت لکھے؟  
 کیوں اسے گوہر اباب تصور کیے

۱۰۔ املقہ سر پہ گرجاں کراسے کیا کہتے  
 مرزا زوے شکر خان خود آرا کہتے  
 داغ طرف جگر عاشق شیدا کہتے  
 سرستان پر ہی زاوے لانا کہتے  
 خال مشکین رخ دل کش بیلا کہتے  
 نافہ آجو بیا بان خستن کا کہتے  
 رنگ میں ہنزہ فوجیز سیجا کہتے  
 کھوکھلے میں اسے خشتِ نجم صبا کہتے  
 کیوں اسے نقد بر کار کشت کہتے؟  
 کیوں اسے مردکب دیدہ غفلت کہتے؟

مکند دست پر رکھ کر چہرے کیا کر سکی کچھ نشیب و تہ نہ بکے ہاں میں نے پھینکے تھے اتنی شہر کا قلعہ کھڑا  
 اور میں نے وہ ڈولی اُن سے لی (احمد خندی)

تین انگشت پہ دغلاں۔ فارسی کا کلام جو اصحاب اردو میں بھی مستعمل ہو یہ منی حیرت زدہ ہونے کے اسی طرح  
 سر پہ گرجاں کھر مند میں نے سے مراد ہو ۱۱۔

۱۲۔ کسی آلودہ سر انگشت حیناں۔ یعنی سر انگشت مسی آلودہ حیناں۔ انگشت مسی آلودہ حیناں سے دعا گلی  
 جو چچ کی انگلی اور چھنگلیا کے درمیان میں ہوتی ہے کہ چونکہ عموماً اسی انگلی سے عورتیں کسی گھاتی میں اور اس کے  
 پیشی کی انگلی کہتے ہیں ۱۳۔

۱۴۔ ناکہ کئے پر مشابہ کیے۔ یہ کلام وہ بھی فارسی کا کلام جو ہر مشابہ اندکی سے مشتق ہو ۱۵۔



کیوں اسے تگمہ پر پراہن لپیلا لکھیے  
اپنے حضرت کے گت دست کو دلی کچھ چڑھیں

کیوں اسے نقشِ پئے نازِ سلما کہتے  
اور اس چکنی سپاہی کو سویرا کہتے

## قطرہ

نہ پوچھو اس کی حقیقت حضور والا نے  
نہ کھاتے گیہوں۔ نکلتے نہ خلد سے باہر

بچھے جو بھینچی ہو مین کی روغنی روٹی  
جو کھاتے حضرت آدم پہ مینسی روٹی

## سہرا

خوش ہو اسے سخت! کہہ دوئی تو سے سہرا  
کیا ہی اس چاند سے کھڑے پہ بھلا لگتا ہو  
سر پہ چڑھنا تجھے پہننا ہو۔ پر اسے طرف کا  
ناؤ بھر کر ہی پرہنے گئے ہوں گے سنی  
سات دیا کے فراہم کیے ہوں گے موقی

بافہ شہزادے جواں بخت کے سر پہ سہرا  
ہو ترے حسنِ دل افزود کا زیور سہرا  
مجھ کو ڈر ہو کہ نہ چھینے ترا المبر سہرا  
ور نہ کیوں لائے ہیں کشتی میں گھا کر سہرا  
تب بنا ہو گا اس انداز کا گز بھر سہرا

نہ کہ گھنٹہ سی۔ لیکن اردو میں اس خطے کو کہتے ہیں جس میں گھنٹی ڈالتے ہیں۔ اس قول اصل سنی کے خلاف  
بیج ہو گیا جو نازِ سلما۔ سو کی دھنکی ...

نہ کہ سرورج ہریت جو ضرب و دھماکے بھونٹے ہو چیتے ہیں جواں بخت کی شادی کے موقع پر مرزا صاحب نے  
یہ سہرا لکھا۔ شہزادہ جواں بخت تو اب زینتِ محل کے بھن سے تھے۔ اس پر مرزا صاحب کو ابو شامہ کے مزاح میں



خچ پہ دو لہا کے جو گرمی سے پسینہ نکلا  
یہ بھی اک بے اجنبی تھی کہ قبل سے بڑھ جا  
جی میں اترا میں نہ موتی کہ ہیں میں اک چنر  
جب کراپنے میں سما دین خوشی کے ہر  
سچ روشن کی دمک گھر غلطی کی جھپک  
تاریخیم کا نہیں۔ جو یہ رگ ابر بہار

جو رگ ابر گہرا رگ سراسر سہرا  
رہ گیا اکن کے دامن کے بار سہرا  
چاہتے پھولوں کا بھی یک مقرر سہرا  
گو نہ پھولوں کا بھلا پھر کوئی کینا کہ سہرا  
کیوں نہ دکھلائے فروغ مرہا خسر سہرا  
لے لگا تاب گراں! رہی گوہر سہرا

ہم۔ سخن فہم ہیں۔ غالب کے حرف مانسہ  
ارکھیں۔ کدے کوئی اس سہرے سے بڑھ کر سہرا

بڑا دل تھا اسی وجہ سے بادشاہ شہزادہ جہاں نعت کو بہت عزت دیتے تھے اور اس کو دل سے بہت چاہتے تھے۔ ان کی شادی میں بہت کچھ دھوم دھام ہوئی تھی۔ اس موقع پر حکیم کے ایساتے مرزا غالب نے یہ سہرا کہا اور ایک درگاہ کا نظریہ کر کے سوئے کی کشتی میں ٹھاکر بٹے گلشن کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں پیش کیا تھا۔ منقولہ کوشی کر! ادشاہ کا خیال ہوا کہ یہ ان کی کشتی و دہانہ پر تو بعض چیزیں تھیں اور متادہانہ نے بھی بادشاہ کے ایساتے ایک سہرا اسی روایت و تائید میں کہا تھا جو درج ذیل ہوا۔

آج جو میں وسعت کا ترے سہرا  
کشتی نہ رہیں سوئی ٹھاکر سہرا  
خچ پر نور پہ جو تیرے سہرا  
وہ گئے گلشن پہ جو تیرے مرہا خسر  
گو نہ جیسے سورہ غاس کو ٹرہ کر سہرا  
کائیں غزلان ذرا سنج : کیونکر سہرا  
تاریا ریش سے بنا ایک سہرا سہرا

اے جو ان بخت مبارک کچھ سہرا  
آج وہ دن جو کہے وہ انجمن سے نکلا  
آتش میں سے مانند شعلہ غور شید  
وہ گئے مل علی رید کے سبحان شد  
تاجتے اور بنی میں ہے اخلاص ہم  
دھوم جو گلشن آفاق میں اس سہرے کی  
روئے خچ پہ جو میں تیرے برستے الود



# قطرہ

## نوٹ

مرزے نے اپنے سرے کے جواب میں استاد ذوق کا سرا سن کر اس قطرے کو بادشاہ کے حضور پیش کیا تھا۔ عام دیوانوں میں دیگر قطعات کے سلسلے میں اس قطرے کو سرے سے پہلے جگہ دی گئی تھی لیکن ہم نے واقعے کے لحاظ سے اس کو سرے کے بعد درج کیا جو اس کے سرا پڑھنے کے بعد اس کے مصائب بخوبی ذہن نشین ہو سکیں۔

اچھا بیان حسنِ طبیعت نہیں تجھے  
کچھ شاعریِ ذریعہ عزت نہیں تجھے  
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں تجھے  
نا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں تجھے

منظور ہو۔ گزارشِ احوالِ واقعی  
سولیت سے جو پیشہ آبا۔ سپہ گری  
آزادہ روہوں اور ماسکِ سرکش  
کیا کم ہو یہ شرف کہ ظفر کا غلام پہل

سرے دستار ہو دستار کے پہلا  
تیرا خوابا ہو لے لے کے جو گوہر سرا  
اشدا شدہ سے بھولوں کا سطر سرا  
گنگنا با قدمیں لایا ہو تو سر پر سرا  
کھول دے منہ کو تو منہ سے ہٹا کر سرا  
دہم لقا رہ نہ سے روئے لگو پر سرا  
واسطے تیرے ترا ذوقِ شاگر سرا

ایک کو ایک پہ ترش ہو دم تراش  
ایک گہر بھی نہیں مسکان گہر تراش  
پہر تو خوشبو اترا ہی ہوئی تار سرا  
سر پہ لگو جو تیرے تگے میں بد سرا  
روئی میں تجھ سے مسخ و شکر سرا  
کثرت تار نظر سے ہو تو خائون سرا  
خون من آبِ مقام سے بنا کر سرا



استاد و شہ سے جو مجھے پر خاش کا خیال  
جام - جہاں نما ہو - شہنشاہ کا ضمیر  
میں کون ؟ اور رنجیتہ - ہاں اس ستمو عا  
سہرا لکھا گیا درہ امت شالی امر  
مقطع میں پڑھی ہو سخن گستر لڑات  
رو سے سخن کسی طرف ہو - تو رو سیاہ  
قسمت بری ہی - پہ طبیعت بری نہیں

یہ تاب ہے مجال پہ طاقت نہیں مجھے  
سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے  
جز انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے  
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے  
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے  
سودا نہیں خبر نہیں - جوش نہیں مجھے  
ہو شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ  
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

مح

نصرت الملک بباد ا مجھے تہلا کہ مجھے  
گرچہ تو وہ ہو کہ جنگا مر اگر گرم کرے  
ادب میں وہ ہوں کہ گرمی میں کھینچ کر لے

تجھ سے جراتی امادت ہو تو کس بات ہو  
ردنی بزم مر و مہر تری قات ہو  
غیر کیا - خود مجھے نفرت مری نفاقت ہو

میں کو دعویٰ جو سخن کا ہے شہنا و عالی کو • دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور رسوا



خستگی کا ہو بہلا جس کے سبب سے سر  
ہاتھ میں تیرے۔ بہتر تو سن دولت کی عطا  
تو۔ سکندر جو مرا فخر ہو۔ ملنا تیرا

نسبت اک گو نہ مرے دل کوڑا ہے  
یہ دعا شام و سحر قاضی حاجات ہے  
گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات ہے

اس پر گزے نہ گماں ریو وریا کا۔ رضا  
غالب خاک نشین۔ اہل خرابات ہے جو

## آخری چہار شنبہ

چہر چار شنبہ آخری ماہ صفر چلو  
جو آگے جام بھر کے پیو اور ہو کے ست  
بٹھتے ہیں سونے روپے کے چھلے ضرور  
یوں لکھیے کہ بیچ سے خالی کچے ہوے

رکھ دیں مہین میں بھر کے کھٹک ہو کیا نہ  
سبزے کو رفتا پھرے پھولوں کی بجائے  
ہی جن کے آگے سیم و زبر و ماہ اند  
لاکھوں ہی آفتاب ہیں اربے شما چاند

آلہ ماہ صفر کے آخری چار رستہ کو غلام میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم محبت تھا۔ چاہا کہ  
اللہ اس لیے آئے کے دن خوشی مناتے ہیں اور ان کی سیر کو مٹھتے ہیں اور اس قلم میں اسی خوشی کی  
ارشاد ہے جو میں ت معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے زمانے میں بادشاہ کے ہاں آٹھ کے دن خوشی منائی  
جاتی تھی اور آخری ماہ صفر کے چھلے ختم ہوتے تھے۔ ۱۳۔



غالب ۛ کیا بیاں ہی بجز مچ بادشاہ  
بھاتی نہیں بکواب مجھے کوئی نوشتہ و غلہ

— ۰ —

## مرح شاہ

اے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بستا  
تو دا کرے اس عقدے کو سو بھی باخشا  
گر لب کو نہ دے تپتہ حیواں سے ملتا  
ہو فخر سلیمان جو کرے تیری دناوت  
جو داغ غلامی ترا۔ تو قیہ امارت

اے شاہ جہاں گیر جہاں کش جہاندار  
جو عقدہ دشوار کہ کوشش سے نہوار  
سکن ہو کرے؟ خضر سکندر سے تراز کر  
آصف کو سلیمان کی وزارت کے ترقی  
ہو نقشِ مریدی ترا فرمان اکلی

## قطبہ

تو آگ سے گر دفع کرے تابِ ثمرت  
باقی در ہے آتشِ سوزاں میں حرارت  
ہو گر چہ مجھے سحر طرازی میں مہارت

تو آب سے گر سلب کرے طاقتِ میل  
ٹھونڈے نہ ملے موجِ دنیا میں دانی  
ہو گر چہ مجھے نکتہ سرائی میں تو غل



کیوں کرنے کو دل وجہ کو میں ختم دعا پڑا تو روزہ ہو کج اور وہ دن ہو کہ نہ ہو	تقاضی شکرِ ملکیت میں تری میری عبادت نظارہ کی صفت حق اہل بصارت
تجھ کو شرفِ مہرِ جہاں تاب مبارک! غالب کو ترے عقبہ عالی کی زیارت	
قطرہ	
افطارِ صوم کی کچھ اگر دست گاہ ہو جس باس روزہ کھولے کھانے کو کچھ نہ ہو	اُس شخص کو ضرور ہو روزہ رکھا کرے روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے
لے نظارہ کی۔ نظارہ کرنے والا ۱۲ لے شرفِ مہرِ جہاں تاب - مراد شرفِ آفتاب سے جو اپنی تحویل آفتابِ عمل میں جس کو شرفِ آفتاب کہتے ہیں تجھے مبارک ہو۔ حق و کرم ۱۲	



# گزاش مصنف بحضرت شاہ

اے شہنشاہ آسمان اور نگ !  
تھامیں اک بے نوائے گوشہ نشین !  
تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی  
کہ جو امجد سادہ نا چھینے  
کہچہ اذروئے ننگ بے ہنری  
کہ گر اپنے کو میں کہوں خاک کی  
شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں  
خاندان زاد اور مرید اور مداح  
بارے نوکر بھی ہو گیا صد مشکر  
تہ کہوں آپ سے ۔ تو کس سے کہوں ؟

اے جہاں دار آفتاب آثار  
تھامیں اک درد مند سببِ نگار  
ہوئی میری وہ گرمی بازار  
روشناسی ثوابت و سہار  
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خواہ  
جانتا ہوں کہ آئے خاک کو خار  
بادشاہ کا عند ہم کار گزار  
تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار  
نسبتیں ہو گئیں مشخص چار  
مدعاے ضروری الاطہار

اے شہنشاہ آسمان اور نگ : درود بادشاہ جس کا تخت آسمان ہو ۱۲

جہاں دار آفتاب آثار : وہ بادشاہ جس کی روشنی مثل آفتاب کے پھیلی ہوئی ہو جو نکلاں  
مخلوقوں کے جل کر مصنف کو جائے کے موسم میں سردی کاٹنے کی نصیحت کا حال بیان کرتا ہو اس طرح  
مدوح کو آسمان آثار کہنا ایک لطیف صفت ہو ۱۳۔

تھا روشناسی ثوابت و سہار : یعنی ثوابت و سہارے مجھے پہچاننے لگے۔ ۱۴۔



پروہر شد۔ اگرچہ مجھ کو نہیں  
 کچھ تو جاٹے میں چاہیے آخر  
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش؟  
 کچھ خریدتا نہیں ہوا اب کی سال  
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ  
 آگ تاپے کہاں تلک انسان؟  
 دھوپ کی تابش آگ کی گرمی  
 میری تنخواہ جو معتد رہو  
 رسم ہر مردے کی چھ ماہی ایک  
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات  
 بس کہ لیتا ہوں ہر چھینے قرض  
 میری تنخواہ میں تنہائی کا  
 آج مجھ سے نہیں زمانے میں  
 رزم کی داستان اگر کھینے  
 رزم کا التزام اگر کیجئے  
 ظلم ہو۔ گر نہ دو سخن کی داد۔

ذوقِ آرائشِ سرود ستار  
 تانہ سے باؤ نہ مہر پر آزار  
 جسم رکھتا ہوں۔ ہوا گرچہ نزار  
 کچھ بنایا نہیں ہوا اب کی سال  
 بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار  
 دھوپ کھائے کہاں تلک جاندار  
 وقتاًرتباً عذاب التار  
 اس کے ملنے کا ہی عجب ہنچار  
 خلق کا ہوا اسی چلن پہ مار  
 ادھ چھ ماہی ہوا سال میں دوبار  
 ادھ رہتی ہو سود کی تکرار  
 ہو گیا ہر شے یکساں ہو کار  
 شاعرِ لغز کوئے خوش گنزار  
 ہوا زباں میری۔ تیغ جو ہر فار  
 ہوا قلم میری۔ ابر کو ہر بار  
 قلم ہو۔ گر کرو نہ مجھ کو پیار

شاعر: پروہر۔ غنڈی ہوا۔ زہریلوں کے سوا کئے سنی ہے آہو۔

شاعر: خوش گو۔



آپ کا نوکرا اور کھاؤں اُدھار  
تازہ ہو مجھ کو زندگی دشوار  
شاعری سے نہیں بچھے سروکار  
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

آپ کا بندہ اور پھروں نگار  
میری تنخواہ کیجئے ۱۰۰ بے سار  
ختم کرتا ہوں اب دعا چہ کلام  
تم سلامت رہو ہزار برس

## قطرہ

جہاں ہیں جو کوئی فتح و فخر کا طالب  
کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب

یہ سب عظیم ہوں لازم ہی میرا شریک  
ہونا غلبہ میرا کبھی کسی پہ بھگے

## قطرہ

مجھ پہ کیا کرے گی اتنے روزِ حاضرین  
میں سہل تین تیر ہیں سب کو دن بس

سہل تھا سہل۔ ولے یحیٰ شکر آفرینی  
تین دن سہل سے پہلے تین دن سہل کے بعد

نہ سب عظیم در سب بخت۔ شریک غالب۔ ردہ شریک میں کو غلبہ سہل ہو اگر کسرہ اضافی  
لکھا جائے تو اس کے معنی غالب کا شریک میں مصنف کا شریک بھی جائے گا۔  
عہ تین سہل لینے کے لیے یونانی طبعیوں کے عمل اور رواج کے موافق بارہ دن صرف ہونے لگیں



# قطعہ تالیخ

کہ جس کے یکے سے سربا ہوا ہو جی۔ مخطوط  
نہ کیوں ہوا وہ سال عیسوی۔ مخطوط  
۱۸۵۳ء

نجستہ انجمن طوے میرزا جعفر  
ہوئی ہو ایسے ہی فزندہ سال میں غالب

## دیگر

ہوا بزم طرب میں قصہ ناہید  
تو بولا! "الانشراح جشن جمشید"  
۱۲۴۰ھ

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی  
کسا غالب سے تالیخ اس کی کیا ہو؟

اس کی تفصیل بیان کر کے، دہلی کی رخصت شاعر نے طلب کی ہو۔ مسلسل سے پہلے کہتے کہ نہیں  
دہلی شفیق بلاتے ہیں اور ہر مسل کے بعد ایک دہلی تہرہ اور پھر عشقوں مسل ختم ہو جانے پر عین دہلی  
اور تہرہ میں رہی جاتی ہیں۔ ہر صبح کے مراد انش و دہلی کے ہر مسل کے بعد پائی جاتی ہو ۱۲۔

۱۔ طوے ۱۔ ہر ۱۲۔



دوبارہ بار لوگ بہم آشنا نہیں  
اس سے جو یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں  
سکاتوں پہ بات نہ دھرتے ہیں کرتے ہونچو سنا

## رباعیات

ایام جوانی رہے ساغر کش حال  
اسے عمر گزشتہ یک قدم شقیل

بعد از تمام بزم عید اطفال  
آہنچے ہیں تاسوا و استلیم عدم

## دیگر

کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا  
ہر قطرہ اشک دیدہ پُر غم تھا

شب - زلف و رخ عرق نشان کا غم تھا  
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تک

لے کاٹوں یہ بات دھڑا دھڑا دو گھنٹے میں کسی امر کی ۱۲۰۰ تصنیف کے اجراء کے موقع پر چلا گیا ۱۰ جولائی ۱۹۰۰ء  
نہاد میں شاہی مجلس میں جب دوبارہ ایک دو سو کے کوسم کر کے تھے تو کھانے چٹائی پر بات دیکھنے کے لئے  
اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے تھے ان دونوں باتوں نے اس قلموں ایک مشہور لطیف چہ اگر وہ ہو  
تو اس رباعی میں چند روز کے لیے عرفہ کے پٹ آنے کی تمنا کی ہو ۱۱

یہ زلف و رخ کے قصور میں چھ آنسو تھے ان میں زلف کی سیاہی اور رخ کے سفیدی کی  
شامل تھی یعنی ہر قطرہ اشک میں آنکھ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہو اس لیے ہزار آنکھ سے رونا کہا ۱۲۔



# دیگر

ہر سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال  
لڑکوں کے لیے گیا ہو کیا کہیں نکال

آتش بازی جو جیسے شعلِ اطفال  
تھا تو جہدِ عشق بھی قیامت کوئی

## ایضاً

بے تابیِ رشک و حسرت ویدھی  
نکارا ردائیں۔ تو تجددِ پدھی

دلِ خاکہ جو جانِ دردِ تمہیدھی  
ہم اور فشردن۔ اے تجلیِ انوس

## ایضاً

دشتِ کدو کلاشِ رٹنے کے لیے  
ٹپتے ہیں یہ بدِ مسابشِ رٹنے کے لیے

چرخِ خلقِ حسدِ قماشِ رٹنے کے لیے  
یعنی ہر بار صورتِ کا غنہ با د۔

لڑکوں سے مراد حسدیان کم سن ہیں ۱۲۔ کہ جانِ دردِ تمہید و سوزِ جان میں کا آواز دے دے جو  
یعنی زندگانی پر درد سوزِ شہرِ اہلِ برائی یعنی بد دشت کے آواز ہو مطلب یہ کہ جب پہلے دیکھتے تھے اس وقت ہم نے زندگی پر درد  
اور شکستہ صورت دیکھ کر اپنے دل کو پر سخت کر لیا اور اب تو ہم بھی اور افسردگی اسی حالت میں آئے ہیں اور اگر کوئی شخص تو  
تجدید ہی میں یعنی ترقی و ترقی نہ ہو روزِ مگر پہلے یہ کیا تھا اگر اس کا وہ حال تھا تو اس کا درد فریاد کرے گا کہ حسدِ خلق



دل سخت خزند ہو گیا ہو گویا پر یا رکے آگے بدل سکتے ہیں		اُس سے گلہ مند ہو گیا ہو گویا نائب مُنہ بند ہو گیا ہو گویا
ایضاً		
دُکھ جی کے پسند ہو گیا ہو نائب داشتہ کہ شب کو میندا آتی ہے جی میں		دل رک کر بند ہو گیا ہو نائب سوتا سو گند ہو گیا ہو نائب
مشکل ہو زبیں کلام میرا بدل آساں کہنے کی کرتے ہیں فریاش		شُن شُن کُٹائے ٹُخندوں کا دل گویم مشکل، دگر نہ گویم مشکل
بھجی ہو مجھ کو شاہِ مجاہد دل یہ شاہ پسند مال بے بختِ جدال		ہو لطف دہنایا تہ شاہِ پے وال ہر دولت دیدن دانشِ ہادی کی مال
<p>میں دہی ترکیبِ چرخِ حشر میں ہیں سے مراد حاسد سے ہو نقلی سنی میں "وہ  نقص جس نے مسد کا جامہ پہن لیا ہو "تکلیف سے مراد تلاشِ معاش ہو"  لاخذا اور پتنگ۔ شاعر نے اس شعر میں اس زمانہ کے لوگوں کے منافقانہ رویہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کہتا ہے کہ  دنیا میں غصوں کا لٹایا ہو گیا آپس میں دو چنگوں کا لٹنا کان کے لٹنے سے بڑا ضرر ہو "  لے اس راہی کے دوسرے مصرعے میں بعض دیوانوں میں "رک" کو دیگر رکھا ہے جس کی  وجہ سے وزن راہی سے دو حرف زائد ہو جاتے ہیں "</p>		



<p>ہیں شہسب صفاتِ ذوالجلالی باہم ہوں شاد نہ کیوں سا قلم عالی باہم</p>		<p>آثارِ جلالی و جمالی باہم ہر ایکی شبِ قدر و دولی باہم</p>
	<p>دیگر</p>	
<p>حقِ شہ کی بقائے خلق کو شاد کرے یہ دلی جو گئی ہو رشتہ عمر میں گناہ</p>		<p>تا شاہِ شیوع و انشِ داد کرے ہو صفیر کہ افزائشِ اعدا کرے</p>
	<p>دیگر</p>	<p>اس شہسب میں لگ کھار ہوں۔ بلکہ سوا ہر یکے کو ایک گرہِ فرض کریں</p>
	<p>دیگر</p>	<p>اتنے ہی ہیں شمار میں بلکہ سوا ایسی گریں ہزار ہوں بلکہ سوا</p>
<p>کہتے ہیں کہ اب وہ مردمِ آزاد نہیں جو اٹھ کر ظلم سے اٹھایا ہوگا</p>		<p>عشقان کی پریش سے اُسے مان نہیں کیوں کر مانوں کہ اس میں تلخ ارنیں</p>
<p>لہذا ان مسائل سے خود سائل رہو جو اس دنیا کی بہت پرستی کی لڑتے آئندہ ہو مانی سے بخار و شوق رہو ہی ۱۱</p>		



## دیگر

کرتے ہیں دنگ بکام کرتے والے  
وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

ہم گرچہ نہ سلام کرنے والے  
کہیں خدائے "القدوس"

## دیگر

آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں؟  
خس خانہ برف تاب کہاں سے لاؤں؟

سامان خورد خواب کہاں سے لاؤں؟  
روزہ مرا ایمان ہی۔ قاتل۔ لیکن

## دیگر

بھیجے ہیں جوار مٹاں۔ شیر والانے  
غیر ذہ کی تسبیح کے ہیں بدوانے

انجم کے بیچوں کو کوئی کیا جانے  
رگن کر دیوں گے ہم دہائیں سو بار

## دیگر

شاقب حرکت یہ کی ہر بجیا تم نے

دھند کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے







کنا میں نے کہ اوگم نام آخرا جرا کیا ہی  
ہنسا کچھ کل کھلا کر کپڑے بھر تھک کر چھپانا  
کنا میں صید ہوئی اس کا کہ جس کے دم کیسین  
اسی کی زلف بونہ کا درمیان پر شام بھر تھک کر  
بچشم غور جو دیکھا ہر اسی طائر کو دل تھا

پڑا ہی کام تھک کر کس نگہ ناف تھک جاں سے  
تو یہ رویا کہ جو ہے خوں ہے ٹھک کر کھانا  
پھنسا کرتے ہیں طائر مذرا کر باغ رضواں سے  
تو مطلب غر سے جو اور نہ ہو کچھ کام یہاں سے  
کر دہل کر چھپ گیا یوں خاک میری کا سوزناں

## غزل

شب وصال میں سوئس گیا ہر بن تکیہ  
خراج بادشہ نہیں تھکیوں باگوں آج  
بنا ہی تختہ گلہائے اس میں بستر  
فروغ حسن سے روشن ہو خواجہ ناما  
مڑائے کو کیا خاک ساتھ موندے کا  
اگرچہ تھا پہلہ اوہ کو حسد کا شکر  
ہوا ہی کاٹ کے چا و کو ناگہان غائب

ہوا ہی موجب آرام جان و تن تکیہ  
کو بن گیا ہر خم جد پر شکس کتب  
ہوا ہو دستہ نسرین و نسرین تکیہ  
جو خجست خواب ہی پردیں تو ہی بر تکیہ  
رکھے جو بیچ میں وہ شونہ بیم تن تکیہ  
اٹھا مکانہ نزاکت سے گلبدن تکیہ  
اگرچہ ترانوے نل پر رکھے دمن تکیہ

دونوں نظمیں نواب صاحب مہدی کے تخلص ہیں۔ ان کے تخلص ہیں ۱۱۔ انیس کی زبان کے تخلص ہیں  
میں نے بعض انتظامی مکتوب میں تفصیلات کے طرز میں کو حضرت غالب کے تخلص سے جواں نہ کہنے میں شام  
لے یہ ذرا افسانہ لکھتے ہوئے اور جانی سکتے ہیں لیکن جو یہ مذکور نے حضرت غالب و دہری کے تخلص سے  
اس کو مرزا کے غیر مطبوعہ کا مکتوب ذیل میں شائع کیا تھا۔ ۱۲



<p>بغیر تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہو  یہ رات بھر کا ہی ہنگامہ صبح ہونے تک  اگرچہ چھینکے یا تم نے دور سے لیکن  غش آگیا جو پس از قتل مرقاں کو  شب فراز میں یہ حال ہوا ذیت کا  رودار کھونہ رکھو تھا جو لفظ ”کیہ کام“  ہم اور تم فلک پر جس کو کہتے ہیں</p>	<p>کھرب تیشہ پر رکھنا تھا کو کہن تکیہ  رکھونہ شمع پر اس اہل انجمن تکیہ  اٹھاے کیونکہ یہ رنج و حسرت تن تکیہ  ہوئی جو اس کو مری نش بگفتن تکیہ  کہ سانپ فرس جا اور سانپ کا ہون تکیہ  اب اس کو کہتے ہیں اہل حق ”نخن نمک“  فقیر غالب سکیں گا جو کہن تکیہ</p>
<p>جس دن سے کہ ہمستہ گرفتار ہلا ہیں</p>	<p>کپڑوں میں جو میں بچے کے لٹکوں گے تو ہیں</p>
<p>میں ہوں مشتاق جہاں پر جہاں اور سہی  خبر کی مرگ کا فم کس ہے اسو غیرت ماہ  تم ہو بہت۔ پچھتھیں پیدا خدا کی کیل جو  بحسن میں جو رہے پچھتھیں ہونے کے کبھی</p>	<p>تم ہو بے مادے خوش۔ اس ملا اور سہی  ہیں ہوں پیشہ بہت وہ نہ ہو اور سہی  تم خداوند ہی کہلاؤ، خدا اور سہی  آپ کا شیوہ و اندازہ دادا اور سہی</p>
<p>لے مرزا صاحب اتفاقاً نہ ہو گئے تھے، ان کپڑوں میں جس پر گیتیں تھیں، ان کو مرزا میں رہے تھے ایک  دین جاکر کشتی روانہ کی مرزا خانی اللہ شہر چاہ لکھنے کے انکوں سجدوں کی تشبیہ کس تہ نام انیس ہے۔  تہ یہ قول مرزا نے دہلائے لیکن قریب چرے کے بعد عرشہ میں مرزا خانی اپنے خاک و خمد کا گھر کھینچیں  اس لیے اصل وجہ اس میں شامل نہیں ہوا دوسرے سے لے لی گئی ہے۔</p>	



<p>تیرے کہے کا ہر نال۔ دل مضطرب میرا  کوئی دنیا میں گمراہ باغ نہیں ہے وہاں  کیوں نہ فرودس میں نوح کو ملائیں یارب  جبکہ وہ دہا کہ جسے کھانے نہ پانی لگوں  مجھ سے غالب یہ ملائی نے غزال گھوڑائی</p>	<p>کعبہ اک اور سہی اقبلہ نما اور سہی  خلد بھی باغ ہو خیر آب و ہوا اور سہی  سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی  زہر کھچا اور سہی آب بقا اور سہی  ایک بے داد گر رنج فرا اور سہی</p>
<p>بہت بچہ غم گیتی شراب کم کیا ہے  قیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے  کٹے تو خوب کہیں کاٹے تو سانپ کھلاؤ  گھا کرے کوئی احکام طاس لہلاؤ  یہ حشر و فطر کا خال نہ کیش ولکت کا  وہ داد و دیہ گرا ناچہ شرط ہو ہمد  سخن میں خاتمہ غالب کی آتش افشانی</p>	<p>غلام ساقی کوثر ہوں بھگو غم کیا ہے  تھامی طرزِ رش جانتے ہیں ہم کیا ہے  کوئی تباہ کو وہ زات غم غم کیا ہے  کسے خبر کو وہ ان جنسِ تسلیم کیا ہے  خدا کے واسطے ایسے کی بچہ قسم کیا ہے  وگر نہ ہر سلیمان و جام جم کیا ہے  یقین ہے ہم کو بھی لکیر اب ہمیں م کیا ہے</p>
<p>قطرہ</p>	
<p>لکھنؤ بحال مایہ ریہ ہے آج</p>	<p>ہر کشورِ اُچھلتان کا</p>
<p>لکھنؤ میں ہر سال پہلے میں شاہی خیر ہو ہر شہر میں ہر سال پہلے میں شاہی خیر ہو  ملائی کو کوثر بھی ملی اور انکو ولایت کی کئی کہ وہ انکو دیوان کے کاغذ پر چڑھا دیں۔۔۔  لکھنؤ میں ہر سال پہلے میں شاہی خیر ہو ہر شہر میں ہر سال پہلے میں شاہی خیر ہو  لکھنؤ میں ہر سال پہلے میں شاہی خیر ہو ہر شہر میں ہر سال پہلے میں شاہی خیر ہو  لکھنؤ میں ہر سال پہلے میں شاہی خیر ہو ہر شہر میں ہر سال پہلے میں شاہی خیر ہو</p>	



<p>کھرے بازار میں نکلنے ہوئے چوک میں کو کہیں وہ قتل ہو خسر دہلی کا فزدہ دزدہ خاک کوئی د اں سے نہ آ سکے یاں کا میں نے مانا کر مل گئے بھسے کیا گاہ جل کر کیا کیے شکوہ گاہ رو کر کہا کیسے باہم اس طرح کے وصال سے یارب</p>	<p>زہو ہوتا ہو آب انساں کا کھرنا ہو نمونہ زنداں کا قشہ نوحں ہو ہر مسلمان کا آوی د اں نہ چا سکے یاں کا وہی روتا تہ و دل و جاں کا سوزش و اغما سے پنہاں کا ماجرہ دیدہ و پایے گریاں کا کیا ٹٹے دل سے داغ ہجراں کا</p>
<p>ہر بہن شرم ہو باوصف شریفی آہام میں کا مسی آلودہ ہو گھر نوازش نامہ مذاہر ہو بامید نچا ہ خاص ہوں محل کش سرت</p>	<p>نگیں میں چل شرابگ پلید ہونام میں کا کہ طبع آرزو سے لوس دیتا ہونام میں کا مباوا ہونہاں گہ قیاض لطف نام میں کا</p>
<p>خشب کہ نہ گئی گنگو سے تیرے دل بیتاب تھا ہاں جو ہم نتمہ بائے ساہر مشرت تھا آسم</p>	<p>شرقی چوخت سے انساں فسلین خواب تھا تاہن غم یاں سر تا نفس ہر طرف تھا</p>
<p>دور کو آج اُس کے ہتم میں سہر پشی ہوئی</p>	<p>وہ دل سناں کگل گشت شمع اتم خانہ تھا</p>

کہ (مستحق ۱۳۳۵) غلط کرینا۔ بابر بن علی کام کام کا ارادہ کر لیا گیا ہو۔ مستحق وہ روحی نظام میں ہے جس میں  
اسلوب ہے ہوں۔ اور قواعد کرنے میں اسلوب کی جگہ پرستانی ہے۔ ۱۳



شکوہِ بادلِ غبارِ دل میں پناں کرو یا	قالب ایسے گنج کوٹھایاں ہی ویرانہ تھا
پھر وہ سوئے جن آنا ہو خدا خیر کرے	رنگ اڑتا ہوجھتاں کے ہوا میں کا
معزولی پیش ہوئی۔ افزائِ انتظار	چشمِ کشودہ حلقہٴ بیرِ دل دہرِ آج
تیرے شمر کا احوال کہوں کیا غالب؟	جس کا وہ ان کم آرگیشن کشمیر نہیں
محکشی کو نہ سمجھنے سے حاصل	بادِ غالبِ عربِ بید نہیں
ہزرتِ لبس کہ فصلِ گل میں سما ہیں	قالبِ گل میں جلی ہونستِ پیرِ عین
ظاہر میں میری شکل سے انس چکے نکل	خارِ المے پشت پہوند انگیرہ ہوں
ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج	میں عنایہٴ بگیشِ نا آفریدہ ہوں
ابر روتا ہے کہ بزمِ طربِ آمادہ کرو	برقِ منہستی ہو کہ زہمتِ کئی دمِ بزمِ کو
بندِ دوستانِ سائیکل اے تخت تھا	جاہ و جلالِ عہدِ وصالِ تبتل پر چپے

اے اس غزل کے حرف وہ خرمصل دیوان میں مدینۂ عالم کے تخت میں رہے ہیں



ہواغ تازہ یکمال داغ انتظارِ	عرضِ فضاے سیکڑ و مہا تھاں نہ پہچ
کستا تھا کل وہ محرم مانا اپنے سے کہہاں مودِ عبدائی اسد اللہ تھاں نہ پہچ	
جہم ریشِ خلی کے سبب گلِ نہیں	خانے پنجہ صدیاد مرغِ بشتِ پیر
فانک زبس کہو کہ گئے چشم میں شرک	آنسو کی بند گوہرِ نایاب ہو گئی
بہا ہو این آنگنوں میں غبارِ کلفتِ طر	گر چشمِ تریں ہر کاپ رہ لگائے دگل ہو
کمالِ حسنِ مگر موتوں امانِ قناطل ہو	تکلفتِ بر طرفِ تجھے تری تصویرِ تیر
جیراں ہوں خوشیِ رگ یا قوت ویکہ کر	یاں ہو کہ صحبتِ غرقِ آتشِ ہزار
چند تصویرِ پیاں چند حسینوں کے خطوط	بعدِ مرنے کے مے گھر سے یہ ساناں

۱۔ یہ شعر اکثر لوگوں کا زبان پہ ہو لیکن اس کے جلی معنی کے نام سے رگ نامہ شاعر ہیں۔  
 جس سے میر تقی کا شعر بتاتے ہیں بسن مرزا غالب کہ لیکن کلیت میں ہیں اس کا تائید نہیں ہے۔  
 وہاں غالب ہیں۔ لیکن حضرت شریک بکر اسی نے شعر کی بہت آدے سے علی گڑھ مطبوعہ